مقدمہ

تدوینِ فقہ

حضرت علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ

المیزان

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

Marfat.com

مُقدّمہ

تدوینِ فقہ

حضرت علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ

تقدیم و نظر ثانی

ڈاکٹر رشید احمد جالندھری

المیزان ناشران و تاجران کتب

الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور پاکستان فون: ۷۲۱۲۷۶۲، ۷۱۲۲۹۸۱-۰۴۲

Marfat.com

المیزان

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ

باہتمام: محمد ادریس اعوان

135096

جملہ حقوق محفوظ ہیں

سلسلہ مطبوعات- ۰۹۷

سن اشاعت ۲۰۰۵ء

محمد شاہد عادل نے
حاجی حنیف پرنٹرز سے چھپوا کر
المیزان اردو بازار لاہور سے شائع کی۔

Marfat.com

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر
تقدیم: ڈاکٹر رشید احمد جالندھری	6
تعقل و تفقہ	22
نکتہ سر راہ	28
تفقہ انسان کی فطری خصوصیت ہے	29
علماء اسلام کا نام پہلے دانشمند تھا	36
کیا اجتہاد و تفقہ ان ہی عملی مسائل کے ساتھ مخصوص ہے	39
مذہب کا موضوع	54
خدا فراموشی کی سزا خود فراموشی	55
دین اسلام کی ایک خاص خصوصیت	60
وحی و نبوت کے معلومات کا اظہار محدود الفاظ میں کیا گیا ہے	70
عہد نبوت میں فقہ کی حالت	76
''الامر'' والوں کا مطلب	82
زبیہ کا واقعہ	88

Marfat.com

اسی ضرورت کا اسلامی حل اور اولوالامر پیدا کرنے کا نظام	90
فقہ اسلامی کے پہلے معلم (صلی اللہ علیہ وسلم)	91
بخاری کے کتاب العلم کا خلاصہ	95
عہد نبوت میں استفتاء یا سوال کے متعلق تحدید	100
پیغمبر کی عام تبلیغ کی ایک خصوصیت	116
روایت بالمعنی کی اجازت کی وجہ	142
خبر احاد پر اعتماد کرنے کے وجوہ	143

☆☆☆

Marfat.com

اِنتساب

مولانا سید ابوالخیر مودودی کے نام

Marfat.com

تقدیم

دسویں صدی عیسوی کے ایک نامور صوفی ابوالقاسم قشیریؒ نے بزمِ صوفیہ کی ویرانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "ہرچند کہ خیمے اب بھی ہیں اور ان کے مکیں بھی لیکن لیلیٰ کا چہرہ کہیں نظر نہیں آتا افسوس! ہمارے زمانے میں اس قبیلہ عشاق کا جو اپنے پیچھے اپنے قدموں کے نشان چھوڑ گیا ہے کوئی فرد باقی نہیں رہا"(۱)

قشیری کے بعد بارہویں صدی کے ممتاز صوفی شیخ ابن عربیؒ نے اپنے عہد کی بربادی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"قشیری کے عہد میں لیلیٰ نہ سہی خیمے تو باقی تھے اب تو خیمے بھی باقی نہیں رہے" افسوس! یہی المیہ فقہ کے ساتھ بھی دہرایا گیا۔ فقہ اور فقیہ کے ساتھ عظیم الشان روایات ... وابستہ ہیں لیکن وقت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ آج یہ دونوں لفظ اپنی آب وتاب کھو بیٹھے شاید الفاظ ومعانی کو بھی بڑھاپے کی منزل سے گزرنا پڑتا ہے ورنہ لفظ "فقیہ" صاحب بصیرت اور یکتائے روزگار کے لیے بولا جاتا تھا۔ وقت کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہوتا تھا جسے فقیہ نہ سلجھا سکے اور حکومت کا کوئی منصب ایسا نہ تھا جسے فقیہ اعزاز نہ بخشے۔

لفظ "فقہ" غور وفکر اور حکمت ودانائی کے معنیٰ میں بولا جاتا ہے اور جو لوگ بصیرت سے عاری ہیں گو گوشت پوست کے لحاظ سے تو انہیں آدمی ہی کہا جائے گا، لیکن وہ آدمیت کے مقام سے فروتر ہی رہیں گے۔ قرآن مجید نے انہی لوگوں کے بارے میں کہا ہے کہ "ان کے پاس دل تو ہیں، لیکن بصیرت سے کورے" (۲) قرآن مجید نے ایک دوسرے مقام

Marfat.com

پر مسلمانوں کو دینی بصیرت کے حصول کی ترغیب دی ہے (۳) سوال یہ ہے کہ دین کیا ہے؟ جواب میں نہایت ہی اختصار کے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دین کائنات میں انسان کے مقام کی ایسے ہی انسان اور خدا کے باہمی رشتے کی خبر دیتا ہے۔ مزید یہ کہ دین زندگی کو ایک بلند نصب العین دیتا ہے (۴) ان مسائل پر غور و فکر کرنے والے کو فلسفی، فقیہ، اور عالم کے خطابات سے نوازا گیا ہے یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ لفظ فلسفی، فقیہ، عالم اور صوفی قریب قریب ایک ہی معنی میں بولے جاتے تھے اور وہ تھے رُخِ حقیقت سے نقاب اٹھانے والے پاکیزہ انسان، لیکن خدا جانے کہ وقت نے ان کے خلاف کیا سازش کی کہ فلسفہ کے چہرے پر تو خیر اب بھی تھوڑی بہت رونق باقی ہے، لیکن فقیہ کے عمامے کو خشکی اور اجتماعی مسائل سے بے اعتنائی کا نشان قرار دے دیا گیا اور صوفی کے دامن پر رہبانیت، کام چوری اور جمود کے دھبے لگا دیے گئے اس المیہ کا ماتم ہمارے عہد میں جمال الدین افغانیؒ۔ محمد اقبالؒ اور ابو الکلام آزادؒ نے بھی کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر مسلمان ایک ملت اور زندہ قوم کی حیثیت سے اپنا لوہا منوانا چاہتے ہیں اور انسانی سوسائٹی میں صحت مند اخلاقی قدروں کو لے کر خدمت کا حوصلہ رکھتے ہیں تو پھر انھیں سنجیدگی سے از سرِ نو اپنے اجتماعی اور مروجہ مذہبی نظام کا جائزہ لینا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ یہ نظام کہاں تک قرآن مجید کے پیغام، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور عہد حاضر کے تقاضوں کا ساتھ دے رہا ہے ان امور کا جائزہ لینا اس لیے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ موجودہ وقت میں دنیا کا قانون جس نے آسمانی تعلیم سے اپنے رشتے توڑ لیے ہیں، ——— اپنی پوری خوبیوں کے باوجود معاشرے کی بے چینی کو دور کرنے میں کامیاب نہیں رہا۔ مزید یہ کہ قانون کی دنیا میں تلاشِ حق کرنے والوں نے اس حقیقت کا سراغ پا لیا ہے کہ اسلامی شریعت ایک ایسا قانون ہے جس سے تجاہل نہیں برتا جا سکتا۔ لیہ (LEHIGH) میں ۱۹۳۸ء میں اہل قانون نے ایک بین الاقوامی اجتماع منعقد کیا جس میں

Marfat.com

مصری وفد نے بھی شرکت کی، اس اجتماع نے اپنے اختتام پر یہ بات تسلیم کر لی:

۱۔ قانون کے تقابلی مطالعہ کے سرچشموں میں سے ایک سرچشمہ اسلامی شریعت بھی ہے

۲۔ شریعتِ اسلامیہ وقت کا ساتھ دے سکتی ہے اس میں داخلی طور پر قوتِ نمو موجود ہے

۳۔ شریعتِ اسلامیہ اپنی ذات میں ایک مستقل ادارہ ہے (۵)

مصر کے اہلِ علم نے از سرِ نو حالیہ فقہی نظام کا جائزہ لیا، انہیں اس نتیجہ پر پہنچنے میں دیر نہیں لگی کہ آج کی فقہ دورِ انحطاط کی چند کتابوں کے مجموعہ کا نام ہے اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اسلامی قانون کی ترجمان ہیں یا شریعت اسلامیہ کے قانونی پہلو کی نمائندہ، ایک عبث توقع ہے۔ محمد خضری نے اس افسوس ناک صورتِ حال پر آنسو بہاتے ہوئے لکھا کہ

"کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جو کتابیں اسلام کے عہدِ عروج میں لکھی گئیں وہ تو یک قلم نظروں سے اوجھل ہیں اور یہ وہ کتابیں تھیں جو چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں لکھی گئیں .... یہی وجہ ہے کہ آج ہم امام محمد بن حسنؒ، امام محمد بن ادریس شافعیؒ، امام مالک بن انسؒ اور دوسرے ائمہ کی کتابوں کو نہیں پڑھتے" لے دے کر خلیل کی مختصر، زکریا انصاری کی منہج اور نسفی کی کنز ہمارے ہاتھوں میں ہے"

خضری نے صاف طور پر لکھا کہ فقہ اسلامی کی موجودہ تعلیم اور پڑھائی جانے والی کتابیں خود فقہ اسلامی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں (۶)

مقامِ مسرت ہے کہ اب علماء کرام نے فقہ اسلامی کی حالتِ زار پر مرثیہ گوئی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مثبت قدم بھی اٹھائے۔ سب سے پہلے شیخ محمد عبدہٗ نے اس صدی کے آغاز میں مصر میں شرعی محاکم پر مفصل رپورٹ لکھی اور بتایا کہ شرع کے نام سے کس قدر غیر شرعی کاروبار پھیلا ہوا ہے (۷)

شیخ موصوف نے مزید کہا کہ شرعی عدالتوں کو فیصلہ دیتے وقت کسی ایک فقہی مذہب

Marfat.com

کا پابند نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ عدالت کا نصب العین ایسا انصاف فراہم کرنا ہے جو قرآنِ مجید کی تعلیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو چنانچہ وقت کے ساتھ ساتھ شرعی عدالتوں میں فقہ حنفی کا دامن وسیع ہوتا گیا اور انسان اور مفادِ عامہ کی خاطر دوسرے سنی فقہی مذاہب کی طرف بھی رجوع کیا گیا۔

ہر چند کہ آج تک مصر میں یا مسلم دنیا کے اکثر مقامات پر اسلامی قانون کا دائرہ کار صرف شخصی قوانین (PERSONAL LAWS) تک محدود ہے۔ دیوانی یا فوجداری مقدمات نپولین کوڈ کے تحت طے پا رہے ہیں (۸) لیکن یہ تمنا اہلِ فکر کے سینوں میں برابر مچل رہی ہے کہ ہمارے پورے قانون کی بنیاد شریعت اسلامیہ ہونی چاہیے۔ مصر کے ایک ممتاز قانون داں جناب عبدالرزاق سنہوری اس بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ امر کہ ہمارے قانون کی خشتِ اول اسلامی شریعت ہونی چاہیے ایک عزیز ترین تمنا ہے جو سینوں میں دھڑک رہی ہے، لیکن قبل اس کے کہ یہ حقیقت کا روپ بدلے .... شریعت اسلامیہ کی تحقیق کیلئے ایک زبردست علمی نشاۃ ثانیہ کی ضرورت ہے .... اگر ہم شریعتِ اسلامیہ کی راہ ہموار کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ امر ہمارے عظیم الشان ورثے، ہماری فقہ، ہماری عدالت اور ہماری قانون سازی میں آزادی و خود اعتمادی کی نئی روح پھونک دے گا۔ اس سے نہ صرف ہم دنیا کے سامنے ایک نئی روشنی کے ساتھ آئیں گے بلکہ قانون کی بین الاقوامی ثقافت کے بعض پہلوؤں کو نئی روشنی بھی عطا کر سکیں گے۔" (۹)

جب شریعتِ اسلامیہ کو قانون کی بنیاد قرار دینے کے بارے میں ممتاز اہلِ قانون اس انداز پر سوچنا شروع کر دیں تو پھر ہمیں حالات سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ ہماری رائے یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اسلامی قانون کو تدریجی طور پر نافذ کرنے

Marfat.com

کے سیلیے دو باتوں کا سنجیدگی سے جائزہ لینا ضروری ہے۔

(ل) پاکستان کے مختلف حصوں میں سماجی یا "شرعی نظام" کا جائزہ لیا جائے کہ اس نظام کو کیوں کر اسلامی قانون کے مطابق بنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً بلوچستان میں قبائلی نظام رائج ہے۔ جس کی بنیاد عرف (CUSTOM) پر ہے[1] مثال کے طور پر خون بہا کو لیجئے اگر ایک عام بلوچ بلوچ کے ہاتھوں قتل ہو جاتا ہے تو اس کا خون بہا ڈیڑھ ہزار روپے ہے اور جرمانہ (ریاست کی طرف سے) پانچسو روپے۔ اگر بلوچ سردار قتل ہو جائے تو اس کا خون بہا بیس ہزار روپے سے ایک لاکھ روپے تک ہے، لیکن اگر بلوچ کے ہاتھوں غیر بلوچ قتل ہو جائے تو اس کا خون بہا دو یا تین سو روپے اور جرمانہ صرف ایک سو روپے ——— اب سوال یہ ہے کہ اس "سماجی انصاف" کو اسلامی انصاف کے ڈھانچہ میں کیوں کر ڈھالا جائے اور اس کے سیلیے کون سی راہ اختیار کی جائے ؟ ——— ایک اور مثال سنئے سابق ریاست چترال میں "شرعی نظام" رائج تھا۔ مثلاً زکواۃ، عشر لیا جاتا تھا قاضی اور مفتی بھی تھے جو بستیوں میں قصاص کا بھی فیصلہ دیتے تھے ریاست میں نیم سرکاری مدارس بھی تھے۔ جن میں درس نظامی پڑھایا جاتا تھا اور اساتذہ کرام کی تنخواہیں سرکاری خزانے سے ادا کی جاتی تھیں، لیکن جب چترال کا الحاق پاکستان سے ہوا تو یہ "شرعی نظام" موقوف کر دیا گیا (۹) حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ اس نظام کو جو "شرع" کے نام سے جاری تھا صحیح معنی میں شرعی بنانے کے سیلیے کوئی نیا قدم اٹھایا جاتا، لیکن ایسا نہیں کیا گیا ——— ان دو ایک مثالوں کے بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ملک کے سماجی اور اجتماعی حالات کا مطالعہ کیا جائے اور ان تمام امور پر ایک مفصل تحقیقی رپورٹ مرتب کی جائے پھر اس کی روشنی میں سفارشات مرتب کی جائیں۔ ورنہ صرف آتشیں تقریروں سے اسلامی شریعت کبھی بھی نافذ نہ ہو سکے گی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ چند مخلص، ذہین اور اہل علم حضرات سیاسی شورشوں سے یک قلم

---

[1] جس وقت یہ سطور لکھی گئیں۔ یہ قبائلی نظام رائج تھا، لیکن مارچ ۱۹۷۶ء میں ایک حکم کے ذریعہ اس نظام کو ختم کر دیا گیا ہے۔ (ارشد)

Marfat.com

الگ رہ کر ملک کے مختلف حصوں کے رسم و رواج اور دستور و قانون کا تحقیقی مطالعہ کریں، اور اس کی روشنی میں اسلامی قانون کو بروئے کار لانے کے لیے وسائل پر سوچ بچار کریں۔

(ب) اموی اور عباسی دور کا بھی جائزہ لیا جائے کہ اسلامی قانون زندگی کے کس کس شعبے میں جاری تھا۔ کیونکہ یہ کہنا خالی از حقیقت نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے عہد عروج میں حکمران طبقہ نے اسلامی قانون کو پوری طرح سے نہیں اپنایا، سیاست و اقتدار کا شعبہ ہمیشہ قانون کی قلمرو سے باہر رہا، فقہ اسلامی نے طہارت، نماز، روزہ، زکواۃ، حج، نکاح اور طلاق کے مسائل کی جزئیات کا اس حد تک احاطہ کیا کہ انسان داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، لیکن سلاطین وزراء، حکام اور فوجی کمانڈروں نے لوٹ کھسوٹ کا جو بازار گرم کر رکھا تھا اور داد عیش دینے کے لیے جو جو رنگ رلیاں منائی جاتی تھیں یا اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے اپنے ہی شریک اقتدار ساتھیوں کو لوٹ لیا جاتا تھا یا خود سلاطین و خلفاء ہی کو الگ کر دیا جاتا تھا غرضیکہ اس استبدادی اور شاہی نظام کو جو ہماری تاریخ کا ایک المناک باب ہے قانون کے دائرہ میں لانے کے لیے ہماری فقہ نے خاموشی اختیار کی' تاریخ کا طالب علم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ بادشاہوں کے درباروں میں اور وزراء کے محلات کے پاس اسلامی قانون کو پھٹکنے نہیں دیا جاتا تھا۔ یہاں تعزیرات و قصاص بے بس تھے۔ اس اندوہ ناک صورتحال پر جو صدیوں سے ہمارے معاشرے کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے کبھی بھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا کہ آخر ان مشکلات پر قابو کیسے پایا جائے اور اہل اقتدار پر قانون کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے کن کن وسائل کا سہارا لیا جائے؟ اس لیے آج جو لوگ پاکستان میں خوش اعتقادی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ مسلم عہد حکومت میں اسلامی قانون زندگی کے ہر شعبہ میں جاری و ساری تھا۔ وہ حقائق کی دنیا میں نہیں رہتے۔ تاریخ طبری، کامل اور مسعودی کے اوراق الٹتے جایئے اور دیکھئے کہ کیا اموی و عباسی سلاطین کی زندگیاں (دو چار کو چھوڑ کر) قانون کے سامنے سرنگوں نظر آتی ہیں۔ سلاطین و خلفاء کے عزل و نصب کا سوال ہو

Marfat.com

یا وزراء و حکام کی باہمی چپقلش کا مسئلہ ان سب کا فیصلہ قانون نہیں، تلوار کرتی تھی خود ہمارے ہاں مغل دربار کے فیصلے جن کا تعلق حاکم سے ہوتا تلوار نے کیے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آج اسلامی قانون کی اہمیت کو جاننے اور عملی جامہ پہنانے کے لیے جہاں پاکستانی معاشرے کے رسم و رواج اور مروجہ قوانین کا جائزہ لینا ضروری ہے وہاں اسلام کے صدر اول میں اس قانون کی صحیح پوزیشن کا جائزہ بھی از بس ضروری ہے نیز یہ کہ موجودہ دنیا میں جب کہ مغرب کا قانون اپنی سیادت کا دعویدار ہے قانون کا تقابلی مطالعہ نہ صرف اسلامی قانون کی راہ ہموار کرنے میں ممد و مددگار ثابت ہوگا بلکہ اسلامی قانون کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ بھی لگایا جا سکے گا۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اپنا اور اپنے وقت کا محاسبہ کیے بغیر جو لوگ اسلامی قانون کو عملی طور پر دیکھنے کی تمنا رکھتے ہیں، افسوس وہ تمناؤں میں الجھائے گئے ہیں۔

ہمیں اپنے قانون دان دوستوں اور محترم علماء کرام سے اُمید ہے کہ ان کی مشترکہ کوششوں سے اسلامی قانون کا ایک ایسا عمدہ مجموعہ مرتب ہو سکتا ہے جو ہماری تاریک راہوں کو روشن کر سکتا ہے یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کا حصول ناممکن ہو، ہم ہی نہیں بلکہ پوری انسانی جماعت سماجی انصاف کے قیام کے لیے نئے نئے تجربے کر رہی ہے جن سے ہم فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ جدید قانون میں جو چیزیں اسلام کے بنیادی اصولوں سے متصادم نہیں ان کو اختیار کرنے میں بشرطیکہ ہمارے مفاد میں ہوں کسی عالم نے اعتراض نہیں کیا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اسلام اور جدید قانون میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ہمارے قانون کی بنیاد اخلاقی اقدار پر ہے جن کا سرچشمہ وحی ہے۔ سوسائٹی کا مفاد نہیں۔ دراصل ہم اس اصول کو نہیں مانتے جو یہ کہتا ہے کہ جو چیز سوسائٹی کے لیے سود مند ہے، اچھی ہے اور اس امر کا فیصلہ سوسائٹی کرتی ہے۔ ہم اس مفروضے کو نہیں مانتے کیونکہ یہ

Marfat.com

عین ممکن ہے کہ ایک چیز جدید قانون کی نظر میں مفید اور اچھی ہو، لیکن وحی کی نظر میں نقصان دہ اور برائی، مثلاً سود مغربی قانون کی نگاہ میں اچھائی ہے، لیکن اسلام نے اسے برائی شمار کیا ہے یا یہ کہ مرد عورت کے آزاد جنسی تعلقات، جدید قانون کی نگاہ میں جائز ہیں بشرطیکہ ان کی بنیاد جبر پر نہ ہو۔ لیکن اسلام نے اسے بُرائی سے تعبیر کیا ہے (۱۱) یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اشیاء کے حسن و قبح کی ترازو جن لوگوں کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے وہ کون لوگ ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے جن چیزوں کو سوسائٹی کے لیے مفید قرار دیا ہے وہ حقیقت میں سوسائٹی کے لیے نقصان دہ ہوں۔ آج ساری دنیا میں سرمایہ داروں کے خلاف بغاوت ہے اور اسے ایک بُرائی قرار دیا گیا ہے، لیکن اسی "سرمایہ داری" کو صدیوں تک سوسائٹی پر مسلط کیا گیا اور قانون کی اسے حمایت حاصل رہی جن لوگوں نے سرمایہ داری کو سوسائٹی کے لیے مفید قرار دیا تھا آج وہ وقت کی نظر میں سب سے بڑے مجرم شمار کیے جاتے ہیں غرضیکہ ہمیں مارٹن بوبر (MARTIN BUBER) کے اس قول سے کاملاً اتفاق ہے کہ تمام اشیاء کے (حسن و قبح) کا پیمانہ خدا ہے۔ انسان نہیں۔"
(MAN IS NOT MEASURE OF ALL THINGS)

ان مثالوں سے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اسلامی قانون اور جدید قانون میں ٹکراؤ کا بنیادی سبب کیا ہے؟ قانون کا یہ تقابلی مطالعہ یقیناً ہمارے سامنے بُرائی کو روکنے کی نئی نئی راہیں کھول دے گا نیز یہ کہ اس سے نئے مسائل کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ نئے مسائل کو سمجھے بغیر شاید ہی کوئی "فقیہ" کے معزز خطاب سے نوازا جائے۔ امام غزالیؒ نے کہا تھا کہ دنیاوی باتوں میں انسانوں کے مفاد کا خیال رکھنا فقیہ کے فرائض میں ہے اور جو لوگ اپنے عہد کے مزاج سے نا آشنا اور اپنے وقت کے مسائل سے ناواقف ہیں وہ شیخ عبدہ کی رائے میں عالم کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ خواہ وہ دینی علوم میں کتنے ہی طاق کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ وقت کے پیدا کردہ مسائل کا حل وہی لوگ کر سکیں گے۔ جنہیں خدا نے علم و خشیت اور عقل و دانش سے نوازا ہے کیونکہ ان مسائل کو حل کر کے ہی اسلامی قانون کے

Marfat.com

نفاذ کی راہ تیار کی جا سکتی ہے۔ مثلاً خود ہمارے عہد میں پہلے تحدید ملکیت کا سوال اٹھا پھر تحدیدِ نسل کا ـــــــــ اور اب شاید تھوڑے دنوں تک تحدید مبانی (مکانات) کا سوال بھی اٹھے کہا جاتا ہے کہ بنک میں پڑے ہوئے سرمایہ پر سود لینا ناجائز ہے۔ حرمت کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس طریق سے آدمی کام کیے بغیر نفع وصول کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر سرمایہ مکانات کی صورت میں محفوظ کرلیا جائے اور مکانات کو آگے کرائے پر دے دیا جائے تو کیا یہ امر سود کے ذیل میں نہیں آتا۔ اس بات کا آخری فیصلہ سوچ بچار کے بعد یقیناً علماء کرام ہی کر سکتے ہیں۔ آج کل مکانوں کو کرایہ پر دینے کا کاروبار تجارتی نقطۂ نظر سے بڑا مفید ہے اس پر مستزاد یہ کہ ہمارے ہاں بعض لوگ اپنی رہائش کے لیے ایک نہیں کئی کئی مکانات بنواتے ہیں اور وہ بھی بہت بڑے بڑے جبکہ لوگوں کی اکثریت ایسی ہے کہ ان کے پاس ایک مکان بھی نہیں ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ سماجی انصاف کے پیشِ نظر حکومتِ وقت جذبۂ نمود کے اس اظہار پہ پابندی لگا سکتی ہے اور ضرورت سے زائد مکانات کو چھین بھی سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ مسلسل دو دن گوشت کھانے سے روکتے تھے ایسے ہی ایک سپاہی کو چار ماہ سے زیادہ اپنے بیوی بچوں سے الگ نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی سماجی اصلاحات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ معیار زندگی پر پابندی لگانے کے حق میں تھے۔ معیارِ زندگی کی ایک نہایت ہی بھونڈی شکل ہمارے ہاں جہیز کی نمائش اور ولیمہ کی شاندار دعوت ہے اور یہ دیکھ کر انتہائی دکھ ہوتا ہے کہ اس نمائش میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جو صبح و شام اسلامی قانون کو نافذ کرنے کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ اگر آج حضرت عمرؓ زندہ ہوتے تو وہ جذبۂ نمود کی ان نمائشوں پہ یقیناً برق بن کر گرتے

غرضیکہ اس قسم کے مسائل میں جو اسلامی انصاف کی روشنی میں حل طلب ہیں ہماری سوسائٹی صدیوں سے ایسے بلند نظر فقیہوں کی راہ تک رہی ہے جو اپنی مسلسل کاوشوں سے ہمیں ایسا قانون دیں جس میں ان کی جان، عزت، مال، اور محنت محفوظ ہو انہی لوگوں

Marfat.com

سے ہمیں توقع ہے کہ وہ ہماری سوسائٹی کے چہرے سے مکر و نفاق کا نقاب اُلٹنے میں اپنا تاریخی کردار ادا کریں گے اور اس طریق سے اقبال و جناح کی سرزمین کو اسلامی قانون کی جلوہ گاہ بنا کر دم لیں گے۔

برصغیر پاک و ہند میں برطانوی راج نے اپنے مفاد کے لیے جو سیاسی، قانونی اور تعلیمی نظام رائج کیا۔ اس نے یہاں کے عام باشندوں خاص کر مسلمانوں کو اخلاقی اور روحانی اقدار سے بہت پیچھے دھکیل دیا۔ جس کا ایک مظاہرہ یہ تھا کہ اسلامی قانون کو پرسنل لاز تک محدود کر دیا گیا ——— اور اس پر بھی طرفہ تماشہ یہ کہ نجی معاشرت سے متعلق قوانین بھی اسلامی شریعت کی روح سے یکسر خالی تھے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت نے مسلسل یہ کوشش کی کہ مسلمان کم از کم اپنی انفرادی زندگی ہی میں شریعت کی پیروی کریں اور نکاح، طلاق، میراث اور اوقاف سے متعلق پیش آمدہ مشکلات کا حل اسلام کی صحیح تعلیم میں تلاش کریں۔ سرکاری سطح پر عبداللہ کا شریعت بل اور محمد احمد کاظمی کا خلع بل (مرکزی اسمبلی میں) انہی کوششوں کی ایک کڑی تھا (۱۲) انفرادی طور پر علماء کرام نے اسلامی فقہ پر قلم اٹھایا اور بتایا کہ اسلامی فقہ جسے آج ہمارے ہاں کا ایک گروہ دفتر بے معنی قرار دیتا ہے۔ ہمارے تمدن کا ایک عظیم الشان ورثہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی تمدن کی قدر و قیمت اور حسن و خوبی کا صحیح اندازہ اس کے قانون ہی سے لگایا جا سکتا ہے کہ کہاں تک اس تمدن کا قانون انسانی وقار اور آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلامی فقہ نے اپنے پہلے دور میں انسانی وقار اور آزادی کی حفاظت کے لیے جو بحثیں کی ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام انسان کو کس اونچے مقام پر دیکھنا چاہتا ہے نیز یہ کہ اسلام کی نگاہ میں آزادی کا تصور کس قدر پاکیزہ ہے لیکن ہمارے دور انحطاط میں انسانی وقار کی خود مسلمانوں کے ہاتھ سے جو مٹی پلید ہوتی وہ بھی ہماری تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ یہی باب ہے جس کی طرف ہم نے بار بار اشارہ کیا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ قانون اور سوسائٹی کا مقدس رشتہ کیوں ٹوٹا؟ اور اب اس رشتے کو کیسے جوڑا جا سکتا ہے؟ اہل فکر کی ایک قلیل جماعت نے متعدد بحران اسباب کی نشان دہی کی۔

Marfat.com

مذہبی امور میں جمود و تصلّب اور تشدّد و غلو پر عہدِ جدید میں سب سے پہلے شاہ ولی اللہ نے الانصاف، اور عقد الجید میں لکھا اور بتایا کہ اسلامی فقہ کی امتیازی شان کیا ہے؟ اختلافِ رائے کی جو فقہاء کے ہاں پایا جاتا ہے، صحیح صورتِ حال کیا ہے؟ یا زندگی کی مشکلات پر قابو پانے کے لیے اجتہاد نے کیا کام کیا اور اجتہاد و تقلید کی صحیح پوزیشن کیا ہے؟

ہمارے عہد میں جن لوگوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا، ان میں سید مناظر احسن گیلانی مرحوم و مغفور بھی ہیں۔ گیلانی صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں فطرت نے بڑی فیاضی سے علم اور عشق کی دولت سے نوازا ہے۔ گیلانی صاحب کا مطالعہ وسیع ہے اور علمِ دین کے مختلف پہلوؤں پر ان کی گہری نظر ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب وہ کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو نہ صرف موضوع سے متعلق قیمتی معلومات کا انبار لگا دیتے ہیں بلکہ موضوع سے خارج معلومات بھی زبانِ قلم پر آجاتی ہیں اور اس کثرت سے آتی ہیں کہ بعض اوقات پڑھنے والے کا ذہن اصل موضوع سے ہٹ جاتا ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ معلومات کی اہمیت اور گیلانی صاحب کا شوخ اسلوبِ بیان قاری کے دامنِ نگاہ کو برابر اپنی طرف کھینچتا چلا جاتا ہے۔ زیرِ طبع کتاب "مقدمہ تدوینِ فقہ" میں گیلانی صاحب نے بعض بڑے ہی لطیف نکتے درج کیے ہیں، اور فقہ و قانون کی خشک اور بے مزہ ابحاث کو تصوف اور عشق و محبت کی زبان میں بیان کر کے انہیں سبک و لطیف بنا دیا ہے۔

اس کتاب میں گیلانی صاحب نے نہ تو ہندوستان میں شریعت کے نفاذ پر بحث کی اور نہ ہی اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مسلمان دوسرے باشندوں کی طرح غیر ملکی غلامی میں گرفتار ہیں۔ شرعی نظام کو کس حد تک قائم کر سکتے ہیں؟ یا آزاد ہندوستان میں جہاں قومی اور دنیاوی حکومت قائم ہے جس میں قانونی طور پر مسلم اور غیر مسلم دونوں شریکِ اقتدار ہیں اسلامی شریعت کی کیا پوزیشن ہے؟ یا پاکستان میں جہاں کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ شریعت کو نافذ کرنے کے لیے کونسی راہ اختیار کی جائے؟ ملک کی عدالتوں میں یا قانونی

Marfat.com

تعلیم میں کیا کیا تبدیلیاں کی جائیں ؟ غرضیکہ ان امور پر گیلانی صاحب نے کوئی بحث نہیں کی جس کی ایک وجہ شاید یہ ہے کہ ان باتوں کا اصلی مقام اس کتاب کا دوسرا حصہ ہے اس کتاب میں گیلانی صاحب نے سب سے پہلے یہ بیان کیا کہ علم کی روایتی تقسیم 'علم منقول' اور 'علم معقول' کی کیا حیثیت ہے ؟

اس کے بعد فقہ کی تعریف بیان کی اس ساری بحث کا آغاز اپنے مخصوص انداز میں شیخ ابن عربیؒ کی تحریروں سے کیا ہے، گیلانی صاحب کے فکر و نظر کی پاکیزگی کے لیے یہی چیز کافی ہے کہ انہیں ابن عربی اور جلال الدین رومی کی معطر صحبتوں میں جگہ ملی ہے اور سچی مسرت (TRUE HAPPINESS) کے حصول کے لیے ابن عربی اور رومی کی قیادت میں اسی راہ پر چلے ہیں جو سیدھی آب حیات کی طرف جانکلی ہے (۱۳)

گیلانی صاحب نے فقہاء کے اختلاف رائے کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ اختلاف اخلاص پر مبنی تھا۔ اسی لیے ان کا اختلافِ فکر بھی اُمت کے لیے سراپا رحمت تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے سے محبت اور پیار کرتے تھے۔ امام شافعی ایک دفعہ حضرت ابو حنیفہ کی قبر پر تشریف لے گئے، بصبح نماز میں نہ تو دعائے قنوت پڑھی اور نہ ہی بسم اللہ کو زور سے پڑھا۔(۱۴) پوچھنے پر شافعی نے فرمایا کہ میں حضرت امام عالی مقام جو ان دونوں کے قائل نہ تھے کے حضور میں کیسے پڑھتا ؟ اللہ اکبر ! ادب و احترام کا کتنا حسین مظاہرہ دیکھنے میں آیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے بارے میں شعرانی کا جو خود شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، کہنا ہے کہ ان کے مقام سے اہلِ کشف ہی واقف ہیں اور انہی اہلِ کشف کی رائے ہے کہ خدا نے ابو حنیفہ کو لوگوں کی پیشوائی کے لیے چن لیا ہے۔ گیلانی صاحب نے ان واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے تاکہ ہمارے پڑھے لکھے لوگ اپنے اسلاف کی روایات سے آگاہ ہو سکیں۔

فقہ اور فقہاء کرام کا مقام بلند بیان کرنے کے ساتھ ساتھ گیلانی صاحب نے اس المیہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ فقہ جو قرآن اور حامل قرآنؐ کے بعد دوسرے درجہ پر تھی۔ انہوں ہی

Marfat.com

کے جہل و جمود سے پہلے مقام پر آگئی (۱۵) اور یوں اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈال دیا گیا اور فقہ کے اجلے دامن کو داغ دار بنا دیا گیا۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ گیلانی صاحب کبھی کبھار اصل موضوع سے ہٹ جاتے ہیں، مثلاً بات یہ ہو رہی تھی کہ بعض دینی پیشواؤں نے اپنی جہالت سے یا نفاق سے دین کو بدنام کیا ہے لیکن اہل ہوس نے ان واقعات کو خوب اچھالا اور کہا کہ دیکھئے یہ اصحاب فقہ کہاں کھڑے ہیں، گیلانی صاحب نے اس قسم کے پروپیگنڈے کے جواب میں قرونِ وسطیٰ میں پاپائے روم اور دوسرے مذہبی رہنماؤں کے واقعات بیان کرنا شروع کر دیے کہ جو لوگ اختلاف کا سہارا لے کر شور مچا رہے ہیں، انہیں یورپ کی تاریخ بھی پڑھ لینی چاہیے کہ وہاں کلیسا نے کس آمرانہ انداز سے انسانوں کو اپنا غلام بنایا تھا۔ گیلانی صاحب نے گرانٹ کی "تاریخ یورپ" کے حوالہ جات سے کلیسا اور اہلِ کلیسا کے واقعات کو اتنا طول دیا کہ پورے ۱۴ صفحے کلیسا کی نذر ہو گئے سوال یہ ہے کہ کلیسا نے جو کچھ کیا وہ سب درست لیکن کیا کلیسا کا یہ رویہ ہماری برائیوں کے لیے وجہ جواز بن سکتا ہے؟ ہم اپنی جھوٹی تسلی کے لیے دوسروں کی داستانوں کو کیوں بیان کریں اور خاص کر اب جب کہ یورپ کے مفکرین اور اصحاب کلیسا خود اپنے اس دَور کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے، ہمیں کلیسا کی نئی تاریخ بھی پڑھنی چاہیے۔ آج کلیسا نے اپنی انتھک کوششوں سے پس ماندہ اقوام کی تقدیروں کو بدل دیا ہے، ہند و پاکستان کے لاکھوں انسان جنہیں ہندو یا مسلم سوسائٹی نے اچھوت کا نام دے کر انسانی بستیوں سے باہر نکال دیا تھا" اسی کلیسا ہی نے انہیں آج انسانی وقار عطا کیا ہے، کیا یہ امر ہمارے لیے، خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو کراچی سے لے کر خیبر تک اسلامی نظام کا پرچم اڑائے پھر رہے ہیں، مرقعِ عبرت نہیں، بہر نوع گیلانی صاحب کا قلم ایک ہی وقت میں مختلف مرغزاروں میں چوکڑیاں بھر رہا ہے، ہم نے بھی اس سے تعرض نہیں کیا۔ کیونکہ گیلانی صاحب کے تبرکات کے اس حصے کو بھی پڑھنا چاہیے۔ حالیہ کتاب دراصل گیلانی صاحب کے چند مضامین کا مجموعہ ہے جو دہلی کے معروف

Marfat.com

علمی پرچے "برہان" میں جنوری ۱۹۴۵ء سے ستمبر تک شائع ہوتے رہے۔ اس سے قبل حیدرآباد کے مجلہ عثمانیہ میں شائع ہوئے۔ پاکستان کے معروف مردِ قلندر سید ابوالخیر مودودی کی یہ رائے تھی کہ ان مضامین کو کتابی صورت میں محفوظ کر لینا چاہیے، سید صاحب (مودودی صاحب) اور گیلانی صاحب کے درمیان خط وکتابت بھی ہوئی۔ چنانچہ گیلانی صاحب نے ان مضامین پر نظرِ ثانی کرنے کے بعد انہیں سیّد صاحب کے پاس بھجوا دیا۔ سیّد صاحب نے از راہ کرم یہ مضامین مجھے مرحمت فرما دیے۔ تاکہ محکمہ اوقاف کی مطبوعات میں انہیں بھی شامل کر لیا جائے، لیکن جلد ہی میرا رشتہ اوقاف سے ٹوٹ گیا، میں نے انہیں حافظ عبدالرشید صاحب کے سپرد کر دیا وہ گیلانی صاحب کی ایک دوسری کتاب "النبی الخاتم" شائع کر چکے تھے۔ چنانچہ حافظ صاحب سے یہ طے پایا کہ ان مضامین کو نظرِ ثانی کے بعد بازار میں آنا چاہیے، کیونکہ گیلانی صاحب نے مسلم مفکرین کے جو حوالے دیے ہیں، وہ تقریباً سبھی عربی زبان میں ہیں۔ جب ان حوالوں کو دیکھا گیا تو پتہ چلا عربی عبارتوں کے نقل کرنے میں کثرت سے غلطیاں رہ گئی ہیں۔ جن کی ذمہ داری شاید کاتب پر نہ آ سکے۔ یوں نظر آتا ہے کہ گیلانی صاحب نے اکثر حوالے اپنے حافظہ سے دیے ہیں۔ جس کی وجہ سے اصل عبارتوں کے الفاظ بدل گئے ہیں۔ اور تو اور خود قرآن مجید کی آیات کریمہ اور احادیث شریف کی کتابت میں بھی تساہل سے کام لیا گیا ہے جس کی توقع 'برہان' جیسے پرچے سے نہ تھی۔ تلاش کے لیے کافی جدوجہد سے کام لینا پڑا۔ اس سلسلہ میں جن دشواریوں سے واسطہ پڑا اس کا صحیح اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ موجودہ ایڈیشن کو سامنے رکھ کر 'برہان' کے پرچوں سے تقابل کر لیا جائے تو پتہ چل جائے گا کہ عربی عبارتوں کی تصحیح میں کیا کچھ کرنا پڑا ہے۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ اس اہتمام کے باوجود حالیہ ایڈیشن بھی ہماری تمنا کے مطابق مرتب نہ ہو سکا، ہم کتاب میں وارد احادیث پر تشریحی نوٹ دینا چاہتے تھے۔ ایسے ہی گیلانی صاحب کے افکار بھی بعض مقامات پر محتاج تشریح تھے۔ لیکن افسوس کچھ اپنی سستی اور کچھ وقت کی بے رخی کی وجہ سے کام نہ ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ دو

Marfat.com

چار مقامات پر ہم اصل حوالوں کی طرف بھی رجوع نہیں کر پائے اُمید ہے کہ کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ان کوتاہیوں کی تلافی کی جا سکے گی۔

اگر سید ابوالخیر مودودی کی نگہِ التفات اور حافظ عبدالرشید کا صبر شامل حال نہ ہوتا تو یہ کتاب موجودہ شکل میں شاید بازار میں نہ آتی، سید صاحب کون ہیں؟ عرفانِ ذات میں ان کا کیا مقام ہے؟ اس بات کا پتہ تو گیلانی صاحب کی ایک تحریر ہی سے جو آگے آ رہی ہے چلے گا، لیکن یہ کہنا شاید بے جا نہ ہوگا کہ سید صاحب صوفیہ کرام کی روایات پر بڑی سختی سے عمل پیرا ہیں، اسی لیے وہ 'خمول' کے دلدادہ ہیں، صوفیہ اپنی معنوی زندگی کی اصلاح اور غرور نفس کے مفاسد سے بچنے کے لیے 'خمول' (زاویۂ گمنامی) کو پسند کرتے تھے 'خمول' کی قدر و قیمت سے وہی لوگ آگاہ ہیں جو نفس کے فتنوں سے آشنا ہیں اور دوسروں کی آنکھ کا 'تنکا' دیکھنے کی بجائے اپنی آنکھ کے 'شہتیر' پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اپنے آپ سے جنگ وہی کر سکتا ہے جو اپنے نفس کی گھات میں چوکنا بیٹھا ہوا ہے۔ سید ابوالخیر مودودی کا تعلق بھی اسی قبیلۂ عشاق سے ہے گیلانی صاحب کو اس امر کا دیر سے پتہ چلا، فرماتے ہیں: "ہمدردولوں میں آپ کے ساتھ اتنی مناسبت تھی، اس کا علم نہ تھا۔ دکن کے دنوں میں ان مناسبتوں پر متنبہ نہ ہوا۔ ورنہ اچھی گذر جاتی۔ داعی ہوں کہ حق تعالیٰ آپ کو اتنی قوت تو فرماتے رہیں کہ جو کچھ سوچا گیا ہے وہ پورا ہو فقیر گردابی چکروں میں اسی طرح تہ و بالا ہوتا رہتا ہے۔ بس اَن اجل اللہ لآت کا صرف انتظار ہے ــــــ حسبِ ارشاد 'تدوین فقہ' کا مصحح اور نظرثانی کردہ نسخہ بھیج رہا ہوں، لیکن خود جو بگڑا ہوا اس سے صحت کی توقع بے جا ہے۔ آپ ہی نظرثانی فرمالیں دراصل کتاب 'تدوین فقہ' کا یہ مقدمہ ہے۔ ایک طویل خواب دیکھا تھا کچھ حصہ تو اس خواب کا امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی' میں آ گیا، مگر اس کے سوا سارا مواد مواد ہی کی شکل میں پڑا ہوا ہے۔ مناسب ہوگا کہ 'مقدمہ تدوینِ فقہ' کے نام سے اس کو شائع فرمائیں۔ اگر شائع ہونے کے قابل نظر آئے .... بقول امام شافعیؒ لکلِ ساقطۃٍ لاقطۃ، کا جو تماشا آپ نے دکھایا اور دوسرے نوازش نامہ میں جو

Marfat.com

کچھ ارشاد ہوا ہے۔ مولانا حالی (کا) وہ شعر یاد آ گیا:

تسلیم نے دی کچھ اس طرح داد سخن　　مجھ کو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا

(یکم جنوری ۱۹۵۶ء)"

سید صاحب کے نام اپنے ایک دوسرے مکتوب مورخہ ۲۲ فروری ۱۹۵۶ء میں گیلانی صاحب فرماتے ہیں "آپ سے زندگی کی آخری منزل میں رابطہ قائم ہوا۔ آپ کی فکر و نظر کے توازن کا صحیح اندازہ دکن کے ماحول میں نہ کر سکا جس کا افسوس ہے۔ فقیر بھی کشمکشِ مرگ و زلیست میں اپنی مقررہ سانسیں پوری کر رہا ہے۔" یہی "خمول" کی زندگی ہے جس کی بناء پر گیلانی صاحب سید صاحب کو دکن میں پہچان نہ سکے، جس کا انہیں افسوس ہے۔ ہمیں مسرت ہے کہ ہم اس کتاب کو سید ابوالخیر مودودی کے نام معنون کر رہے ہیں۔ اگر آج گیلانی صاحب زندہ ہوتے تو انہیں اس امر سے یقیناً خوشی ہوتی۔

اسلام آباد　　رشید احمد (جالندھری)

۸ جنوری ۱۹۷۶ء

Marfat.com

مُقدّمہ تدوینِ فقہ

تعقل و تفقہ

آج ہمارے پاس علوم و فنون کا جو ذخیرہ ہے، عام طور پر ان کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ عقلیات و نقلیات، جن علوم کے مسائل و معلومات کو براہِ راست عقل حاصل کرتی ہے، ان کی تعبیر عقلیات سے کی جاتی ہے اور اس کے بالمقابل یہ سمجھا جاتا ہے کہ عقلی جِد وجُہد کے جو علوم رہینِ منت نہیں ہیں وہ نقلیات ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنٰی ہوتے کہ جن علوم پر "نقلیات" کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے، گویا ان کا عقل سے کوئی سروکار نہیں۔ عقل و نقل کی یہ بحث اتنی قدیم ہے، جتنی کہ خود انسانی علوم و فنون کی تاریخ، مگر بادنیٰ تامل واضح ہو سکتا ہے کہ جس دعوٰی پر اس تقسیم کی بنیاد قائم ہے وہ کتنی بے بنیاد ہے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ عقل کے متعلق یہ دعوٰی کرنا کہ وہ بھی براہِ راست معلومات حاصل کرتی ہے، کبھی عقل والوں نے اس پر بھی غور کیا کہ ان کا یہ دعوٰی کہاں تک صحیح ہے؟ حضرت شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسئلہ پر تنبیہ کرتے ہوئے فتوحات مکیہ کے مختلف مقامات میں سے ایک مقام پر لکھا ہے۔

ليس في قوة العقل من حيث ذاته ادراك شي [1] — بذاتِ خود عقل میں کسی چیز کے دریافت کرنے کی قوت نہیں ہے۔

135096

Marfat.com

بظاہر شیخ کا یہ دعویٰ عجیب سا معلوم ہوتا ہے، لیکن کیا کیجئے کہ جو کچھ شیخ نے لکھا ہے وہی واقعہ بھی ہے، ہم اس کو مثال سے سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ شیخ ہی نے سمجھایا ہے۔

فلا يعرف الخضرة ولا الصفرة	عقل نہ سبز رنگ کو جان سکتی ہے، نہ زرد
ولا الزرقة ولا البياض ولا	کو، نہ نیلے رنگ کو، نہ سفیدی کو، نہ سیاہی کو،
السواد ولا ما بينهما من	نہ ان رنگوں کو جو سفیدی اور سیاہی کے درمیانی
الالوان مالم ينعم البصر على	مدارج سے پیدا ہوتے ہیں جب تک قوت بینائی کی
العقل بها	طرف سے ان چیزوں کے علم کا عقل کو انعام نہ ملے۔

اور جس طرح عقل ان اَلوان اور رنگوں کا علم براہِ راست حاصل نہیں کر سکتی جب تک قوت بینائی اس کی امداد نہ کرے — شیخ فرماتے ہیں — کہ بجنسہ اسی طرح مختلف اصوات اور آوازوں کے علم میں بھی عقل قوتِ شنوائی کی محتاج ہے، فرماتے ہیں:

جعل العقل فقيرا اليه يستمد	(آوازوں کے باب میں بھی) عقل قوت شنوائی کی
منه معرفة الاصوات تقطيع	فقیر ہے، اسی سے مدد طلب کر کے عقل آوازوں
الحروف وتغير الالفاظ وتنوع	کو جانتی ہے، حروف کو جو باہم ایک دوسرے
اللغات فيفرق بين صوت	سے جدا ہوتے ہیں، الفاظ میں جو تغیر پیدا ہوتا
الطير، وهبوب الرياح وصرير	ہے مختلف قسم کے لغات میں جو فرق ہے،
الباب وخرير الماء وصياح	ان ساری باتوں کے علم میں عقل (کان) ہی سے
الانسان وثغاء الشاة	مدد چاہتی ہے اسی کے ذریعہ سے وہ پرندوں کی
وثواج الكباش وخوار	آواز، آندھیوں کے شور، دروازے کی کھٹکھٹاہٹ،
البقر ورغاء الابل وما اشبه	پانی کے بہاؤ کی آواز، آدمی کے منہ کی آواز، بکریوں
هذه الاصوات كلها	کے چلانے، مینڈھوں کی پکار، گائے بیل کے منہ

Marfat.com

کی آواز، اونٹ کی بلبلاہٹ اور اس قسم کی تمام آوازوں کا یہی حال ہے۔

شیخ اسی کے بعد فرماتے ہیں

ولیس فی قوۃ العقل من حیث ذاتہ ادراک شیء من ھذا مالم یوصلہ الیہ السمع ۵	ان آوازوں میں کسی آواز کے براہِ راست جاننے کی عقل میں قطعاً صلاحیت نہیں ہے جب تک کہ قوتِ شنوائی ان آوازوں کو اس تک نہ پہنچا دے۔

اور کچھ انہی قوتوں پر مدار نہیں ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی آدمی ایسا پیدا ہو، جو کامل اور تام عقل رکھنے کے باوجود ہر قسم کے حواس سے محروم ہو، تو اس ذاتی اور حضوری علم کے سوا کہ "میں موجود ہوں" اور کسی قسم کے معلومات کا اس میں ہونا ناممکن ہے، خواہ اس کو دنیا میں جتنے برس بھی زندہ رہنے کا موقع دیا جائے اور جس صفت کی تعبیر ہم عقل سے کرتے ہیں، اس کی بڑی سے بڑی مقدار کا وہ حصہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

پس صحیح بات یہی ہے کہ براہِ راست کسی چیز کے جاننے اور معلومات کے فراہم کرنے کا مادہ عقل میں قدرت کی طرف سے عطا نہیں ہوا ہے، بلکہ فراہمی معلومات کا کام تو آدمی کے حواس انجام دیتے ہیں، البتہ جب معلومات کا سرمایہ عقل کے سامنے حواس پیش کر چکتے ہیں، تب ان حسی معلومات کو عقل قبول کرتی ہے اور تحلیل و تجزیہ، ترکیب و تصفیف وغیرہ اپنے عملی کرتبوں سے ان چند محدود معلومات سے قوانین و اصول، نظریات و مسائل کا سیلِ جرار جاری کر دیتی ہے۔

حضرت شیخ لکھتے ہیں :

فقد علمنا ان العقل ما عندہ من حیث نفسہ علم و ان	تو اب یہ بات سمجھ میں آئی کہ بذاتِ خود عقل میں کسی قسم کا کوئی علم نہیں ہوتا، باقی پھر عقل

Marfat.com

الذی یکتسبہ من العلوم انما ھو من کونہ عندہ صفۃ القبول۔ ؎	جن معلومات کو حاصل کرتی ہے، تو یہ اس کا نتیجہ نہیں ہے کہ عقل میں دریافت کرنے کا مادہ ہے، بلکہ اس میں (معلومات) کے قبول کرنے کی جو صفت ہے یہ اس کا نتیجہ ہے۔

کوئی شبہہ نہیں کہ "علم و معرفت" کے سلسلہ میں عقل کا یہی صحیح مقام ہے۔ حکیم الشرق ڈاکٹر اقبال مرحوم نے غالباً اسی حقیقت کی طرف اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے

فروغِ دانشِ ما از قیاس ست	قیاسِ ما ز تقدیرِ حواس ست

پس یہ دعویٰ کہ بعض علوم میں معلومات براہِ راست عقل کے ذریعہ سے بھی حاصل کیے جاتے ہیں، یہ ان ہی عام غلطیوں میں سے ایک ایسی غلطی ہے جو کسی طرح ابتدا میں آدمی کو لگ گئی، اور خشت اول کی غلطی سے اگر اس کے بعد "ثریا" تک غلطیوں کی دیوار کھڑی ہو جائے تو کیا تعجب ہے۔ حضرت شیخ نے لکھا ہے۔

فھذا من اعجب ما طرئ فی العالم من الغلط ؎	دنیا میں جو غلطیاں واقع ہوئی ہیں ان تمام اغلاط میں یہ عجیب تر غلطی ہے۔

صحیح بات یہی ہے کہ بجائے خود "عقل" میں کسی چیز کے جاننے کی صلاحیت نہیں ہے، فراہمی معلومات، یہ عقل کا سرے سے کام ہی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ معلومات اس کو باہر ہی سے حاصل کرنے پڑتے ہیں

پھر یہی معلومات اگر حواس کی راہ سے حاصل ہوتے ہیں اور عقل جب ان معلومات پر کام کرتی ہے، ان کی روشنی میں جزئیات سے کلیات بناتی ہے تو اسی کا اصطلاحی نام "تعقل" ہے لیکن بجائے حواس کے یہی معلومات جب وحی و نبوت کی راہ سے عقل کو میسر آتے ہیں اور اپنے فطری فرائض کے ساتھ جب ان میں وہ ڈوبتی ہے ان معلومات سے نتائج و نظریات، تفریعات و جزئیات پیدا کرتی ہے۔ تو

Marfat.com

اسی کا اصطلاحی نام "تفقہ" ہے۔

اسی لیے میرے نزدیک علوم کی عقلی و نقلی تقسیم قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ دنیا کا کوئی علم کوئی فن بھی ہو، جیسا کہ معلوم ہوا کسی کے معلومات براہِ راست عقل سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ ہر حال میں حصولِ معلومات کے لیے عقل اپنے سوا دوسری قوتوں کی محتاج و فقیر ہے، خواہ وہ دوسری قوت حواس ہوں، یا حواس نہیں وحی و نبوت کے ذرائع ہوں، اسی لیے حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ دونوں صورتوں میں اگر کچھ فرق ہے، تو یہی کہ حواس کے فراہم کردہ معلومات پر جب بھروسا کر کے عقل کام کرتی ہے تو اس وقت وہ ایسی قوتوں کی تقلید کرتی ہے جو

محدث مثلہ وقوۃ من قوی	اسی جیسی نو پیدا قوتوں میں ایک قوت ہوتی
الانسان التی خلقہا اللہ فیہ	ہے جنہیں خدا نے انسان میں پیدا کیا ہے،
وجعل تلک القوۃ خدمۃ	ان ہی قوتوں کو حق تعالے نے عقل کا خادم
للعقل فیقلدھا العقل	بنا دیا ہے، اور اسی لیے اپنے سارے کاروبار
فیما تعطیہ۔ ۵۲	میں عقل انسان کی ان ہی نو زائیدہ قوتوں کی
	تقلید کرتی ہے یعنی جو کچھ یہ قوتیں (حواس)
	دیتی ہیں، ان ہی کو مان کر پھر ان پر غور و فکر
	کرتی ہے۔

بہرحال بجائے حواس کے فراہم کردہ معلومات کے وحی و نبوت کے سرمایۂ معلومات پر جب عقل کام کرتی ہے، تو گو اس وقت بھی وہ اپنے سوا بیرونی قوت ہی سے امداد حاصل کر رہی ہے اور اسی کی تقلید کر رہی ہے، لیکن اس وقت وہ

یقلد ربہ فیما یخبربہ	اپنے رب کی تقلید ان امور میں کرتی ہے جن کی
عن نفسہ فی کتابہ وعلی	خدا نے اپنی ذات کے متعلق خود اپنی کتاب میں

Marfat.com

لسان رسولہ ؎ اور اپنے رسول کے ذریعہ خبر دی ہے۔

مطلب یہی ہوا کہ براہِ راست معلومات تک رسائی تو کسی حال میں عقل کو میسر نہیں آتی بلکہ اپنے فکری و نظری عمل کے لیے بہرحال وہ باہر ہی کی محتاج ہے اس لیے نفسِ عقل کی حد تک ان نتائج و نظریاتِ مسائل و افکار میں قیمتاً کوئی فرق نہیں ہے۔ قیمت کا فرق ان میں جو کچھ بھی پیدا ہوتا ہے وہ ان معلومات کے لحاظ سے پیدا ہوتا ہے جو عقل پر باہر سے پیش ہوتے ہیں گویا عقل کی حیثیت ایک مشین کی ہے جو انسانی فطرت میں قدرت کی طرف سے ودیعت ہے آپ اس مشین یا کولھو میں جس قسم کے دانے ڈالیں گے انہیں پیس کر رکھ دے گی۔ پھر آپ نے جس قسم کے دانے اس میں ڈالے ہیں جیسا تیل ان کے اندر ہوگا وہی پسنے کے بعد نکل پڑے گا۔ اگر میٹھا تیل ہے تو وہی نکلے گا، تلخ ہے تو تلخ ہی برآمد ہوگا، کچھ نہ ہوگا تو دانے پس کر رہ جائیں گے اور کچھ نہ نکلے گا۔ گویا ان معلومات کی جو باہر سے عقل پر پیش ہوتے ہیں، ان کی مثال ان دانوں کی ہوئی جو عقلی مشین میں ڈالے جاتے ہیں، ہر قسم کے دانے پر عقل کا کام تو وہی ہوگا جس کی صلاحیت اس میں قدرت نے پیدا کی ہے۔ اس عقلی کاروبار کے بعد جو نتائج ہاتھ آئیں گے ان کی قیمت لگانے کے لیے چاہیے کہ آدمی ان دانوں کو دیکھے جو اس عقلی مشین میں ڈالے گئے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہی ہے کہ ایسی صورت میں جو نتائج ان معلومات سے حاصل ہوتے ہیں جن کا رشتہ حضرت حق تعالےٰ کے علمِ محیط سے ملا ہوا ہے، ان میں اور ان نتائج میں جو عقل ہی جیسی ایک اور جسمانی قوت مثلاً بینائی شنوائی وغیرہ کے حاصل کردہ معلومات سے پیدا ہوتے ہیں۔ دونوں میں اب اندازہ کرنا چاہیے کہ کیا فرق ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ جن معلومات کو وحی و نبوت کے معلومات کے نام

Marfat.com

سے موسوم کیا جا رہا ہے وہ واقع میں وحی و نبوت کے معلومات ہیں یا نہیں یہ بالکل علیحدہ بحث ہے، لیکن یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ واقع میں وحی و نبوت کی راہ سے یہ معلومات حاصل ہوتے ہیں یعنی عالم الغیب والشہادۃ کی طرف سے عقل انسانی کو یہ معلومات عطا ہوئے ہیں اس پر ایمان لانے کے بعد ان نتائج میں جو حسی معلومات سے عقل پیدا کرتی ہے اور ان نتائج میں جو وحی نبوت کے معلومات اسی عقل نے پیدا کیے ہیں ثقل و وزن، وثوق و اعتماد کے اعتبار سے جو فرق پیدا ہو سکتا ہے ظاہر ہے۔

بہرحال یہ تو شیخ کے کلام کا مطلب ہوا، اس وقت میری بحث کے دائرہ سے یہ مسئلہ خارج ہے۔ اس لیے اس پر زیادہ تفصیل سے گفتگو اگر کی گئی تو اپنی اصل بحث سے میں بہت دور ہو جاؤں گا: ؏ کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

مجھے اس وقت جو کچھ کہنا تھا وہ صرف یہی ہے کہ حسی معلومات پر جس طرح عقل عمل کرتی ہے اور چند بسیط و محدود معلومات ہے جو حواس پر پیش کرتے ہیں، نتائج و نظریات، مباحث و مسائل کا طوفان پیدا کر دیتی ہے، بجنسہ یہی حال ان معلومات کا ہے جو وحی و نبوت کی راہ سے عقل پر پیش ہوتے ہیں۔ عقل انسانی ان معلومات کی روشنی سے بھی جب جگمگا اٹھتی ہے، تو ٹھیک جس طرح حسی معلومات سے نتیجے سے نتیجہ، قانون سے قانون پیدا ہوتا چلا جاتا ہے، یونہی وحی و نبوت کے معلومات سے بھی نتائج و تفریعات کا سمندر ابلنے لگتا ہے۔ عقلی اجتہاد و کوشش کے یہ دونوں سلسلے تعقل ہی کے یعنی انسانی فطرت کے اسی خصوصی جوہر لطیف کا کارنامہ ہے جسے ہم "عقل" یا "قوت عقلیہ" وغیرہ مختلف ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ البتہ حدیث و قرآن کے بعض اشارات میں جن کا ذکر آگے آئے گا وحی و نبوت کے متعلق عقل جو کام انجام دیتی ہے، بجائے تعقل کے اس کا نام تفقہ رکھ دیا گیا ہے ورنہ تفقہ اور تعقل میں نفس عقلی کاروبار کی حیثیت سے کوئی فرق نہیں ہے۔

نکتۂ سرِ راہ: اسی لیے ان لوگوں پر حیرت ہے جو خواہ مخواہ بے سوچے سمجھے اس غلط فہمی میں

Marfat.com

مبتلا ہو گئے ہیں کہ عقل و دین دو متقابل چیزیں ہیں، جیسا کہ میں نے عرض کیا، گویا کچھ ایسا باور کر لیا گیا ہے، کہ دین کو عقل سے کوئی لگاؤ نہیں یوں ہی عقل کو دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، دونوں بالکل دو علیحدہ علیحدہ جداگانہ چیزیں ہیں، لیکن واقعہ کی جو اصل نوعیت تھی جب واضح ہو چکی ظاہر کہ اس کے بعد ان دونوں میں تصادم و تقابل کا جو مشہور افسانہ ہے صرف افسانہ بن کر رہ جاتا ہے، عقل بیچاری تو دونوں ہی کی خادم ہے ان معلومات کی کی بھی جنہیں ہم حواس سے حاصل کرتے ہیں اور ان معلومات کی بھی جو وحی و نبوت کی راہ سے حضرت علام الغیوب نے ہمیں عطا کیے ہیں

تفقہ انسان کی فطری خصوصیت ہے

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جانوروں اور انسانوں میں جہاں اور بہت سے امتیازی وجوہ و فصول ہیں، ان میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ اول الذکر یعنی حیوانات اگرچہ حواس کی راہ سے انہیں بھی معلومات حاصل ہوتے ہیں یعنی وہ بھی دیکھتے ہیں جس طرح آدمی دیکھتا ہے، وہ بھی سنتے ہیں جس طرح آدمی سنتا ہے۔ الغرض کھلی ہوئی بات ہے کہ احساسی قوتوں کی حد تک جانوروں اور انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کے امتیازی حدود اس کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حسی معلومات جن بسیط حالات کے ساتھ حیوانات کو ملتے ہیں، آج لاکھوں برس گزر جانے کے بعد بیل ہوں یا گھوڑے، گدھے ہوں یا کتے، ان میں سے کسی کو ان معلومات سے جو نتائج و قوانین و کلیات پیدا ہوتے ہیں ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی، ان کی آنکھوں کے سامنے بھی یہی آفتاب یہی ماہتاب یہی ستارے، یہی سیارے تھے، لیکن ان کا حال یہ ہے کہ بیلوں کے جد امجد نے سر اٹھا کر آج سے لاکھوں سال پہلے کرۂ خورشید کو دیکھا تھا، اب بھی ان کا کام اس سے آگے نہیں بڑھا ہے، مگر اسی کے مقابلہ میں آدم کی اولاد ہے کہ اسی آفتاب اسی ماہتاب ان ہی ستاروں اور سیاروں کو دیکھ کر جنہیں دیکھنے والی ہستیاں دیکھ رہی ہیں۔ اس نے اسٹرانومی، علم ہیئت نجوم اور خدا جانے

Marfat.com

کتنے علوم پیدا کر لیے جن میں ہر علم بجائے خود ایک بے تہاہ سمندر کی کیفیت رکھتا ہے پھر حسی معلومات کے محدود سرمایہ سے آدمی کی عقل جب علم کے ان دریاؤں کو نکال رہی ہے، کوئی وجہ ہو سکتی ہے کہ جو معلومات اسی انسان کو وحی و نبوت کی راہ سے عطا ہوئے ہیں، ان سے پیدا ہونے والے نتائج سے بیل اور گھوڑے گدھے اور کتے اندھے بنے ہوئے ہیں، یقیناً آدمی بہر حال آدمی ہے وہ نہ بیل تھا نہ ہے نہ بن سکتا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ جو لوگ انسان سے اس غباوت اور کوڑ مغزی کی توقع کرتے ہیں انھوں نے کبھی انسان کی فطرت پر بھی غور کیا ہے ؟ یہ تو ہو سکتا ہے کہ جن نتائج کو عقل انسانی نے کل پیدا کیا تھا، آج ثابت ہو جائے کہ وہ غلط تھے، لیکن حسی معلومات ہوں یا وحی و نبوت کے معلومات، ان کے متعلق آدمی سے اس کی توقع کرنا کہ جو نتائج ان سے پیدا ہو سکتے ہیں ان پر غور نہ کرے، انھیں نہ سوچے، دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ قیاس نہ کرے اجتہاد سے باز آجائے، یہ قطعاً ایک غیر فطری مطالبہ ہے ؛ ایک ایسا مطالبہ جو بجائے انسانوں کے صرف جانوروں ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ وحی و نبوت کے معلومات جن کی عام تعبیر دین و مذہب کے لفظ سے کی جاتی ہے، جن لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں قیاس جائز نہیں، یہ حکم اس مذہب کے متعلق تو صحیح ہو سکتا ہے جو کسی حیوان کو عطا کیا گیا ہو، لیکن ایک ایسے عقلی وجود کا مذہب جس کا نام انسان ہے، اس کے مذہب کے متعلق بھی یہی رائے رکھنی، جہاں تک میں خیال کرتا ہوں، یہ انسانی فطرت کے متعلق غلط اندازہ یا اس کے خصوصیات سے لاپروائی کا نتیجہ ہے۔ کیا کہا جا سکتا ہے، یہی دعویٰ کہ مذہب میں قیاس کی گنجائش نہیں ہے اسی کے اثبات میں سارا زور جو خرچ کیا جاتا ہے، وہ عقل وقیاس ہی کا زور ہوتا ہے۔ قیاس کے ذریعہ سے قیاس کی تغلیط اپنے دعویٰ کو خود اپنے دعویٰ ہی کے ذریعہ سے باطل کرنے کی بہترین مثال ہے۔ خیر اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کے متعلق تو ابھی آپ بہت کچھ سنیں گے بالفعل صرف "فقہ" کے لفظ کی تشریح میرے پیشِ نظر

Marfat.com

ہے۔ یہ کہنا ہے کہ حسی معلومات پر عقل جو کام کرتی ہے وہی کام وحی نبوت کے معلومات کے متعلق عقل جب انجام دیتی ہے تو اسی کا تفقہ و اجتہاد نام ہے۔ السیوطی نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں علم فقہ کے متعلق بالکل صحیح لکھا ہے کہ:۔

ان الفقہ معقول من	فقہ ایک عقلی علم ہے جو منقول (یعنی وحی و نبوت
منقول[۳]	کے معلومات) سے حاصل کیا گیا ہے۔

اور یہ تو ایک اجمالی اشارہ ہے، فقہ حنفی کی مشہور انسائیکلوپیڈیا یعنی "الحاوی" جو حاوی قدسی کے نام سے بھی مشہور ہے اس سے صاحب بحر الرائق نے لفظ "فقہ" جو تفقہ کا مادہ ہے اس کی لغوی اور اصطلاحی تشریح ان الفاظ میں نقل کی ہے:

اعلم ان معنی الفقہ فی اللغۃ الوقوف	معلوم ہونا چاہیے کہ لغت میں واقف ہونا اطلاع پانا
والاطلاع، وفی الشریعۃ ـــــ	یہی فقہ کے معنی ہیں اور شریعت میں خاص قسم کی واقفیت
الوقوف الخاص وھو الوقوف علی	کا نام فقہ ہے۔ یعنی نصوص شرعی کے معانی سے اور
معانی النصوص واشاراتھا و	ان کے اشاروں سے جن چیزوں پر وہ دلالت کرتے
دلالاتھا و مضمراتھا و مقتضیاتھا	ہوں، ان سے ان کے اور مضمرات سے اور جو کچھ ان کا
و "الفقیہ" اسم للواقف	اقتضاء ہو ان سب سے واقف ہونا یہ تو فقہ ہے
علیہ[۴]	اور ان امور سے جو واقف ہو اسی کا نام فقیہ ہے۔

مطلب وہی ہے کہ "النصوص" یعنی وحی و نبوت کے معلومات خواہ الکتاب (قرآن) سے حاصل ہوں، یا السنۃ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و تقریرات) سے ماخوذ ہوں، ان ہی معلومات میں جن امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہو یا جن کی طرف وہ رہنمائی کرتے ہوں یا ان کے جامع و مانع الفاظ کی کلیت میں جو باتیں مضمر اور پوشیدہ ہوں یا جن امور کے وہ مقتضی ہوں، ان ہی چیزوں کا نام شرعی اصطلاح میں "الفقہ" ہے۔ اور جن کی عقل وحی و نبوت کے معلومات سے ان نتائج کو پیدا کرتی ہے، ان ہی کو "الفقیہ" کہتے ہیں، جس کا حاصل یہی

Marfat.com

ہوا کہ "فقہ" کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شریعت میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ عقل کرتی ہے بلکہ وہی بات یعنی نتائج واحکام کا جو روغن وحی و نبوت کے ان معلومات میں چھپا ہوا تھا عقل کی مشینیں ان ہی کو اپنی طاقت کی حد تک ان سے نچوڑنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسی کوشش کا نام اجتہاد ہے۔ حضرت شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ "فتوحات" میں ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں۔

اعلم ان الاجتہاد ماھو ان	یہ جاننا چاہیے کہ نئے سرے سے کسی حکم کا پیدا کرنا اجتہاد
تحدث حکما ھذا غلط وانما الاجتہاد	نہیں ہے، یہ قطعاً غلط ہے۔ شریعت میں جس اجتہاد کا
المشروع فی طلب الدلیل من کتاب	اعتبار ہے وہ کتاب یا سنت سے دلیل تلاش کرنے میں
او سنۃ او اجماع او فہم عربی	جدوجہد کرنا ہے یا اجماع، یا زبان عربی کے محاورات
علی اثبات حکم فی تلک المسئلۃ	کی رہنمائی میں خاص مسئلہ میں کسی ایسے حکم کو ثابت کرنا
بذلک الدلیل الذی	جو اس دلیل سے پیدا ہوتا ہو، جس کی تلاش میں تم نے
اجتہدت فی تحصیلہ والعلم	کوشش کی اور اپنے خیال میں اس حکم کا علم اسی دلیل
بہ فی زعمک ھذا ھو	سے تمہیں حاصل ہوا ہو، بس اسی کا نام "الاجتہاد"
الاجتہاد لہ	ہے (یعنی شریعت میں یہی اجتہاد معتبر ہے)

شیخ نے اس کے بعد لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ اجتہاد اگر اس کا نام ہے کہ جو چیز دین میں نہ تھی اس کا اجتہاد کے ذریعہ سے دین میں اضافہ کیا جاتا ہے تو وہ قطعاً دین نہیں بلکہ بے دینی ہے فرماتے ہیں:

فان اللہ تعالیٰ قال الیوم اکملت	کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آج میں نے تمہارے
لکم دینکم" وبعد ثبوت الکمال فلا	لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ پس "الدین" کسی زیادتی
یقبل الزیادۃ فان الزیادۃ فی	کو قبول نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ دین میں اضافہ کی
الدین نقص فی الدین وذلک ھو	گنجائش تو دین کے نقص کے ہم معنی ہوگا اور یہی وہ

Marfat.com

الشرع الذی لم یاذن بہ اللہ لہ — شریعت ہے جس کا فرمان اللہ سے صادر نہیں ہوا ہے۔

الحاصل تفقہ ہو یا اجتہاد اس کے ذریعے سے دین میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ان ہی چیزوں کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے جن پر النصوص یعنی وحی و نبوت کے معلومات مشتمل ہیں، لیکن ٹھیک مشینوں کا قوت وضعف کے حساب سے جو حال ہوتا ہے مثلاً لیموں نچوڑنے کی کوئی ایسی مشین بھی ہو سکتی ہے کہ پوری طاقت خرچ کر دینے کے بعد بھی لیموں میں عرق کا کچھ حصہ باقی رہ جاتا ہو، اور ایسی بھی ہو سکتی ہے جو ایک ایک قطرہ کو نچوڑ کر رکھ دے، بجنسہٖ یہی حال عقل کی اجتہادی قوتوں کا بھی ہے۔ حسی معلومات بھی آخر سب ہی کے حواس حاصل کرتے رہتے ہیں اور کچھ نہ کچھ نتائج ان سے ہر وہ شخص حاصل کرتا ہے جو اپنے اندر عقل رکھتا ہے، لیکن اجتہادی طاقت کا اتنا پرزور ہونا کہ ان ہی معلومات کے سرمایہ سے جو تقریباً سب ہی کے پاس ہوتے ہیں۔ ایسے کلیات و قوانین کا پیدا کرنا جن سے کسی مستقل علم و فن کی بنیاد قائم ہو جائے ظاہر ہے کہ یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں، لیکن محض اس لیے کہ ہر عامی کا دماغ ان حسی معلومات کے ذریعہ سے ان نتائج تک چونکہ نہیں پہنچ سکا جہاں تک مثلاً نیوٹن، اڈیسن مارکونی کے عقول پہنچے، محض اس وجہ سے کیا عامیوں کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ نتائج جو ان حکما اور موجدین کے دماغوں نے نکالے ہیں وہ حسی معلومات کی پیداوار نہیں ہیں، پس جو حال حسی معلومات سے نتائج پیدا کرنے میں مختلف عقلوں کی اجتہادی قوتوں کا ہے، ظاہر ہے کہ وحی و نبوت کے معلومات میں بھی انسانی عقول کی اجتہادی قوتوں کے تفاوتِ عمل و اثر کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے، مشہور حدیث ہے،

نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ غیرہ فرب حامل — تروتازہ رکھے اللہ اس شخص کو جس نے ہم سے ہماری کوئی بات سنی تاکہ جس طرح سنا تھا اسی طرح سے ادا کرے کیونکہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ فقہ کا

Marfat.com

فقہ لیس بفقیہ ۵ؔ	بار اٹھانے والا خود فقیہ نہیں ہوتا، اور یہ بھی ہوتا ہے کہ فقہ کا بار اٹھانے والا اسے ایسے آدمی تک پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھ بوجھ رکھتا ہو۔

اس حدیث میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے انسانی عقول کے اسی تفاوت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر جس طرح قوائے دماغی کے اس تفاوت کا انکار فطرت کے قانون کا انکار ہے، اسی طرح وحی و نبوت کی معلومات کے ایسے نتائج جن تک عام عقول کی رسائی نہیں ہو سکتی، کیا یہ دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے کہ واقع میں وہ وحی و نبوت کے معلومات سے ماخوذ نہیں ہیں۔ آپ کی مشین کسی لیموں سے اس کے سارے رس کو نچوڑ کر اگر باہر نہیں نکال سکتی اور اس سے طاقتور مشین نے لیموں کی ان ہی قاشوں سے جنہیں آپ نے ثفل سمجھ کر پھینک دیا تھا، اگر کوئی اور زیادہ عرق نکال لے، تو کیا آپ کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ لیموں کے اندر کا عرق نہیں ہے بلکہ باہر سے پانی ملایا گیا ہے؟ خود پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے اپنے لائے ہوئے علم کے متعلق اسی مشہور تشبیہی بیان میں مختلف صلاحیتوں کے رکھنے والوں کے ظہور کا جو اعلان کیا ہے میرا اشارہ صحیح بخاری کی اس حدیث کی طرف ہے یعنی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

مثل ما بعثنی اللہ بہ من الھدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضا فکان منھا نقیۃ قبلت الماء فانبتت الکلاء والعشب الکثیر و کانت منھا اجادب امسکت الماء فنفع اللہ بھا الناس فشربوا	خدا نے ہدایت کے جن علوم کو دے کر مجھے مبعوث فرمایا ان کی مثال ایک ایسی زبردست بارش کی ہے جو کسی زمین پر برسی، پھر اس زمین کا کچھ حصہ تو ایسا تھا کہ (ہر قسم کی آلائش سے) پاک صاف تھا، اس نے پانی کو قبول کیا اور گھاس ہریالی کو اس نے اگایا، اور بعض حصہ اس زمین کا ایسا سخت تھا جو پانی کو چوس تو نہیں سکتا تھا، لیکن اس نے پانی کو روک لیا۔

Marfat.com

وسقوا وزرعوا واصابت	پھر اس پانی سے خدا نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا یعنی
منها طائفة اخـرٰی	خود پیا اور پلایا (جانوروں کو) اور کھیتوں کو سینچا لیکن
انما هی قیعان لا تمسك	ایک حصہ اسی زمین کا ایسا بھی تھا جو ایسا چٹیل میدان
ماء ولا تنبت کلاء فذلك	تھا جس میں پانی بھی نہ ٹھہر سکا اور نہ روئیدگی گھاس
مثل من فقه فی دین	وغیرہ کی ہو سکی۔ پس اللہ کے دین میں سمجھ بوجھ سے
الله و نفعه بما	جس نے کام لیا اور خدا نے جس علم کو دے کر مجھے
بعثنی الله به	مبعوث فرمایا اس سے نفع اٹھایا اس کی مثل وہی
	ہے (یعنی پہلے دو حصوں کی)

کیا اس صحیح حدیث میں انسانی فطرت کے ان ہی فطری اور قدرتی آثار و نتائج کی صریح لفظوں میں تصریح نہیں فرمائی گئی ہے؟ پھر زمین کے جس حصہ نے کلاء (گھاس) اور عشب (ہریالی) کو اگایا اس کے متعلق دوسرے حصوں کا یہ کہنا کیا صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ جو کچھ پیدا ہوا ہے اس بارش کا نتیجہ نہیں ہے جو ہم پر بھی اسی طرح برسی جیسے تم پر برسی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں جس الفقہ اور الاجتہاد کا اعتبار کیا گیا ہے وہ وہی ہے جس کے ذریعہ سے وہی نتائج پیدا کیے گئے ہوں جن پر واقع میں وحی و نبوت کے معلومات حاوی و مشتمل ہوں وہی وہ دین بن سکتا ہے جس کا مطالبہ دغیرہ بیسیوں آیات قرآنی میں کیا گیا ہے۔

ثم جعلناك علی شریعة من	پھر ہم نے تمہیں الامر کی ایک شریعت پر قائم کیا پس
الامر فاتبعها ولا تتبع اهواء	اسی کی پیروی کرو، اور جو نہیں جانتے ہیں ان کے
الذین لا یعلمون (سورة الجاثیة ۱۸)	خیالات کے پیچھے نہ جاؤ

اور

فلا وربك لا یؤمنون	اور قسم ہے تیرے رب کی وہ ایمان والے نہیں ہو
حتی یحکموك فیما شجر	سکتے جب تک ان امور میں جن میں وہ جھگڑتے ہے

Marfat.com

بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ (سورۃ النسآء ۶۵)

ہیں۔ تجھے فیصلہ قرار نہ دیں اور جو تم فیصلہ کرو اس کے متعلق اپنے دل میں تنگی نہ پائیں اور جھکائیں سر پورے طریقہ سے جھکانے کی شکل میں؛

وغیرہ بیسیوں آیات قرآنی میں کیا گیا ہے۔

بہرحال ان امور کی تفصیل تو ہم انشاء اللہ آئندہ کریں گے اس وقت تو صرف "الفقہ" کے لغوی اور عام شرعی معنی کی تحقیق مقصود تھی، یعنی یہ بتانا تھا کہ النصوص جن کی تعبیریں وحی ونبوت کے معلومات سے کر رہا ہوں، ان کے دلالات، اشارات۔ مضمرات، مقتضیات کا سمجھنا اسی کا نام تفقہ ہے۔ خواہ ان نتائج کا جو اس ذریعہ سے حاصل کئے گئے ہوں ان کا دین کے کسی شعبہ سے بھی تعلق ہو۔ یہی وجہ تھی کہ ابتداء اسلام میں "الفقہ" کے لفظ کا اطلاق ان تمام نتائج و نظریات، مسائل واحکام پر ہوتا تھا، جو وحی ونبوت کے معلومات سے حاصل کیے گئے ہوں، علامہ ابن نجیم حنفی صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں:

سوأء کان من الاعتقادات او الوجدانیا او العملیات من ثم سمی الکلام فقھا اکبر (بحر ج ۱ ص ۶)

خواہ ان کا تعلق اعتقادیات سے ہو یا وجدانیات سے، یا عملیات سے، یہی وجہ ہے جو علم کلام کا نام "فقہ اکبر" رکھا گیا۔

علماء اسلام کا نام پہلے دانشمند تھا

غالباً وحی ونبوت کے معلومات میں عقل ودانش کے استعمال کرنے کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ ایران وخراسان بلکہ ہندوستان میں بھی ایک مدت تک ان ہی ممالک کی تقلید میں علماء کو "دانش مند" کے لفظ سے موسوم کیا جاتا تھا، خلجیوں اور تغلقوں کے عہد کے مشہور بزرگ صوفی حضرت سیدنا نظام الدین المشہور بہ نظام الاولیا وسلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات "فوائد الفواد" مرتبہ حسن علا سنجری میں بکثرت اس اصطلاع کا استعمال کیا گیا ہے، حضرت سلطان جی کی زبانی ایک حکایت درج کرتے ہوئے حسن علا سنجری لکھتے ہیں، حضرت نے

Marfat.com

ارشاد فرمایا :

کہ در مدرسہ معزی	مدرسہ معزی (شہاب الدین غوری کے لقب
دانشمندے بود اورا	معزالدین کی طرف یہ منسوب تھا اسی مدرسہ)
مولانا زین گفتندے	میں ایک دانشمند تھے جن کا نام مولانا زین الدین
مردے دانشمند بود،	تھا یہ شخص ایک صاحب دانش آدمی تھے جو
ہر مسئلہ کہ ازو پرسیدندے	مسئلہ بھی ان سے پوچھا جاتا تشفی بخش جواب
جواب شافی گفتے و در مباحثہ	اس کا دیتے، اور بحث مباحثہ میں "دانشمندانہ"
بعبارات دانشمندانہ درآمدے۔	طریقہ اختیار کرتے ؎

اس زمانہ کی تاریخوں، عام کتابوں میں بکثرت "دانشمند" کے اسی لفظ کا اطلاق علماء اسلام پر کیا جاتا تھا خواہ دین کے کسی علم سے وہ تعلق رکھتے ہوں۔

بہر حال "فقہ" یا "علم الفقہ" کی یہ تو قدیم اصطلاح تھی کہ وحی و نبوت کی معلومات سے جو نتائج بھی پیدا کیے جاتے ہوں خواہ ان کا تعلق اعتقادیات سے ہو یا وجدانیات یا عملیات سے، سب ہی پر "فقہ" کا اطلاق ہوتا تھا، البتہ عقائد کی اہمیت کے لحاظ سے اس کو "فقہ اکبر" کہتے تھے، جیسا کہ ابن نجیم کے حوالے سے یہ بات گزر چکی بلکہ عقائد کی مشہور کتاب "الفقہ الاکبر" جس کے متعلق مشہور ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور یہ نام ان ہی کا رکھا ہوا ہے۔

مگر بعد کو اصطلاح بدل گئی اور جیسا کہ ابن نجیم ہی نے لکھا ہے یہ اصطلاح جاری ہوئی یعنی ان مسائل میں سے جن کا تعلق

من الاعتقادیات علم الکلام ؎ اعتقادات سے ہو ان کو علم الکلام کہنے لگے۔

یوں ہی "الوجدانیات" جس کی تعریف بحر ہی میں یہ ہے۔

الاخلاق الباطنہ والملکات النفسانیہ باطنی اخلاق اور نفسانی ملکات (فطری عواطف و رجحانات)

Marfat.com

ان سے جن مسائل کا تعلق تھا ان کو علم الاخلاق والتصوف کہنے لگے۔ ابنِ نجیم لکھتے ہیں:

والوجدانيات هي علم الاخلاق والتصوف كالزهد والصبر والرضا وحضور القلب في الصلوٰة ونحو ذلك ٥٩

ان میں سے جس کا تعلق وجدانیات سے تھا اسے علم اخلاق اور تصوف کا نام دیا گیا۔ مثلاً زہد، صبر، رضا، نماز میں حضورِ قلب، اور اسی قسم کے مسائل

آخر میں "العملیات" کا نام صرف "فقہ" رہ گیا، ان ہی کی عبارت ہے۔

من العمليات هي الفقه المصطلح ٥٩

اور جن کا تعلق عملیات سے تھا اصطلاحی فقہ اب ان ہی مسائل کا نام ہے۔

اپنے اس فقرہ میں صاحب بحر الرائق نے مطلقاً "العملیات" جو ہر قسم کے دینی عمل کو شامل ہے، سب کو "الفقہ" کے نیچے داخل کر دیا ہے لیکن صحیح یہ ہے جیسا کہ خود ان ہی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ "الفقہ" یا "علم الفقہ" کا اطلاق پچھلے دنوں میں "العملیات" کی بھی چند مخصوص شاخوں تک محدود ہو کر رہ گیا، ابنِ نجیم ہی نے ان عملی شعبوں کو جن سے فقہی مسائل کا تعلق ہے کلی طور پر تین حصوں یعنی العبادات، المعاملات، المزاجر میں تقسیم کرنے کے بعد ہر ایک کے ذیلی ابواب کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے

فالعبادات خمسة الصلوٰة والزكوٰة والصوم والحج والجهاد والمعاملات خمسة المعاوضات المالية والمناكحات والمخاصمات والامانات

عبادات (یعنی بندے اور خدا کے تعلقات پر جن اعمال کی بنیاد ہے) وہ پانچ ہیں، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، اسی طرح معاملات (یعنی باہم انسانی تعلقات پر جن اعمال کی بنیاد ہے) وہ بھی پانچ ہیں مالی معاوضات (جیسے خرید و فروخت کرایہ وغیرہ) مناکحات (شادی بیاہ اور اس کے متعلقات) مخاصمات (جیسے دعویٰ، شہادت، قضا وغیرہ) امانات (جیسے عاریت ودیعت وغیرہ)

Marfat.com

والتركات والمزاجر	ترکات (میراث کے مسائل) یوں ہی مزاجر (یعنی انسداد
خمسة مزجرة قتل النفس	سے جن قوانین کا تعلق ہے) ان کی بھی پانچ ہی قسمیں ہیں، جان
ومزجرة اخذ المال و	مارنے کا مزجرہ (جیسے قصاص ودیات ومعاقل وغیرہ کے
مزجرة هتك	مسائل) مال مارنے کے مزاجر اور سزائیں (جیسے چوری ڈاکہ
العرض ومزجرة	وغیرہ کے انسدادی قوانین) کسی کے عیب یا پوشیدہ باتوں کے
هتك البيضة ؎	افشا کی سزا (مثلاً قذف کی حد وسزا) آبروریزی کے متعلقہ
	مزاجر (مثلاً زنا کی حدود) البیضہ (یعنی اسلامی حدود) کے قطع
	اور توڑنے کے متعلقہ مزاجر (مثلاً ارتداد وغیرہ کی سزا)

کیا اجتہاد و تفقہ ان ہی عملی مسائل کے ساتھ مخصوص ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ حسی معلومات ومحسوسات تک تو ہر اس شخص کی رسائی ہوتی ہے، ہو سکتی ہے جو اپنے پاس حواس رکھتا ہو۔ اسی طرح کچھ نہ کچھ عقلی نتائج ان معلومات سے سب ہی حاصل کرتے ہیں لیکن ان معلومات سے ایسے مجتہدانہ نکات ونظریات کا پیدا کرنا جن سے کوئی خاص فن مدون ہو سکتا ہو، یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں بلکہ یہ ان ہی مخصوص فطرتوں کا قدرتی حصہ ہے، جن کے عقول میں اس کا خداداد سلیقہ ہو، میں نے کہا تھا کہ یہی حال وحی ونبوت کی معلومات کا ہے کہ جن مسائل و تفریعات، نتائج ومضمرات پر وہ مشتمل ہیں ان کا تفقہ اور ان کا سمجھ لینا، سمجھ کر بیان کرنا ہر شخص کا کام نہیں جیسا کہ سب کو معلوم ہے اور آئندہ معلوم ہوگا کہ اسلام کی تاریخ بھی انسانی فطرت کے اسی قدرتی قانون کی توثیق کر رہی ہے۔

مگر اس کے ساتھ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تفقہ واجتہاد کے اس کام کو وحی ونبوت کے ان ہی معلومات تک کیوں محدود سمجھا جاتا ہے، جن کا تعلق مذکورہ بالا چند عملی شاخوں سے ہے، جب النصوص یعنی الکتاب والسنۃ یا قرآن وحدیث کے

Marfat.com

ارشادات و دلالات مضمرات و مقتضیات کا سمجھنا بھی فقہ ہے، جیسا کہ ابھی حادی قدسی کی جو عبارت میں نے نقل کی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن مواقع پر دین کے تفقہ کا ذکر فرمایا ہے جن میں بعض حدیثیں گزر چکیں ان میں بھی کسی خصوصیت کی طرف نہیں اشارہ کیا گیا ہے۔

ایسی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا عملی شعبوں کے سوا جن کے ساتھ اس زمانہ میں تفقہ کو محدود کر دیا گیا ہے، نصوص (قرآن و حدیث) یا وحی و نبوت کے معلومات کا جو ایک بڑا ذخیرہ باقی رہ جاتا ہے، ان کے اشارات و دلالات مضمرات و مقتضیات کے سمجھنے اور ان سے نتائج پیدا کرنے کا دروازہ بند کیسے کیا جا سکتا ہے، یا نصوص کے اس حصہ کے نتائج پیدا کرنے پر تفقہ و اجتہاد کا اطلاق کیوں جائز نہ ہوگا۔

سچی بات تو یہی ہے کہ یوں اصطلاحاً "تفقہ" و "اجتہاد" خاص قسم کے مسائل کے سمجھنے کا نام اگر رکھ دیا گیا ہے تو خیر ایک اصطلاحی بات ہو گی ولا مشاحۃ فی الاصطلاح ورنہ اس سلسلہ میں واقعہ وہی ہے، جس کی طرف حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "عبقات" میں بایں الفاظ اشارہ فرمایا ہے

لیس الاجتہاد عندنا منحصرا	ہمارے نزدیک "الاجتہاد" خاص اس علم میں منحصر نہیں ہے
فی الفقہ المصطلح بل لہ	جسے اصطلاحاً فقہ کہتے ہیں، بلکہ "اجتہاد" کا تعلق ہر فن سے
عموم فی کل فن، نعم	ہے، البتہ ہر فن کے ماہرین نے اس باب میں یعنی شریعت
لکل اہل فن طریق علیحدۃ	نے جن امور کے متعلق سکوت اختیار کیا ہے ان کا حکم
فی الحاق المسکوت	ان چیزوں سے نکالنا اور ان کے ساتھ ملحق کرنا، جن
بالمنطوق بہ	کی تصریح کی گئی ہے، اپنا اپنا الگ طریقہ اختیار کیا ہے

مولانا نے اس دعویٰ کے بعد یعنی انسان کی پانچ باطنی اور اندرونی قوتوں عاقلہ، محرکہ، متخیلہ، واہمہ، قلبیہ، کے متعلق یہ بتاتے ہوئے کہ وحی و نبوت کے معلومات

Marfat.com

کا ان میں سے ہر قوت کی تصحیح و تربیت نشو و نما سے تعلق ہے اور ہر قوت کے متعلقہ نصوص سے ارباب اجتہاد و تفقہ نے نظریات و نتائج پیدا کر کے مستقل فنون مدون کیے ہیں اور ہر ایک کا جداگانہ نام رکھا گیا ہے، مولانا اپنے الفاظ میں اس تقسیم کو یوں بیان فرماتے ہیں:

فسموا ما یتعلق بتہذیب العاقلة بالکلام ان استعین فی تفصیل الاعتقادات المنصوصة بالعقل و التصوف ان استعین بالکشف [1]

انسان کی عقلی اور ذہنی قوت کی تربیت و تہذیب سے جس فن کا تعلق ہے اسی کا نام علم کلام ہے، بشرطیکہ ان اعتقادی مسائل میں جنکی شریعت نے تصریح کی ہے انکی تشریح و تفصیل میں عقل سے کام لیا جائے اور بجائے عقل کے اگر اس راہ میں کشف سے مدد حاصل کی جائے تو اس کا نام تصوف ہے۔

آگے "تصوف اور "المعرفت" کے فرق کو واضح فرمانے کے بعد لکھتے ہیں۔

وسموا ما یتعلق بالمحرکة بالفقه وما یتعلق بالمتخیلة باداب التصفیه والعزلة وما یتعلق بالواهمة بفن الاشغال و المراقبات والنسب وما یتعلق بالقلب بفن السلوک الباحث عن الاخلاق و الملکات و الاحوال والمقامات [2]

لوگوں نے اس علم کا نام جس کا تعلق آدمی کی قوتِ محرکہ (عملیہ) سے ہے الفقہ رکھا ہے اور تخیل کی قوت کی تربیت سے جس علم کا تعلق ہے اس کا اداب تصفیہ و عزلت نام ہے اور آدمی کی قوت واہمہ کی تصحیح سے جس کا تعلق ہے اسی کا نام فن الاشغال والمراقبات والنسب ہے اور جس علم کا تعلق قلب سے ہے اس کا نام فن سلوک ہے جس میں انسانی اخلاق اور ملکات و احوال و مقامات سے بحث کی جاتی ہے۔

اور جب حقیقت حال یہ ہے تو پانچ مستقل فنون کے متعلقہ علوم میں سے صرف ایک قوت محرکہ یا عملی قوت سے نصوص یا قرآن وحدیث کے جس حصہ کا تعلق ہے، تفقہ و

Marfat.com

اجتہاد کو محض اسی کی حد تک محدود کر دینے کے آخر کیا معنی ہو سکتے ہیں، واقعہ تو یہ ہے کہ العملیات جنہیں اس زمانہ میں علم الفقہ کہتے ہیں، اس علم کے مسائل قرآن کی جن آیتوں سے مستنبط ہیں، ان کی واقعی تعداد بہ مشکل ڈیڑھ سو تک پہنچتی ہے۔ ملا جیون نے اپنی کتاب "تفسیرات احمدیہ" میں امام غزالیؒ کا یہ قول نقل کر کے کہ فقہی احکام جن آیتوں سے نکالے جا سکتے ہیں ان کی تعداد پانچ سو کے قریب ہے، لکھا ہے۔

ان المصرح فیہا المسائل   درحقیقت احکام کا صراحۃً سے بیان جن میں

مائۃ وخمسون   ۱۵۰   ملتا ہے ان آیتوں کی تعداد کل ڈیڑھ سو ہے

اور اسی کی تصریح السیوطی نے اتقان میں بھی کی ہے، غالباً امام نے فقہی آیتوں کی تعداد جو اتنی بڑھا دی ہے ان میں انھوں نے ان آیتوں کو بھی شمار کر لیا ہے جن سے بعض مسائل کی طرف ضمناً اشارہ ملتا ہے۔ مثلاً ابولہب کی بیوی ام جمیلہ کو قرآن میں "امرأتہ" (اس کی عورت) قرار دیا گیا، بعض فقہاء نے اس سے یہ مسئلہ نکالا کہ غیر مسلموں کا نکاح بھی عورت کو بیوی بنا لینے کے لیے کافی ہے اور وہ اس کی قانونی بیوی قرار پائے گی، لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایک بعید ترین استنباط ہے، مسئلہ بجائے خود صحیح ہے، لیکن اس کے تصریحی دلائل دوسرے ہیں، البتہ ان کی تائید اس اجتہاد سے بھی ہو سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صراحۃً فقہی احکام کی اساسی آیتوں کی تعداد درحقیقت وہی مائۃ وخمسون ہے اور یہی حال حدیثوں کا بھی ہے کہ حدیث کے اتنے عظیم ذخیرہ میں سے فقہی مسائل کا جن حدیثوں سے صراحۃً تعلق ہے ان کی تعداد جیسا کہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے آئندہ بھی اس کا تذکرہ آئے گا، بہ مشکل پانچ سو سے متجاوز ہو سکتی ہے۔ گو ذیلی نشر بحثات میں جن سے مدد ملتی ہے، ان کی تعداد اس سے زیادہ ہے، لیکن جن کی حیثیت قانون کے اساسی سرچشمہ کی ہو سکتی ہے وہ پانچ سو سے زیادہ نہیں ہیں۔ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وحی و نبوت کی راہ سے علم کا جو قیمتی سرمایہ بنی آدم کو ملا

Marfat.com

اس کے اتنے قلیل حصہ کو کارآمد قرار دے کر نظر و فکر اجتہاد و تفقہ کی ساری قوتوں کو ان ہی میں گم کر دینا اور ان کے سوا قرآنی آیتوں کی بہت بڑی مقدار، اور کتنی بڑی مقدار یعنی ڈیڑھ سو آیتوں کے سوا سب کچھ اسی طرح پانچ سو حدیثوں کے سوا حدیثوں کا سارا دفتر، ان کے متعلق نہ یہ سمجھنا صحیح ہو سکتا ہے کہ جس طرح فقہی آیتوں میں سے ایک ایک آیت سے بیسیوں مسائل نکالے گئے ہیں اسی طرح غیر فقہی آیتوں سے مسائل نہیں پیدا ہو سکتے اور نہ یہ خیال کرنا درست ہے کہ امت میں تیرہ سو سال کے اندر کسی کی توجہ ان غیر فقہی آیتوں کی طرف نہیں ہوئی اور جیسے قرآن کے متعلق یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے، یہی حال حدیثوں کا بھی ہے بلکہ واقعہ وہی ہے جو مولانا اسمٰعیل نے فرمایا ہے۔

"اجتہاد میرے نزدیک کچھ اسی علم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جسے اصطلاحاً فقہ کہتے ہیں، بلکہ ہر فن کے لیے عام ہے۔"

آخر سوچنے کی بات ہے کہ ایک "قوتِ محرکہ" کو تو اتنی اہمیت دینی اور انسانی فطرت کی دوسری چار مسلم قوتوں کو ناقابلِ لحاظ قرار دینا کہاں تک درست ہو سکتا ہے، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ "قوتِ محرکہ" کے مقابلہ میں مولانا نے جن چار قوتوں کا تذکرہ کیا ہے انسانیت کی تکمیل اور انسانی فطرت کی صلاحیتوں کے ابھارنے کے لیے ان کی تربیت و پرداخت کی زیادہ ضرورت ہے۔

مگر عجیب اتفاق ہے کہ صرف ایک اصطلاحی مغالطہ نے یعنی محض "قوت محرکہ" کے متعلقہ نصوص سے مسائل و جزئیات کے پیدا کرنے کا نام چونکہ اجتہاد رکھ دیا گیا اس لیے جن بزرگوں نے اس کام کو اپنے اپنے زمانے میں انجام دیا، وہی "ائمہ مجتہدین" کے نام سے مشہور ہو گئے، رفتہ رفتہ بات یہاں تک پہنچی کہ ان کے سوا دوسری قوتوں کے متعلقہ نصوص پر کام کرنے والے اکابر کے متعلق لوگوں کا ادھر دھیان بھی نہیں جاتا کہ اجتہاد تا انھوں نے بھی کوئی کام انجام دیا ہے یا نہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ عام مسلمانوں

Marfat.com

میں انبیا اور صحابہؓ کے بعد ائمہ مجتہدین ہی کا درجہ دین میں اہم سمجھا جاتا ہے، اور ائمہ مجتہدین کے لفظ کو صرف انہی اکابر تک محدود کر دیا گیا ہے۔ جن کا تعلق قوتِ محرکہ یا العملیات کے متعلقہ مسائل کے اجتہاد و استنباط و تنقیح و تدوین سے تھا اور "شریعت" جو وحی و نبوت کے تمام علوم کو حاوی ہے، خواہ ان کا تعلق محرکہ سے ہو، یا مذکورۂ بالا قوتوں میں سے کسی اور قوت سے اسی شریعت کے دائرہ میں اتنی تنگی پیدا ہو گئی کہ ان عملی مسائل کے سوا عوام میں بظاہر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ (العیاذ باللہ) قرآن کی ہزار ہا ہزار آیات اور پیغمبر کی ہزار ہا ہزار حدیثوں میں ان مسائل کے سوا جو کچھ ہے وہ نہ شریعت ہے اور نہ دین، حالانکہ جب قرآن کے ایک بڑے حصہ کا اور حدیثوں کے اہم ذخیروں کا تعلق انسانی فطرت کی انہی دوسری قوتوں سے تھا اور جیسا کہ میں نے عرض کیا انسانیت کی تکمیل بغیر ان قوتوں کی تصحیح کے ناممکن تھی قدرتاً ہر زمانے میں اسی سے لوگوں نے اس کی طرف توجہ بھی کی اور کافی توجہ لیکن اصطلاحاً "شریعت" جن مسائل کا نام پڑ گیا تھا ان مسائل کے دائرہ سے چونکہ وہ چیزیں باہر تھیں، اس عجیب و غریب لفظی مغالطہ نے اس بے معنی جھگڑے کو مسلمانوں میں چھیڑ دیا جسے شریعت و طریقت و حقیقت اور خدا جانے کن کن الفاظ سے مختلف زمانوں میں لوگ تعبیر کرتے رہے، شریعت والے ان کا مضحکہ اڑاتے تھے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا پتہ ہماری کتابوں میں نہیں، جواباً ادھر سے یہ کہا گیا کہ تم بھی جن مشغلوں میں مبتلا ہو ان کا نشان ہماری کتابوں میں نہیں ملتا، فقہا نے اپنے علم کا نام شریعت رکھ دیا تھا، اس کے مقابلہ میں دوسری قوتوں پر بحث کرنے والوں نے اپنے فن کا نام طریقت، حقیقت، معرفت وغیرہ رکھ دیا، دونوں فرقوں میں صدیوں سے مخالفت کا بازار گرم ہے، ہر ایک دوسرے پر غرا رہا ہے اور یہ سب کچھ صرف ایک بے بنیاد اصطلاحی جھگڑے کا نتیجہ ہے ورنہ جیسا کہ عرض کیا گیا، مولانا اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

Marfat.com

"قوت محرکہ" کے متعلقہ مسائل ہوں یا انسانی فطرت کی دوسری قوتوں سے دین کے جن مسائل وجزئیات کا تعلق ہے دونوں کا حال یہ ہے کہ

من مسائل کل علم من العلوم الخمسة ماهي مقطوع بها، وهي المنصوصات ومنها ماهي مظنون بها وهي ماحصلت بتفريع الائمة، فسبيلها سبيل المسائل القياسية التي تحتمل الخطاء والصواب ۖ

ان پانچوں علوم کے مسائل میں بعض مسائل تو ایسے ہیں جن کا شریعت کی طرف انتساب قطعی اور یقینی ہے، منصوصات ان ہی کا نام ہے یعنی صراحۃً جن کا ذکر شریعت میں پایا جاتا ہے، لیکن ان ہی علوم میں ہر علم کے بعض مسائل ایسے ہی ہیں جن کا شریعت کی طرف انتساب بہ ظن غالب کیا جاتا ہے اور یہ مسائل کا وہ ذخیرہ ہے جسے ائمہ کی تفریع اور اجتہاد نے پیدا کیا ہے تو ان ثانی الذکر مسائل کی حالت وہی ہو گی جو فقہ کے عام قیاسی مسائل کی ہے جن میں خطاء وصواب دونوں باتوں کا احتمال ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح فقہی مسائل کا ایک حصہ تو وہ ہے جن کا قرآن وحدیث میں صراحۃً ذکر ہے اس کے قطعی ہونے میں کون کلام کر سکتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے، کوئی سی فقہ ہو حنفی ہو یا شافعی یا مالکی ہر ایک میں بڑا حصہ تو ان ہی مسائل کا ہے جو نظر وفکر، اجتہاد وتفقہ سے حاصل کیے گئے ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اجتہادی مسائل بہرحال اجتہادی ہیں، ان کے متعلق قطعی فیصلہ یقینی ہونے کا نہیں کیا جا سکتا۔

پھر یہی حال تو ان مسائل کا بھی ہے جن کا تعلق بجائے قوتِ محرکہ کے انسانی فطرت کی دوسری قوتوں سے ہے یعنی تصوف، سلوک، اخلاق وغیرہ کی کتابوں میں جو مسائل بیان کیے گئے ہیں ان میں سے بھی بعض کی حیثیت منصوصات کی ہے، یعنی صراحۃً قرآن وحدیث کے الفاظ سے وہ سمجھ میں آتے ہیں اور مسائل وجزئیات کا ایک بڑا حصہ ان فنون میں

Marfat.com

بھی قرآن و حدیث کے ان ہی اساسی تصریحات کو پیش نظر رکھ کر پیدا کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہوا گو کہ "فقہ" میں قیاسی مسائل کا اضافہ جیسے فقہ کے ائمہ مجتہدین نے کیا ہے جو حال فقہ کے ان اجتہادی مسائل کا ہے وہی مقام سلوک و تصوف وغیرہ علوم کے اجتہادی نتائج و تفریعات کو دینا چاہیے، تصوف یا سلوک کے مسائل پر اس لیے قہقہہ لگانا کہ ان کا صراحۃً ذکر قرآن و حدیث میں نہیں پایا جاتا۔ متاخرین فقہا جنھوں نے زبردستی اپنے فن کا نام شریعت رکھ لیا ہے اور اسی کو کامل شریعت سمجھے بیٹھے ہیں اگر ان کا یہ اعتراض تصوف و سلوک کے مسائل پر اس لیے کیا جاتا کہ صراحۃً شرعی نصوص میں ان کا ذکر نہیں ہے تو کیا بجنسہ یہی اعتراض فقہ کے ان اجتہادی مسائل پر وارد نہیں ہوتا جن کا ذکر بھی صراحۃً شرعی نصوص میں نہیں ملتا، کتنا بڑا ظلم ہے کہ ایک "قوت محرکہ" کی متعلقہ آیات اور حدیثوں سے جن بزرگوں نے اجتہادی مسائل پیدا کیے ان کو تو مجتہد اور مجتہد مطلق اور مختلف خطابات دیے جاتے ہیں اور بلاشبہہ وہ ان خطابات کے قطعاً مستحق ہیں، لیکن اسی کے مقابلہ میں جن بزرگوں اور اسلاف کی گراں مایہ ہستیوں نے بجائے قوت محرکہ کے قوتِ قلبیہ، قوتِ واہمہ، متخیلہ وغیرہا کے متعلقہ آیات و احادیث سے مسائل و جزئیات نکالے ان کے مجتہد و امام ہونے میں نہ معلوم کیوں شک کیا جاتا ہے؟

وجعلنا منھم ائمۃ یھدون	اور بنایا ہم نے ان میں پیشواؤں (ائمہ) کو وہ ہمارے
بامرنا لما صبروا وکانوا	امر و حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں امامت ان کو
بآیاتنا یوقنون۔	اسی لیے ملی کہ انھوں نے صبر سے کام لیا اور ہماری
(سورہ الم سجدہ)	باتوں کا یقین کیا۔

کی قرآنی آیت میں حق تعالیٰ کے امر کے مطابق بنی آدم کی راہنمائی کو استحقاق امامت کا اگر ذریعہ ٹھہرایا گیا تو سوال ہوتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اگر امر حق کے مطابق لوگوں کی ہدایت

Marfat.com

فرمائی اور یقیناً فرمائی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے تو پھر بایزید بسطامی، سید الطائفہ جنید و شبلی، شیخ عبد القادر جیلانی، شیخ ابوالحسن الشاذلی، شیخ معین الدین الاجمیری، شیخ بہاء الدین نقشبندی، شیخ شہاب الدین سہروردی، امام غزالی، شیخ اکبر ابن عربی، مولانا روم وغیرہم حضرات نے کیا بنی آدم کی راہنمائی حق تعالیٰ کے امر کے مطابق نہیں فرمائی ہے، یقیناً فقہ میں قوت محرکہ کے متعلقہ نصوص سے جس طرح جزئیات نکالے گئے اسی طرح قرآن و حدیث کے کلی نصوص کو پیش نظر رکھ کر ان بزرگوں نے بھی انسانی فطرت کی دوسری قوتوں کی تربیت فرمائی ہے، اگر فقہ کے اجتہادی مسائل باوجود غیر قطعی اور غیر منصوص ہونے کے شریعت ہیں تو ان بزرگوں کے اجتہادی نظریات وافکار کو آخر کس دلیل سے شریعت کے دائرہ سے باہر کیا جا سکتا ہے۔

عام طور پر متفقہ جن کا دوسرا نام پچھلے زمانہ میں ملا وغیرہ ہو گیا ان کی جن کمزوریوں

لہ ملا کا یہ لفظ مسلمانوں میں مذہبی پیشواؤں کی ایک خاص قسم کے لیے جو مستعمل ہے علماء کا اختلاف ہے کہ یہ کس زبان کا لفظ ہے۔ علامہ شہاب محمود الالوسی البغدادی جن کی تفسیر روح المعانی بڑی معرکۃ الآرا تفسیروں میں شمار ہوتی ہے انہوں نے قسطنطنیہ کے سفرنامہ میں ایک موقعہ پر "ملا" کے لفظ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگ میم کو زبر دے کر اسکا تلفظ کرتے ہیں کہ من لا یجھل (جو جاہل نہیں ہے) کی یہ تخفیف شدہ شکل ہے "یجھل" کا لفظ ساقط ہو گیا صرف "من لا" رہ گیا۔ نون کو لام میں مدغم کر دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ "املا" جس کے معنی لیکچر دینے کے ہیں اسی سے ملا کا لفظ ماخوذ ہے انھوں نے لکھا ہے کہ بعض لوگ مولی کے لفظ کو ملا کی اصل بتاتے ہیں مگر یہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے ان کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ فارسی یا ایرانی زبان کے کسی لفظ سے بنا ہو اسی بنیاد پر یہ خیال کہ ترکستان تبت وغیرہ میں بودھ مذہب کے پیشواؤں کے آخر میں "لامہ" کا لفظ جو آتا ہے جیسے "دلائی لامہ" تبت کے بودھ پیشوا کا خطاب ہے تو کیا اسی "لامہ" کو الٹ کر "ملا" کا لفظ بخارا خراسان میں بنا لیا گیا واللہ اعلم صوفی کے لفظ کی اصل جب تھیاسوفسٹ وغیرہ یونانی الفاظ بن سکتی ہے، تو لامہ الٹ کر ملا کے ہو جانے میں کیوں تعجب کیجیے۔ دیکھیے الوسی کی کتاب نشوۃ الشمول فی سفر استانبول ص ۱۰۰ - ۱۲ منہ

Marfat.com

کی لوگوں کو شکایت پیدا ہوئی اور جس کی عام طور پر تعبیر "خشکی" وغیرہ الفاظ سے کی جاتی ہے، میرا تو خیال ہے وہ اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے، شریعت کے لفظ سے دھوکہ کھا کر ان لوگوں نے سمجھ لیا کہ فقہی مسائل پر عمل کر لینا گویا کامل اسلام کی تعمیل کے لیے کافی ہے. حالانکہ زیادہ سے زیادہ ان مسائل پر اگر پوری قوت وعزم سے عمل کرنے کی سعادت کسی کو میسر آ بھی جاتی ہے جب بھی قوتِ محرکہ کی بیداری کے سوا اور تمام قوتیں ان کی پھر بھی سوئی کی سوئی ہی رہتی ہیں اور ان ہی کی خوابیدگی ان سے وہ اعمال صادر کراتی ہے جن سے لوگوں میں گرانی پیدا ہوئی، اگر ان کو معلوم ہوتا کہ فقہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ دین کا صرف پانچواں حصہ ہے تو غالباً اس غلطی کے شکار نہ ہوتے کہ ہم سب کچھ ہو چکے، حالانکہ ابھی بہت کچھ کرنا باقی رہ جاتا ہے، یہی نہیں بلکہ "الفقہ" جس کا تعلق دین کے صرف پانچویں حصے سے ہے اور پانچواں حصہ بھی وہ جو صرف ظاہری اعمال وافعال سے تعلق رکھتا ہے، اس علم میں قصداً جہاں تک میرا خیال ہے ائمہ مجتہدین نے خلط مبحث سے بچنے کے لیے بکثرت ایسے مسائل بیان کیے ہیں جو "قوت محرکہ" کی حد تک تو بالکل صحیح ہیں کیونکہ اس فن میں ان کے پیشِ نظر مسئلہ کا صرف ظاہری اور قانونی پہلو رہتا ہے، لیکن دوسری قوتوں کے اعتبار سے بعض دفعہ وہ عجیب باتیں معلوم ہوتی ہیں. مثلاً فقہ کی کتابوں میں تصریح کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ "غیبت کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا" یا مثلاً نماز کی روح ظاہر ہے کہ خضوع خشوع ہے حالانکہ قرآن میں اس کا حکم ہے۔

لیکن لوگوں کو سن کر حیرت ہو گی کہ باوجود قرآنی مسئلہ ہونے کے فقہ کی عام کتابوں میں وجوب و فرضیت تو بڑی چیز ہے اس کے مستحب ہونے کا بھی ذکر نہیں، ہمارے استاذ مولانا انور شاہ الکشمیری قدس اللہ سرہٗ نے بڑی مشکل سے فقہ کی سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد ایک غیر مشہور غیر مطبوعہ کتاب "اختیار" نامی میں دیکھا تھا کہ

Marfat.com

نماز میں خشوع بھی مستحب ہے، عموماً طلبا کے سامنے اپنے اس انکشاف کا ذکر فرماتے تھے۔
بہرحال غیبت کے متعلق صحیح حدیثوں میں ہے کہ روزہ میں جو غیبت کرتا ہے اس کو اپنے روزہ سے بھوک پیاس کے سوا کچھ نہ ملا، یعنی روزہ کالعدم ہو جاتا ہے اور یہی حال نماز میں خشوع کا ہے قرآن میں جب اس کا ذکر ہے، اسی سے اس کی اہمیت ظاہر ہے۔ پھر فقہاء کے اس طرز عمل کا کیا مطلب؟ واقعہ یہ ہے کہ فقہا جس وقت فقہ کے مسائل بیان کرتے ہیں، اس وقت ان کے سامنے اس عمل کے صرف وہی بیرونی عناصر ہوتے ہیں جن کا تعلق آدمی کے قوتِ محرکہ سے ہے، لیکن جن امور کا تعلق قوتِ قلبیہ یا واہمہ یا متخیلہ سے ہے چونکہ ان کے مباحث کا تعلق دوسرے فنون سے ہے اس لیے فقہ کی حد تک اپنے آپ کو ان مسائل کے بیان کرنے کا ذمہ دار نہیں خیال کرتے۔ مثلاً طبیب سے اگر کوئی پوچھے کہ فلاں باغ کے امرود چرا کر میں کھاؤں تو طبیب کے لیے طبیب ہونے کی حیثیت سے یہ بتانا قطعاً غیر ضروری ہے کہ تمہیں دوسروں کا مال چرانا نہیں چاہیے، کیونکہ یہ مذہب یا قانون کا مسئلہ ہے لوگ فقہاء کے اس طرز عمل سے چونکہ عموماً واقف نہیں ہوتے اس لیے بعض دفعہ فقہ کے مسائل کے متعلق انھیں اچنبھا ہوتا ہے، حالانکہ ان کو یہ معلوم ہونا چاہیے تھا کہ فقہ کی کتابوں میں مسائل کی صرف ظاہری عملی شکل دیکھی جاتی ہے، باقی اس فعل کا اور جن قوتوں سے تعلق ہے اس کا ذکر فقہ میں نہیں بلکہ ان علوم میں ملے گا جن میں ان قوتوں کے متعلقہ مسائل بیان کیے گئے ہیں قدیم زمانہ میں اسی لیے دستور تھا کہ فقہ کے پڑھنے کے بعد لوگ دوسری قوتوں پر کام کرنے والے حذاق و ماہرین کے پاس جاتے تھے۔ محض مدرسہ کا علم انسانیت کی تکمیل کے لیے نہ پہلے کافی ہوا اور نہ اب ہو سکتا ہے گویا یوں سمجھیے کہ جب تک خانقاہی علوم کا بھی ان کے ساتھ اضافہ نہ کیا جاتے کس قدر عجیب بات ہے کہ "العلیات" کے ان مسائل کے سمجھنے سمجھانے، سیکھنے سکھانے، پڑھنے پڑھانے کے متعلق

آج تک کسی نے نہیں پوچھا کہ اس کے لیے کسی ماہر فن استاد کے پاس جانے اور دن گزارنے کی ضرورت ہے یا نہیں، ہر شخص بداہتہً جانتا ہے کہ یہ علم ہے اور علم کی تحصیل عالم ہی کی صحبت میں ہو سکتی ہے محض کتابوں کے مطالعہ سے اس لیے کہ جس زبان میں وہ کتابیں ہیں چونکہ مطالعہ کرنے والا اس سے واقف ہے آج تک نہیں سنا گیا کہ کسی نے علم حاصل کیا ہو۔ الا الشاذ کالمعدوم جو عام نظیر نہیں بن سکتی، گویا ایک "قوتِ محرکہ" کے متعلق مسائل منصوصہ ہوں یا غیر منصوصہ یہ طے شدہ ہے کہ ان کے سمجھنے کے لیے استاذوں کے حلقہائے درس کی حاضری ناگزیر ہے، لیکن ایک قوت نہیں انسانی فطرت کی چار چار اساسی اور حقیقی قوتیں جن پر سچ پوچھئے تو قوتِ محرکہ کے علمی مسائل کی نتیجہ خیزی اور بارآوری مبنی ہے، ان کے متعلق جو کچھ قرآن میں ہے جو کچھ حدیث میں ہے صدیوں سے ہزارہا ہزار دماغوں نے مختلف ممالک و اقطار میں فکر و نظر سے جو نتائج و نظریات اس سلسلے میں جو پیدا کیے ہیں، ان سب کے سمجھنے اور ان سے صحیح طور پر استفادہ کے لیے ان مسائل کے ماہرین فن کی صحبت و ملازمت کی ضرورت ہے یا نہیں، یہ مسئلہ خصوصاً اس زمانہ میں اتنا ناقابل توجہ بنا ہوا ہے کہ صرف ضرورت و عدم ضرورت ہی نہیں بلکہ چھڑنے کے بعد جواز و عدم جواز تک کی بحث پہنچ گئی، آخر آج کل عموماً جو یہ پوچھا جاتا ہے کہ پیری و مریدی کی کیا حاجت ہے؟ اور جواب میں ایک بڑے طبقے کو صرف عدم ضرورت ہی نہیں، بلکہ عدم جواز پر بھی اصرار ہے کیا دوسرے لفظوں میں اسی فطری ضرورت کا یہ انکار نہیں ہے، جس کا میں نے اظہار کیا۔ محض اس لیے کہ فقہ کے مدرسین عموماً اس زمانہ میں صحیح طور پر ہدایہ بھی مثلاً نہیں پڑھا سکتے، کیا فقہ کی تعلیم کے بے ضرورت ہونے کی اس علمی یا تعلیمی حادثے کو قرار دینا کسی حیثیت سے بھی درست ہو سکتا ہے؟ اسی طرح یہ فاجعہ کہ ارشاد و

Marfat.com

ہدایت کی گدیوں پر اس زمانے میں عام طور پر وہی قابض و دخیل ہیں جو اپنے متعلقہ علوم و فنون سے عموماً ناآشنا ہیں کیا محض ان لوگوں کی عام جہالتوں کو دیکھ کر ان علوم کے واقعی ماہرین کی تلاش بے ضرورت تلاش ہوگی "ما لکم کیف تحکمون"
چونکہ ایک بڑی اہم دقیقے پر اس بیان میں تنبیہ کی گئی تھی، جس سے عموماً غفلت برتی گئی ہے اس لیے ضرورت سے زیادہ مضمون سے گو نہ بے تعلق ہونے کے باوجود میں نے کچھ طوالت سے قصداً کام لیا بہر حال اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے اسی کتاب میں مولانا شہید نے جو یہ ارقام فرمایا ہے کہ

ثم من حکم تلك المسائل	پھر ایسے مسائل (یعنی جن کی صحت بغلبۂ ظن مانی جاتی
ان تو دعند معارضۃ النص	ہے) ان کا حکم یہ ہے کہ جب شریعت کے نصوص
ایاھا و تفبل اذا	اور تفریعات سے تعارض و تصادم پیدا ہو تو انکو رد
کان تفریعھا علی	کر دیا جائیگا اور اگر استوار و محکم راہ سے ان کو پیدا کیا گیا
طریق قویم [۱۴]	ہے تو ان کو تسلیم کیا جائے۔

لیکن ظاہر ہے کہ کلی طور پر یہ بات کچھ غیر فقہی علوم و فنون کے ساتھ ہی مختص نہیں ہے۔ بلکہ سب جانتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین میں سے ہر ایک نے ہمیشہ اپنے متبعین کو اسی کی وصیت فرمائی ہے جس کا ذکر شاید آئندہ میں کروں گا بھی۔
لیکن اس کا پتہ چلانا اور یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے کہ بزرگوں نے فقہی و غیر فقہی علوم میں جس استنباطی مسائل کا اضافہ فرمایا ہے وہ نصوص یعنی "الکتاب و السنہ" سے کس حد تک مخالف ہیں، یہ ہر عامی آدمی کا کام نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں بھی مولانا شہید نے ایک عجیب نکتہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ کاش لوگ اس کو اگر پیش نظر رکھیں تو عموماً اجتہادی نتائج اور قیاسی مسائل کے متعلق نصوص سے تعارض یا بے تعلقی کا جو مغالطہ عامیوں کو ہوتا رہتا ہے اس کا بآسانی ازالہ ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ ان قیاسی مسائل کے متعلق خواہ ان کا تعلق کسی قوت سے ہو، یعنی اصطلاحی فقہ کے مسائل ہوں، یا غیر فقہ کے سب کے متعلق اس کا خیال کرنا چاہیے کہ

منها ما هی مبادی فمناط ردها وقبولها هو افضاءها الی الغایات وارتباطها بالمقاصد وعدمه[۵۱]

ان مسائل میں بعض مسائل کی حیثیت مبادی اور مقدمات کی ہوتی ہے یعنی شریعت کا جو اصل مقصود ہے اس مقصود تک پہنچنے میں ان سے مدد ملتی ہے، اس قسم کے مسائل کے قبول کا معیار (یہ نہیں ہے کہ نصوص سے براہ راست ان کا تعلق دیکھا جائے بلکہ) یہ دیکھنا چاہیے کہ جن مقاصد کے حصول کا ان کو ذریعہ قرار دیا گیا ہے وہ حاصل ہو سکتے ہیں یا نہیں اور اس حیثیت سے شریعت کے اصل مقصد سے ان کا تعلق ہے یا نہیں۔

آج فقہ واصول فقہ کے بعض مسائل کے متعلق جو یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ان کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر مولانا شہید کے اس نکتہ کو سامنے رکھ لیا جائے تو اس دعوی کی غلطی بآسانی ظاہر ہو سکتی ہے اور یہی حال صوفیہ و ارباب سلوکِ تصفیہ کے بعض رسوم و اعمال کا ہے یعنی محض مبادی اور مقدمات کی حیثیت سے ان کو اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ جن قوتوں کی تربیت و تصحیح ان کے پیش نظر ہے۔ اس میں ان سے مدد ملتی ہے۔ اگرچہ ان مبادی میں بھی اکثر و بیشتر وہی چیزیں ہیں جن کا رشتہ کسی نہ کسی حیثیت سے نصوص سے مل جاتا ہے، لیکن بعض امور جو بالکل بے تعلق معلوم ہوتے ہیں، مولانا ان کے متعلق فرماتے ہیں اور سچ فرماتے ہیں:

ثم منها ما هی قریبة و هی الظاهر وجه

ان امور میں بعض کا تعلق (تو نصوص سے) قریب ہے اور وہی امور ہیں جن کا دین سے ربط ظاہر ہے۔ اور بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کا تعلق بعید ہے اور یہ وہی چیزیں ہیں، جن کے

Marfat.com

ارتباطها — تعلقات ذرا پوشیدہ ہیں (یعنی ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے کہ
بالمقاصد ومنها — شریعت کے اساسی نصوص سے ان کا جو تعلق ہے اس سے آسانی
ما هی بعیدة — واقف ہو جائے بلکہ کافی غور و فکر اور فن کی مہارت کے بعد
وهی مخفیة لہ — یہ بات آدمی پر کھلتی ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ جس نقطۂ نظر سے فقہ کے قیاسی مسائل کو دیکھا جاتا ہے، کاش! ہمدردی کی یہی نگاہ فقہاء کی صوفیاء کے علوم مخدومہ کی طرف اسی طرح صوفیاء کی فقہاء کے علوم متعلقہ کے ساتھ ہوتی، تو ملا اور صوفی کے قدیم جھگڑوں کا بآسانی تصفیہ ہو سکتا ہے سچ تو یہ ہے کہ "الفقہ" کی قدیم تعریف جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کتابوں میں یہ نقل کی جاتی ہے جیسا کہ ابن نجیم نے بھی لکھا ہے۔

وعرفہ الامام بانہ — آدمی کا یہ جاننا کہ کن کن چیزوں سے اسے نفع پہنچ
معرفۃ النفس مالها — سکتا ہے اور کن چیزوں سے ضرر، امام ابوحنیفہؒ نے فقہ
ماعلیها لہ — کی یہی تعریف کی ہے۔

فقہ کی اسی تعریف کو اگر باقی رکھا جاتا ہے اور النصوص کے دلالات، اشارات اقتضاءات، مضمرات سے انسانی فطرت کی جن جن قوتوں کے متعلق مسائل پیدا ہوتے ہیں سب ہی کو "فقہ" ہی کے تحت درج کر دیا جاتا تو شاید شریعت و طریقت کا یہ جھگڑا پیدا ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ امام صاحب کی یہ تعریف موجودہ اصطلاحی فقہ کی تعریف نہیں ہے بلکہ یہ تو "الدین" کی وہ جچی تلی صحیح تعریف ہے جس کی طرف عوام تو عوام خواص کی نگاہ بھی بمشکل پہنچ سکتی ہے۔

آج کتنے ہیں جو اس سوال کے جواب میں سرگرداں ہو جاتے ہیں کہ دنیا کے تمام علوم و فنون کا جیسے خاص خاص موضوع بحث ہوتا ہے: کسی فن میں الفاظ سے، کسی میں فلکیات سے مثلاً بحث کی جاتی ہے، اسی طرح بتایا جائے کہ

Marfat.com

مذہب ہی جب علم ہے تو اس کا موضوع بحث کیا ہے۔

مذہب کا موضوع

معمولی آدمیوں سے نہیں، بلکہ اچھے خاصے پڑھے لکھے حضرات سے اس کے جواب میں کبھی خدا کبھی معاش کے مقابلے میں معاد یعنی اخروی زندگی وغیرہ جیسی چیزوں کو پیش کر کے باور کر لیتے ہیں کہ سوال کا جو صحیح جواب ہو سکتا تھا وہ دے دیا گیا، حالانکہ بات وہی تھی جو امام صاحب نے فرمائی یعنی مذہب کا موضوع "النفس" یعنی خود نفس انسانی ہے۔

مطلب وہی ہے جو میں عموماً کہا کرتا ہوں کہ دنیا جہان کی چیزوں سے تو انسان بحث کرتا ہے اور الدین یا مذہب میں خود اسی بحث کرنے والے یعنی "الانسان" ہی کو بحث کا موضوع بنا لیا گیا ہے جس کی دوسری تعبیر امام کے لفظ میں "النفس" ہے، اسی النفس یا نفس انسانی کے مالہا (جس چیز سے اسے نفع پہنچے) اور ما علیہا (جو چیزیں انسانیت کیلئے مضر ہوں) ان کا جاننا ہی تو مذہب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ارتقاء و عروج کے آخری نقطوں تک پہنچنے میں نفسِ انسانی کو کن کن چیزوں سے مدد ملتی ہے اور اس راہ میں کن کن چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے ظاہر ہے کہ یہی اس علم یا فن کا خلاصہ ہے جسے مذہب یا مذہبی علوم کہتے ہیں، اس سلسلہ میں چونکہ خدا، جنت و دوزخ، جزا و سزا، نبوت و وحی، ملائکہ، جبر و قدر، برزخ وغیرہ سینکڑوں چیزوں کے جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے مذہب میں ان سے بحث کی جاتی ہے۔

ٹھیک اسی طریقہ سے جس طرح طب کا اصلی موضوع تو انسان کا جسدی نظام ہے جس میں حیوان بھی اس کے شریک ہیں۔ اب اس نظام کی صحت و عدم صحت کے سلسلہ میں سینکڑوں دوائیں، ان دواؤں کے بنانے کی ترکیبیں۔ جراحی کے اعمال وغیرہا کے جاننے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان چیزوں کو فنِ طب

Marfat.com

ہیں موضوعِ بحث کی حیثیت حاصل نہیں۔ اسی طرح نفسِ انسانی تو مذہب کی بحث و تحقیق کا اصل موضوع ہے اور مذہبی مباحث و مسائل کے دیگر عناصر و اجزاء کی حیثیت موضوع کی نہیں ہے، خواہ بذاتِ خود مذہب میں ان کی جتنی بھی اہمیت ہو، اسی لیے ہر زمانہ میں بنی آدم نے "اوّل خویش بعدہ درویش" پر عمل کرتے ہوئے سب سے زیادہ مذہب اور مذہبی علوم ہی کو اہمیت دے رکھی تھی۔

خدا فراموشی کی سزا خود فراموشی

لیکن آہ! کہ نسلِ انسانی کی وہ جماعت جو نسوا اللہ (خدا کو بھول گئی) کی سزا میں فانساھم انفسھم (پھر بھلا دیا خدا نے ان کو ان ہی سے) کی سزا بھگت رہی ہے ہر چیز کو اپنے دماغ میں ٹھونستے ہوئے آدمی نے خود اپنے آپ کو اپنے حافظہ سے نوچ کر باہر پھینک دیا ہے اس کے حافظہ سے خود اپنی ہستی کا احساس اور اس کی قدر و قیمت سرا پھسل کر باہر نکل پڑی ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ عہدِ حاضر کی تعلیم گاہوں میں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کبھی لکھا ہے کہ سانپ اور سانپ کے بچوں، کتے اور کتوں کے پلوں تک سے بحث کرنے کے لیے مخصوص کرسیاں قائم ہیں، کائنات کے ایک ایک ذرہ ذرہ کے لیے مستقل فیکلٹیاں بلکہ مستقل تعلیم گاہیں کھولی جا رہی ہیں، لیکن جوامع و کلیات کے ان طویل و عریض سلسلوں میں جو چیز ناقابلِ بحث قرار دی گئی ہے وہ بیچارا مسکین خود یہی انسان ہے، ہر چیز کے بناؤ اور بگاڑ، ان کی قدرتی صلاحیتوں کے صلاح و فساد کی راہ میں انسانی توانائیوں کا ایک ایک قطرہ خرچ کیا جا رہا ہے، لیکن جس بیکس کی فطری قوتوں کو جنگل کے کانٹوں کی طرح ہر قسم کی داشت و نگرانی سے بے نیاز قرار دیا گیا ہے، وہ آج صرف آدم کی اولاد ہے۔ مذہب جو ہر زمانہ میں تمام علوم کے مقابلہ میں چوٹی کا علم سمجھا جاتا تھا آج اسی کو علمی دائروں سے شہر بدر کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

سمجھنے والے سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے مذہب کو نکالا ہے حالانکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا ان مسکینوں نے خود اپنے آپ کو اپنے حافظہ سے باہر نکال دیا ہے اور یہ بھی قرآن کا ایک معجزہ ہے کہ اس کا دعویٰ فانساھم انفسھم (بھلا دیا ہم نے ان کو ان ہی سے) جو بظاہر ایک ناقابلِ فہم سی بات معلوم ہوتی تھی، وسوسہ ہوتا تھا کہ آدمی کا حافظہ کمزور بھی ہوگا تو اتنا کیا ہوگا کہ خود اپنے آپ کو وہ بھول جائے گا، لیکن جو بات سوچی نہیں جا سکتی تھی وہی دیکھی گئی اور خدا ہی جانتا ہے کہ اس دردناک سانحہ کو نسلِ آدم کب تک دیکھے گی۔ فللّٰہ الحجۃ البالغہ

خیر یہ تو ایک ذیلی بات تھی، لاکھ چاہتا ہوں کہ جو کچھ دکھایا جا رہا ہے اسے صرف دیکھتا رہوں، اس وقت تک دیکھتا رہوں جب تک قدرت کی طرف سے اس کا دکھانا مقدر ہو چکا ہے، لیکن سنگ و خشت نہیں، میرے سینہ میں بھی انسان کا دل ہے، اپنے ابناءِ جنس کے اس عجیب و غریب ذہنی انقلاب پہ دل تڑپ اٹھتا ہے باوجود روکنے کے وہی باتیں قلم پر آجاتی ہیں۔

بہرحال اصل گفتگو فقہ کی اس تعریف میں ہو رہی تھی جو امام رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے، میں یہ کہہ رہا تھا کہ امام نے جو تعریف فقہ کی کی ہے، یہ دین کے تمام شعبوں اور مذہبی علوم کی تمام شاخوں کو حاوی تھی۔

لیکن مختلف اسباب و وجوہ کا اقتضاء یہ ہوا کہ امام صاحب کی بھی زیادہ توجہ ان ہی مسائل کی تدوین و ترتیب پہ صرف ہوئی جن کا تعلق "قوتِ محرکہ" سے تھا سب سے بڑی وجہ تو وہی تھی جس کا ذکر آئندہ ذرا زیادہ تفصیل سے کروں گا، یعنی دینی پیغام ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام چونکہ ایک سیاسی نظام بھی تھا آناً فاناً اسلامی محروسہ میں انسانوں کی ایک بڑی تعداد داخل ہو گئی جن کے لیے آئین اور قانون کی ضرورت تھی۔

Marfat.com

نیز اسلام میں عملی عبادات کا جو حصہ ہے عمل ہونے کی وجہ سے آئے دن مختلف جزئی پیچیدگیاں ان میں پیدا ہوتی رہتی ہیں جیسے دیگر قانونی معاملات اور آئینی ضوابط کا حال ہے۔

جہاں تک میرا خیال ہے اسی چیز نے ابتداء میں ائمہ کو دین کے اس خاص شعبہ میں مشغول کر دیا۔ جس کا تعلق زیادہ تر قوتِ محرکہ ہی سے تھا، ورنہ سچ یہ ہے کہ جن ائمہ مجتہدین نے اسلام کے ان چند عملی ابواب کے متعلق فقہ کا موجودہ سرمایہ پیدا کر دیا ہے، اگر ان ہی حضرات سے دین کے دوسرے شعبوں کے مسائل بھی مروی ہوتے تو یقیناً وہ بھی اسی قدر عجیب چیز ہوتی جتنی آج فقہ کا حیرت انگیز مجموعہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

ان بزرگوں کو خدا کی طرف سے فہم و بصیرت کا جو حظِ وافر ملا تھا، کلیات سے جزئیات پیدا کرنے کا صالح اور قویم سلیقہ ان میں تھا، نیز دوسرے سازگار حالات جو ان کو میسّر تھے مثلاً عہدِ نبوت سے قرب، صحابہ کے صحبت یافتہ بزرگوں سے براہ راست استفادہ کے مواقع، یہ خصوصیتیں اور یہ آسانیاں میں جو ان تک صرف ان ہی تک محدود ہیں، ان ائمۂ اسلام کے جو حالات و واقعات تاریخوں میں محفوظ ہیں، ان سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صرف "قوت محرکہ" ہی کے متعلقہ مسائل ہی نہیں بلکہ ان تمام دوسری قوتوں کے متعلقہ علوم جن سے بجائے فقہ کے دوسرے اسلامی فنون میں آج بحث کی جاتی ہے۔ علماً و عملاً ہر حیثیت سے ان کو بھی وہی تعلق تھا جو کسی فن کے مجتہد اور امام کو ہو سکتا ہے۔ ملا علی قاری نے اپنے مناقب میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک موقعہ پر ذکر کیا ہے

عن حازم قال کلمت الامام فی الزھد والعبادۃ — حازم کہتے ہیں، میں نے امام ابو حنیفہؒ سے زہد اور عبادت یقین اور توکل کے مسائل کے متعلق گفتگو کی تو انہوں

Marfat.com

والیقین والتوکل ففسر لی کل نے ان میں سے ہر باب کی تشریح الگ الگ
باب علیحدہ ؎ کر کے بتائی۔

جس کا ظاہر ہے کہ یہی مطلب ہے کہ ہم آج کل جس علم کو تصوف کہتے ہیں اس علم میں بھی امام کا وہی مقام تھا جو فقہ میں ان کا تھا اور یہ تو ایک معمولی سی مثال ہے۔ امام کی سوانح عمریوں سے چاہا جائے تو اس قسم کے اقوال اور شہادتوں کا ایک ذخیرہ فراہم کیا جاسکتا ہے اور یہی کیفیت فقہ کے دوسرے ائمہ مجتہدین مالک و شافعی احمد و سفیان ثوری اوزاعی وغیرہم رحمہم اللہ کی ہے۔

لیکن پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ ان بزرگوں سے باضابطہ اسی شکل میں جس شکل میں فقہ کے مسائل منقول ہیں دوسرے علوم و فنون کے مسائل نقل نہیں کیے گئے اور اسی چیز نے لوگوں کو اس مغالطہ میں مبتلا کر دیا کہ لے دے کے سارا دین، ساری شریعت صرف وہی ہے جو فقہ کی کتابوں میں ہے۔ رفتہ رفتہ اس خیال میں غلو پیدا ہوا، اور کیا غلو؟ اس حد تک تو خیر غنیمت تھا جیسا کہ ابن نجیم نے "الخلاصہ" سے یہ فتویٰ نقل کیا ہے۔

ان النظر فی کتب اصحابنا من غیر ہمارے بزرگوں کی فقہی کتابوں کا مطالعہ استاذوں سے
سماع افضل من قیام اللیل[19] سنے بغیر بھی رات کے قیام یعنی تہجد کی نماز سے افضل ہے

یعنی درساً استادوں سے پڑھنا اور ان کے مطالب کا سمجھنا ہی نہیں بلکہ بغیر استاد کے یوں ہی فقہ کی کتابوں کا دیکھنا اس کو قرآنی حکم قم اللیل (کھڑے ہو رات کو) خواہ اس کا وجوب باقی نہ رہا ہو، لیکن بہر حال قرآنی حکم ہونے میں تو اس کے شبہ نہیں ہے اس پر بھی برتری حاصل ہے. گویا جسے قرآن نے

ان ناشئۃ اللیل ھی اشد قطعاً رات کا اٹھنا ؎ (بندے اور خدا میں توافق کی) شدید ترین
وطاء واقوم قیلا۔ (مزمل) صورت ہے اور بات کرنے کی بھی مضبوط راہ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

قرار دیا ہے۔ اسی قیام اللیل سے ہر قسم کی فقہ کی کتابوں کا نہیں بلکہ صرف حنفی فقہ کی کتابوں کا دیکھنا افضل قرار دیا گیا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ آخر میں تو فتوے نے وسعت یہاں تک حاصل کی۔

ان تعلم الفقہ افضل	فقہ کا سیکھنا باقی قرآن کے سیکھنے
من تعلم باقی القرآن	سے بھی افضل ہے۔

(البحرالرائق، ج ۱، ص ۴)

جس کا شاید مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ قرآن کی ڈیڑھ سو یا زیادہ سے زیادہ پانچ سو آیتوں جن سے فقہی مسائل کا تعلق ہے ان کا سیکھنا قرآن کی باقی ماندہ ہزار ہا ہزار آیتوں کے سیکھنے اور پڑھنے سے زیادہ افضل ہے۔

غلو اور اغراق[1] کے یہی وہ تفریطی حدود ہیں جنھیں دیکھ دیکھ کر دوسرے طبقات کے لوگ پھر مخالفت میں بھی اسی قسم کے شدت اختیار کر لیتے ہیں میں نے ان چند چیزوں کو قصداً اسی لیے نقل کیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ فقہاء جنھیں پچھلے زمانوں میں "ملاؤں" کے گروہ سے موسوم کر کے بعض طبقوں میں مذاق اڑایا جاتا تھا، اس میں مذاق اڑانے والوں کی جہالت کے ساتھ ساتھ نیک ناموں کو بدنام کرنے والے نادان دوستوں کی عنایت فرمائیاں بھی شریک ہیں ورنہ جن کی نظر "اسلام" کے تمام عناصر اور اجزاء پر ہے ان کے نزدیک نہ یہ صحیح ہے نہ وہ صحیح ہے۔ محض اس لیے کہ

حاشیہ گزشتہ صفحہ: بعضوں نے اشد وطا کا ترجمہ کیا ہے کہ نفس کو روندنے کے حق میں سخت ترین صورت ہے

[1] اسی غلو کی ایک مثال یہ ہے کہ فقہ ہی قدوری کے متعلق مشہور ہے کہ اسکی تلاوت طاعون و وبا کے ازالہ کے لیے مفید ہے یہ بھی کہتے ہیں کہ استاذ سے جو قدوری سبقاً سبقاً پڑھے گا بجز مسئلہ اس میں جن اسی قدوری انہم اسے ملیں گے (دیکھو مفتاح السعادۃ طاش کبری زادہ)

Marfat.com

حضرت امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ سے فقہ کے مسائل مثلاً منقول ہیں اس لیے اسی کو "کل اسلام" قرار دینا، اس کی مثال تو ایسی ہے کہ اگر بجائے فقہی مسائل کے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے صرف "فن تجوید و قراۃ" کے مسائل منقول ہوتے تو کیا صرف "تجوید و قراۃ" ہی کو "کل دین" قرار دیا جا سکتا تھا؟ اور کیا کہا جائے آج تو ان قاریوں میں بھی ایسے حضرات سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا ہے جن کا قریب قریب اپنے اس فن کے متعلق وہی خیال ہے جو الخلاصہ سے میں نے فقہ کے متعلق بعض فقہاء کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

بہرحال گو یہ تمہیدی گفتگو ذرا طویل ہو گئی لیکن بعض فاحش اغلاط کا ممکن ہے کہ اس بیان سے ازالہ ہو، اس لیے میں نے قصداً طوالت سے کام لیا، اب میں اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں یعنی اس زمانہ میں جس علم کا نام فقہ ہے اس کی تدوین کی تاریخ بیان کرتا ہوں۔

دین اسلام کی ایک خاص خصوصیت

اس پر تو غالباً مجھے کسی تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں کہ منجملہ دیگر امتیازات کے اسلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "النبی الخاتم" میں لکھا ہے کہ اسلام بھی اگرچہ ایک مذہب اور دینی دعوت و تبلیغ ہی کی ایک شکل تھی، لیکن "النبی الخاتم" کے الفاظ میں:۔

"گلیلی" جھیل کے چند ماہی گیروں، یا ملگدہ ویش کے گداگر بھکشوؤں کے ساتھ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی و نبوت کے ذریعہ سے مہیا ہونے والا۔

تجربات و مشاہدات کا یہی وہ ذخیرہ تھا جس کی حفاظت و نگرانی کا فرض

Marfat.com

کسی خانقاہ کے درویشوں، یاکسی مدرسہ کے معلموں، یاکسی انجمن کے ممبروں، یاکسی کانفرنس کے دفتریوں، یاکسی افسانہ نگار مؤرخ کی انگلیوں کے سپرد نہیں کیا گیا، بلکہ سب جانتے ہیں کہ زمین پر، روئے زمین پر، اس زمانے کی جو سب سے بڑی قاہرہ سلطنت تھی اس نے اپنا پہلا فریضہ بھی اسی کی حفاظت و تبلیغ کو قرار دیا اور اس کا آخری فریضہ بھی یہی تھا۔ درمیان کے جتنے مقدمات تھے، وہ صرف ایک مقصد کے حصول کے ذرائع تھے۔ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت نے اپنی ہر قسم کی قوتوں کو صرف اسی کی نگرانی اور نشر و اشاعت کے لیے مخصوص و محدود کر دیا۔" ۲۰ (النبی الخاتم، ص ۱۱۶)

مشہور عیسائی مؤرخ جرجی زیدان کا یہ بیان اگر صحیح ہے کہ ایران و روم (جن دونوں حکومتوں کو پچھاڑ کر مدینہ میں حکومت قائم ہوئی) ان دونوں یعنی ایرانیوں اور رومیوں میں اختلاف و جنگ کی وجہ یہ تھی کہ

التنازع علی الاستبداد فی العالم لانہما	سارے عالم پر تسلط کلی حاصل کرنے کے لیے
کانتا اعظم دول الارض فی	یہ دونوں کش مکش کر رہے تھے۔ کیونکہ روئے زمین
تلك العصور فارادت کل منہما	پر سب سے بڑی حکومتیں یہی دونوں تھیں، ہر ایک
الاستیثار بالسلطۃ دون	حکومت ان میں یہی چاہتی تھی کہ دوسرے کے
الاخری ۲۱	مقابلہ میں اسی کا اقتدار عالم پر قائم ہو جائے۔

(تاریخ التمدن الاسلامی، ج ۱، ص ۱۲۶)

جب یہ دونوں حکومتیں "اعظم دول الارض فی تلك العصور" تھیں، یعنی اس عہد میں کرۂ زمین کی سب سے بڑی حکومتیں یہی دونوں تھیں ظاہر ہے کہ جس تیسری قوت نے ان دونوں حکومتوں کو چت کر کے اپنی سیادت و سلطنت کا پھریرا دنیا

Marfat.com

میں اڑا دیا تھا، وہی اس زمانہ کی دنیا میں سب سے بڑی سلطنت قرار پانے کی جائز حقدار تھی اور اس کے اظہار کی تو ضرورت نہیں کہ ابوبکر صدیق رضی کی ڈھائی سال کی خلافت ہو، یا عمر فاروق کی گیارہ، ساڑھے گیارہ سال کی حکومت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے کل تیرہ سال کے اندر اندر دنیا کی اس سب سے بڑی حکومت نے جو کام کیا، وہ اصل مقصد کے لحاظ سے اسلام کی حفاظت و تبلیغ ہی کا کام تھا، اور جیسا کہ میں نے النبی الخاتم میں ہی لکھا ہے:

"طاقت کی ان آہنی زنجیروں کی بندش میں حکومت ہی کی سرپرستی میں اس کی یعنی اسلام کی "تاریخ" کا آغاز ہوا اور دیکھو کہ مسلسل اسی طرح ایک حکومت دوسری حکومت کو یہ ودیعت سونپتی چلی آئی" (ص ۱۱۶)

بہرحال اسلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جوں ہی اس کا قدم مکہ سے باہر نکل کر مدینہ پہنچا، معاً اس کی پشت پناہی کے لیے عجیب و غریب سیاسی قوت اس کے پیچھے مہیّا ہو گئی۔ عہدِ فاروقی و صدیقی کے سوا خود عہدِ نبوت میں سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم منیٰ کے میدان میں جس وقت اپنا مشہور و داعی خطبہ اونٹنی کی پیٹھ پر سے سنا رہے تھے، تو اس وقت جہاں آپ سارے جہاں کے قیام قیامت تک کے لیے آخری پیغمبر تھے، اسی کے ساتھ اس ملک کی آزاد حکومت کے آپ تنہا فرمانروا بھی تھے، جرجی زیدان کے الفاظ میں جس کے حدودِ اربعہ یہ ہیں:

وشاهد النبي صلى الله عليه وسلم مملكته	پیغمبر نے مشاہدہ کیا کہ شمالاً تبوک سے ایلہ تک
تمتد من تبوك وايلة شمالا الى سواحل	اور جنوباً یمن کے ساحل تک شرقاً خلیج فارس
اليمن جنوبا ومن خليج العجم شرقا الى	تک اور بحر قلزم تک غرباً ان کی حکومت پھیلی
بحر القلزم غربا۔	۳۲ھ ہوئی ہے۔

Marfat.com

خلاصہ یہ ہے کہ دوست و دشمن سب ہی کا اس پر اتفاق ہے کہ

لما توفی النبی سنۃ للھجرۃ کانت سطوۃ سنہ میں جب پیغمبر کی وفات ہوئی تو اسلام کی
الاسلام قد ظللت کل جزیرۃ العرب حکومت سارے جزیرۂ عرب پر چھائی ہوئی تھی۔
۲۳ھ

اب دس لاکھ مربع میل زمین کی اس آبادی[1] کا خیال کیجئے جو عہدِ نبوت ہی میں زیر نگینِ اسلام آچکی تھی اور عہدِ رسالت کے بعد دس بارہ سال کی قلیل مدت میں خلافت صدیقی و فاروقی میں ایران و مصر و شام و الجزیرہ و ترکستان تک اسلام کی جو حکومت پھیل گئی، پھر عثمانی عہد میں مزید اضافے فتوحات کے جو ہوئے، انسانوں کی کتنی بڑی تعداد اسلام کے احاطہ میں داخل ہو گئی تھی اس کے اندازے کے لیے بھی بجائے اسلامی مورخین کے یہ مناسب ہوگا کہ کسی غیر ہی کی شہادت پیش کر دوں جرجی زیدان ہی کا بیان ہے اور واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے وہ لکھتا ہے۔

وسکانھا معظم امم العالم المتمدن (اسلامی حکومت کے مقبوضہ میں) اس زمانہ فی ذلک الحین وفیھم العرب د کی متمدن دنیا کا بڑا حصہ داخل ہو گیا تھا جس

---

[1] یہ صحیح ہے کہ عرب کا ایک بڑا حصہ غیر آباد اور بیابان تھا اور اب بھی ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عرب میں آدمی آباد ہی نہ تھے، یمن، نجد اور شام و عراق کے طلقات جو عرب کے سر سبز علاقے ہیں عرب کے واحات (نخلستانوں) کی آبادیاں اور بیابان نورو قبائل کی بھی کافی تعداد تھی، خصوصاً اسلام سے پہلے عربوں کو اپنے ملک کے سوا دوسرے ممالک میں آباد ہونے کا چونکہ موقع نہیں ملتا تھا اس لیے جس حال میں ہو وہ اسی ملک میں پھیلتے جاتے تھے، اسلام کے بعد البتہ وہ ساری دنیا میں پھیل گئے اس لیے ابتداء اسلام میں ماننا چاہیئے کہ موجودہ زمانہ سے بھی زیادہ عرب آباد تھا۔ اس کا ثبوت تاریخی وثائق سے ملتا ہے جس کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے۔

Marfat.com

الفرس والأتراك والأكراد والمغول والتتر و	ہیں عرب بھی تھے اور ایران کے باشندے بھی
الافغان والہنود والارمن والقبط والنوبۃ و	ان میں کلدانی بھی تھے اور روم والے بھی اور
البربر والسریان والکلدان والروم والقوط	گاتھ قوم کے لوگ بھی، قبطی بھی، سوڈانی بھی بربر
وغیرہم وکانوا یتکلمون العربیۃ والفارسیۃ	بھی جو زبانیں یہ بولتے تھے ان میں عربی فارسی
والبھلویۃ والہندیۃ والرومیۃ والسریانۃ	ہندی، رومی، ترکی، کردی اور ارمنی، نیز قبطی
والترکیہ والکردیہ والارمنیہ والقبطیۃ البربریۃ وغیرھا ۳۴	اور بربری کے سوا بھی زبانیں تھیں۔

جرجی زیدان نے قدیم معتبر وثائق سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس زمانہ میں تین کروڑ کی آبادی تو صرف ایک ملک مصر کی تھی، مجموعی طور پر پہلی صدی ہجری میں ممالک محروسہ اسلامیہ کے متعلق جرجی زیدان کا تخمینہ آبادی کے متعلق یہ ہے کہ

لانستبعد ان یکون احصاء المملکۃ الاسلامیہ فی	اسلامی قلمرو کی آبادی اپنے عنفوان
ابان عمرانہا نحو ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲ نفس الی ۲۵۰ ملیون ۳۵	شباب میں بیس کروڑ سے پچیس کروڑ تھی

اسی عیسائی مصنف نے اپنے اس بیان کو اس فقرہ پر ختم کیا ہے

نحو تعداد سکان	مردم شماری کی یہ تعداد وہی ہے جو اس
اوربا کلھا الان ۳۶	وقت پورے یورپ کی ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ مندرجہ بالا تعداد میں ان مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کو بھی شریک کر لیا گیا ہے جن کا اضافہ پہلی صدی ہجری کے اختتام سے پہلے اور خلافت راشدہ کے کچھ ہی دن بعد ہوا تھا۔

لیکن تاریخ اسلامی کے علما جانتے ہیں کہ پچیس سے بیس کروڑ تک کے اس تخمینہ میں کم از کم یہ ماننا پڑے گا کہ پندرہ سے بیس کروڑ تک کی آبادی عہد خلافت راشدہ ہی کی ہونی چاہیے کیونکہ اصل آباد ممالک ظاہر ہے کہ زیادہ تر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی کے زمانہ میں فتح ہو چکے تھے۔

Marfat.com

بہرحال پہلی صدی ہجری کے اختتام سے پہلے اسلامی حکومت کے دائرہ میں بتدریج پچیس سے تیس کروڑ تک یعنی موجودہ یورپ جس میں بیسیوں ممالک اور اقالیم کے لوگ آباد ہیں[1] اس کی جو آبادی ہے اس کی مساوی آبادی پر اسلام کا ایک قانونی حکومت کی شکل میں چھا جانا اور اسی کے ساتھ اگر اس واقعہ کو بھی ملا لیا جائے کہ رعایا ہونے کے ساتھ ساتھ ان ممالک مفتوحہ کے عام باشندے بسرعت تمام افواج کی شکل میں حلقہ بگوش اسلام بھی ہوتے چلے جا رہے تھے تو یہ واقعہ کیا خود بخود اس ضرورت کو ناگزیر نہیں بنا رہا ہے کہ آدمیوں کی اتنی عظیم آبادی کے ساتھ آئے دن جو نت نئے حوادث و واقعات پیش آ رہے تھے ان کی راہنمائی کے لیے اسی عملی دستور سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و سنت کے نام سے عطا فرمایا تھا جواب نہ پیدا کیا جاتے؟

میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جامعہ (عثمانیہ یونیورسٹی) جس کے حلقہ اثر میں بہ مشکل دو ڈھائی ہزار آدمی ہوں گے، حالانکہ ہر ہر شعبہ کے متعلق مستقل قوانین بنا بنا کر ارباب حکومت کی طرف سے طبع کرا دیے گئے ہیں لیکن شاید ہی کوئی دن گزرتا ہو جب ان ہی مطبوعہ اساسی قوانین کی روشنی میں نئے پیش آنے والے واقعات کے متعلق ہمارے نائب معین امیر (پرو وائس چانسلر) کو کوئی نیا حکم، نئی گشتی نہ جاری کرنی پڑتی ہو۔

اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب دو ڈھائی ہزار کے حلقہ کا یہ حال ہے

---

[1] یہ بات جرجی زیدان کے قول کے مطابق لکھی گئی ہے یعنی اس زمانہ کی بات ہے جس وقت جرجی زیدان نے اپنی کتاب مرتب کی تھی جس پر بیس یا پچیس سال کا زمانہ گزرا ہوگا بعد کی مردم شماریوں نے یورپ کی آبادی میں جو اضافہ کر دیا ہے وہ میرے پیش نظر نہیں ہے۔

Marfat.com

توجس دستور کے تحت اچانک بیس پچیس کروڑ نفوس داخل ہو گئے ہوں ان کے متعلق قدرتاً کتنی شدید ضرورت اس کی پیدا ہوئی ہوگی کہ ہر نئے حادثہ اور واقعہ کے متعلق بتایا جائے کہ جو دستور ان پر نافذ کیا گیا تھا، اس کے اعتبار سے اس حادثہ اور واقعہ پر کیا حکم لگایا جاتے جس کتاب نے اپنے متعلق

تبیاناً لکل شئ — ہر چیز کی بیان کرنے والی

اور اسی قسم کے بلسیوں الفاظ میں احاطۂ عام اور احتواء تام کا دعویٰ کیا ہے کیا یہ سمجھ میں آنے کی بات ہے کہ وہی کتاب اس باب میں ناکافی ہوتی ، یہ صحیح ہے کہ قرآن کے متعلق

جمیع العلم فی القرآن لاکن — تقاصر عنہ افہام الرجال

(دنیا جہان کے تمام علوم قرآن میں ہیں لیکن لوگوں کی سمجھ ان کو پانے سے معذور ہے) کا دعوی قرآن کے ساتھ نادانوں کی دوستی ہے اور جن نیک لوگوں نے جیسا کہ ملاجیون نے لکھا ہے

حتی استنبط بعضہم علم الہیئۃ والہندسۃ والنجوم والطب[۲۷] (تفسیرات احمدیہ، ص۴) — یہاں تک کہ بعضوں نے قرآن سے علم ہئیت اور ہندسہ نجوم وطب کے مسائل بھی مستنبط کیے ہیں۔

اور اسی تفسیر کے محشی صاحب نے اس پر یہ اور اضافہ فرمایا ہے۔

اقول والجبر والمقابلہ والجدل والنجامۃ — میں کہتا ہوں کہ اور جبر و مقابلہ علم الجدل وعلم النجامۃ (ستارہ شناسی) بھی قرآن سے نکالا گیا ہے

حالانکہ قرآن جو "ان الدین عند اللہ الاسلام" کی شرح ہے یعنی وہ ایک دینی کتاب ہے اور گزر چکا کہ "الدین" یا "مذہب" کی بحث کا اصل موضوع انسان ہے، سوۂ فاتحہ میں انسانیت ہی کے لیے الصراط المستقیم کی درخواست بارگاہ ربانی میں پیش

Marfat.com

کی جاتی ہے۔ مطلب یہی ہوتا ہے کہ انسانیت اپنے ارتقاء و عروج کی منزل تک جس سیدھی راہ سے پہنچ سکتی ہو، اس کی ہدایت کی جائے۔ السبع المثانی کے اسی درخواست کا جواب "القرآن العظیم" ہے۔

لہ سورۃ فاتحہ یعنی الحمد کا نام قرآن میں سبع مثانی ہے۔ سبع کے معنی سات کے ہیں اور مثانی ایسی چیز کو کہتے ہیں جو دو دو دفعہ دہرائی جائے۔ سورہ فاتحہ چونکہ سات آیتوں پر مشتمل ہے یہ وجہ تو السبع یعنی سات کہلانے کی ہوئی۔ باقی مثانی کیوں کہتے ہیں تو بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ نماز میں یہ سورہ جب پڑھی جاتی ہے تو کم از کم دو رکعتوں میں دو دفعہ اس کا دہرانا ضروری ہے یعنی دربار الٰہی میں اس عرضداشت کی خواندگی دو دفعہ ہونی چاہیے۔ اسی لیے صرف ایک رکعت والی نماز کا نام "البتیراء" (دم کٹی نماز) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا ہے اور حدیث صلوۃ اللیل والنہار مثنی مثنی (یعنی رات اور دن کی نماز کو دوہرا ہونا چاہیے) اس کا بھی میرے خیال میں یہی مطلب ہے کہ دو سے کم نہ ہونا چاہیے۔

خود قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ گو سورہ فاتحہ بھی اسی ذات پاک کا عطیہ ہے جس نے مسلمانوں کو قرآن عطا کیا ہے اور لفظاً و معناً دونوں وحی ربانی ہیں، لیکن بایں ہمہ سورہ فاتحہ، القرآن العظیم سے کوئی الگ مقابلہ کی نسبت رکھتی ہے۔ آخر اگر دونوں ایک ہی چیز ہوتی تو آتیناك سبعا من المثانی والقرآن العظیم (ہم نے تم کو المثانی کی سات آیتیں اور قرآن عظیم عطا کیا ہے) نہ فرمایا جاتا۔ یعنی دونوں کو الگ کر کے نہ بیان کیا جاتا اور بات بھی یہی ہے سورہ فاتحہ کا مضمون بالکل ایک ایسی درخواست کا مضمون ہے جو شاہی دربار میں پیش کی گئی ہو، مالك یوم الدین تک تو بادشاہ کے القاب وصفات کا بیان ہے ایاك نعبد و ایاك نستعین (تجھی کو ہم پوجتے اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں) یہ فدوی درخواست گزار کی حیثیت کا بیان ہے آگے اھدنا الصراط المستقیم سے آخر تک درخواست کا مضمون ہے۔ جسے امام نمازیوں کی طرف سے شاہی دربار میں پیش کرتا ہے۔ آمین گویا اس درخواست کے ساتھ اظہار اتفاق کے دستخط کی حیثیت رکھتا ہے جب درخواست پیش ہو جاتی ہے تو جواب میں امام خدا کی نمائندگی کرتے ہوئے قرآن کا کوئی حصہ سناتا ہے جو ظاہر ہے کہ کسی نہ کسی حیثیت سے صراط مستقیم ہی سے تعلق رکھتا ہے الغرض سرکاری دفاتر میں جیسے درخواستوں کا نمونہ فارم چھاپ کر خود سرکار کی طرف سے رکھ دیا جاتا ہے۔ یہی حال سورہ فاتحہ کا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے خود ہی درخواست کا مضمون مرتب کر کے بندوں کے حوالہ فرما دیا ہے

Marfat.com

بہر حال "القرآن العظیم" کا موضوع بحث انسانیت کا یہی صراط مستقیم ہے، دوسرے لفظوں میں اسی مقصد کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ ساری کائنات سے تو انسان بحث کرتا ہے لیکن خود انسان سے مذہب بحث کرتا ہے اس لیے قرآن جو ظاہر ہے کہ مذہب اور دین ہی کی کتاب ہے، اس میں ہر چیز کے ہونے کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ انسان اور تمام وہ قوتیں جو واقعی انسانی قوتیں ہیں، ان کے بناؤ بگاڑ، صلاح و فساد کے متعلق جو کچھ کہا جا سکتا ہے سب کہہ دیا گیا ہے، قرآن کے دعوی

ما فرطنا فی الکتاب من شئی — ہم نے کتاب (قرآن) میں کسی چیز کو چھوڑ نہیں دیا ہے

کا اگر یہ مطلب ہو اور

الیوم اکملت لکم دینکم — آج کامل کر دیا میں نے تمہارے لیے تمہارے

اتممت علیکم نعمتی (سورۃ المائدہ) — دین کو اور پوری کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت۔

میں اکمال اور اتمام نعمت کو اس پر محمول کیا جائے تو بلا شبہہ قرآن اس دعوی کا مستحق ہے لیکن جن چیزوں کا انسانی وجود سے اختصاصی تعلق نہیں ہے ظاہر ہے کہ اس کے موضوع بحث سے چونکہ وہ خارج ہیں اس لیے ان کو قرآن میں تلاش کرنا بجنسہ ایسی بات ہو گی جیسے اقلیدس کی کتاب میں طب کے نسخے ڈھونڈے جائیں یا نحو کے رسالوں میں کیمسٹری کے مسائل کوئی تلاش کرے، مجنوں کے سوا بھلا اس قسم کی بے جوڑ، ان میل حرکتوں کی توقع اور کس سے ہو سکتی ہے، قرآن کے کل شئی (سب کچھ) کے الفاظ سے منطق والا کل مراد لینا عربی زبان کے محاوروں سے جہالت ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے، آخر قرآن ہی میں عاد کی آندھی کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ

تدمر کل شئی (سورۃ الاحقاف) — ڈھا دیتی تھی "وہ آندھی" ہر چیز کو

Marfat.com

تو "کل شئ" (ہر چیز) میں کیا آفتاب، ماہتاب، ستارے سیارے، زمین، سارے جہان کے پہاڑ بلکہ ملائکہ جن شیاطین تک کو بھی داخل کرنا کیا صحیح ہوگا؟ قرآن میں تو شئ کا اطلاق ذاتِ حق پر بھی کیا گیا ہے العیاذ باللہ منطقی کل" پر اگر منطبق کیا جائے گا تو عربیت کی خلاف ورزی کے سوا خود منطقی ژولیدگیاں کیا کم پیدا ہوں گی؟ ایسے مواقع پر "سب کچھ" کے احاطہ کی تعین قرائن سے کی جاتی ہے مثلاً عاد والی آیت میں یہی مطلب ہوگا کہ جو چیزیں آندھی سے برباد ہونے کی صلاحیت رکھتی تھیں ان ہی کو عاد والی آندھی نے ڈھاکر رکھ دیا تھا

پس صاف اور سیدھی بات زبان اور محاورے کے مطابق یہی ہے کہ قرآن کی کلیت کا احاطہ ان ہی مسائل تک محدود رکھا جائے جن کا "الدین" سے تعلق ہے اور یہی حال "السنة" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم اقوال اور آپ کی ہر جیتی زندگی کا ہے جو انسانیت کی ہر شکل میں ہر حال کے لحاظ سے اپنے اندر کامل نمونہ رکھتی ہے

بہرحال حسی معلومات سے متاثر ہونے کے بعد جس طرح عقل انسانی میں ہل چل پیدا ہوتی ہے اور اسی ذہنی تلاطم، عقلی، ہلچل کا نتیجہ ہے کہ ہماری لائبریریاں ان علوم و فنون کی کتابوں سے بھری چلی جا رہی ہیں جنہیں اصطلاحاً ہم عقلی علوم و فنون کہتے ہیں. حالانکہ محسوسات کی حد تک ہماری معلومات اور حیوانوں کی معلومات میں جیسا کہ عرض کیا گیا چنداں فرق نہیں ہے لیکن حواس کے ان ہی محدود معلومات سے عقل انسانی نے جس طرح اس راہ میں علم کا سمندر پیدا کر دیا ہے. غور کرنے کی بات ہے کہ بجائے حسی معلومات کے اسی انسانی عقل پر علام الغیوب عالم الغیب والشہادۃ کے عطا کیے ہوئے معلومات کا جب عکس پڑ تو فکن ہوا خواہ ان معلومات کا ظہور الکتاب (القرآن) کے ذریعہ سے ہوا ہو، یا اسی الکتاب

Marfat.com

کی عملی تشکیل و تشریح "السنۃ" کی راہ سے یہ معلومات حاصل ہوئے ہوں

بہر حال یہ کہنا کیا صحیح ہو سکتا ہے کہ ان معلومات کے حصول کے بعد وہی عقل جو ایک ایک شے معلوم سے لاکھوں نتائج پیدا کر کے رکھ دیتی ہے وحی نبوت کے ان معلومات کے پانے کے بعد بالکل کند اور جامد و خامد بن کر رہ جاتی جو کتاب لعلکم تتفکرون (تاکہ تم سوچو) لعلکم تعقلون (تاکہ تم سمجھو) وغیرہ عقلی بیداری کے پیغاموں سے لبریز ہے کیا اسی کتاب کے متعلق یہ دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے کہ نازل ہونے کے ساتھ ہی اس نے دماغوں کو مفلوج، عقلوں کو کند، ذہنوں کو غبی بنا دیا۔

وحی و نبوت کے معلومات کا اظہار محدود الفاظ میں کیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ وحی و نبوت کی راہ سے جو معلومات بھی ہمیں عطا کئے گئے ہیں ظاہر ہے کہ محدود الفاظ ہی کے قالب میں عطا ہوئے ہیں، اور جیسا کہ میں عرض کرتا چلا آرہا ہوں کہ دوسری طرف انسانی زندگی کے ہر شعبہ کا حال یہ ہے کہ ہر دن جو آفتاب طلوع ہوتا ہے کچھ ایسے نئے پیچیدہ حالات کے ساتھ طلوع ہوتا ہے جن کی نظیر اس سے پہلے موجود نہیں ہوتی۔ یعنی جن پیش آنے والے نت نئے واقعات کو فقہا کی اصطلاح میں

"الحوادث والنوازل"

کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایک طرف وحی و نبوت کے معلومات کے الفاظ کی محدودیت، دوسری طرف "الحوادث والنوازل" کی غیر محدودیت یہ دونوں واقعات ایسے ہیں کہ عقل کی دخل اندازی کے بغیر اس خلا کا پُر کرنا ناممکن اور محال ہے، یہ احتمال کہ ہر پیش آنے والے حادثہ اور نازلہ کے متعلق اللہ میاں نے آیت ہی کیوں نہ نازل فرما دی اور خواہ مخواہ عقلی اجتہاد اور کوشش کی تکلیف میں لوگوں کو مبتلا کر

Marfat.com

دیا گیا۔ اولاً تو یہ یوں بھی کچھ مہمل اور احمقانہ سی بات ہے آخر یہی اعتراض ان لوگوں کو حسی معلومات کے سلسلہ میں کیوں نہیں پیدا ہوتا کہ عقلی کنج وکاؤ، ذہنی جد وجہد سے جن نتائج تک رسائی ہوتی ہے، اللہ میاں نے ان کو بھی محسوس شکل کیوں نہ عطا کر دی، سارے ایجادات واختراعات کو جنہیں ہم استعمال کر رہے ہیں قدرت ہی ان کی پیدائش کی خود متکفل کیوں نہ ہو گئی، ماسوا اس کے سوچنے کی بات یہ ہے کہ قیامت تک پیش آنے والے جزئیات جو سارے جہاں کے ہر مرد وعورت کے ساتھ پیش آسکتے تھے۔ مختصر سے مختصر الفاظ میں بھی اگر ان کی تعبیر کی جاتی تو غالباً دنیا میں کاغذی مواد کا جو ذخیرہ اس وقت پایا جاتا ہے سب خرچ ہو جاتا اور شاید کام پھر بھی پورا نہ ہوتا۔ خیال تو کیجئے کہ معلومات کے اس پشتارے کی نقل کون کرتا ان کی حفاظت کیسے ہوتی، اس وقت جبکہ کم وبیش قرآن کل (۷۷۹۳۴ الفاظ) کا مجموعہ ہے اس کی حفاظت اور نگرانی میں اگر واقعی خدا کا غیبی ہاتھ کام نہ کرتا تو جس طرح دوسرے مذاہب کے آسمانی وثیقے مختلف تاریخی اشتباہات کی تیروں سے آج چھلنی بنے ہوئے ہیں۔ قرآن کا بھی خدانخواستہ یہی حال ہو جاتا۔ پھر سوچا جا سکتا ہے کہ لامحدود جزئیات کے لامحدود تعبیرات کی حفاظت کی شکل کیا ہو سکتی تھی۔

ماسوا اس کے واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے معدودے چند کلیات پر تو عمل کرنا ہمارے لیے دشوار ہو رہا ہے، کتنے ہیں جو ہم میں قرآن کے صریح نصوص کے خلاف باوجود مسلمان ہونے کے زندگی گزار رہے ہیں اگر ہر ہر جزئی مسئلہ کی حیثیت بھی نص صریح کی ہو جاتی تو اس وقت ہماری موجودہ غلط زندگی کی غلطیاں کتنی مہیب اور خطرناک ہو جاتیں۔ آج تو ہم فقہی جزئیات کے متعلق یہ سوچ کر کہ فقہاء اسلام کا یہ اجتہادی نتیجہ ہے براہِ راست قرآن کا کوئی نصِ محکم تو نہیں ہے اپنی غلطی کی شدت میں خفت پیدا کر لینے کا فیصلہ بنا لیتے ہیں۔ لیکن آج جو کچھ

Marfat.com

شامی عالمگیری بحرالرائق میں ہے اگر سب قرآن میں ہوتا تو پھر ہماری بدبختیوں کا کیا حال ہوتا ان مسائل کا اجتہادی ہونا، اجتہاد میں مختلف فقہاء امت کا قدرتی طور پر مختلف ہو جانا یہ واقعہ ہے کہ ہم سست کاہل الوجودوں، ضعیف ارادہ والوں کے لیے جائے پناہ بنا ہوا ہے اور غالباً اس مشہور حدیث کا جس میں آیا ہے کہ امتِ اسلامیہ کا اختلاف ان کے لیے رحمت بن جائے گا ایک پہلو اس کا یہ بھی ہے، جس کی تفصیل آئندہ بھی آرہی ہے۔

بہرحال وحی و نبوت کے ذریعہ سے جو معلومات امت تک پہنچے ہیں ان کے الفاظ کی محدودیت اور حوادث و نوازل کی محدودیت، یہی وہ ضرورت ہے جس کی تکمیل کے لیے دنیا ہی میں نہیں دین میں بھی ہم عقل اور فقہ کے محتاج ہیں۔

مشہور اسلامی فیلسوف یعنی معلم المغرب علامہ ابن رشد مالکی نے اپنی فقہی یادداشت "بدایۃ المجتہد" میں اسی خیال کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

ان الوقائع بین اشخاص	انسانی افراد کے درمیان جو حوادث و واقعات پیش آتے
الاناسی غیر متناهیة والنصوص	ہیں وہ غیر محدود ہیں اور نصوص و افعال و اقرارات
والافعال والاقرارات متناهیة	(یعنی جن سے مسائل پیدا کیے جاتے ہیں) محدود و
ومحال ان یقابل ما لا یتناهی	متناہی ہیں، محال ہے کہ غیر محدود کا مقابلہ محدود سے
بما یتناهی	شہ۲ کیا جائے۔

اس خیال کی تائید مشہور حنبلی المذہب علامہ حافظ ابن قیم تک نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

من له مباشرة لفتاوی الناس	عام لوگوں کو فتویٰ دینے کے کام کا جنھیں تجربہ ہے وہ
یعلم ان المنقول وان اتسع	جانتے ہیں کہ منقولات، ملفوظات، خواہ جتنی بھی
غایة الاتساع فانه لا یفی	وسعت حاصل کریں لیکن پھر بھی سارے جہان کے

Marfat.com

بوقائع العالم جمیعھا　　　سارے واقعات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

۲۹

سرجان ڈائمنڈ نے اپنی کتاب اصولِ قانون میں جو یہ لکھا ہے:۔
"بہرحال کسی ملک کے ججوں کے اختیار تمیزی کے بغیر صرف قانون سے انفصال مقدمات ناممکن ہے۔" (ص ۲۲، ترجمہ شائع کردہ دار الترجمہ)
سچ پوچھیے تو اس میں بھی اسی فطری ضرورت کا اظہار کیا گیا ہے۔

پھر حیوانوں اور انسانوں کے متعلق، جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا، حسّی معلومات کے لحاظ سے یہی فرق ہے کہ انسان اپنے حسی معلومات سے نتائج و نظریات کلیات و قوانین پیدا کرتا ہے اور گو اپنی اپنی حد تک مشکل ہی سے کوئی ایسا آدمی مل سکتا ہے جس کی عقل اس سلسلہ میں کچھ نہ کچھ کام نہ کرتی ہو، عالم جاہل، خاصی و عامی سب ہی میں اس خصوصیت کے کو نہ آثار کسی نہ کسی شکل میں پائے جاتے ہیں، الا یہ کہ کسی کی دماغی حالت اتنی زبوں اور اس درجہ پست ہو کہ بجز شکل و صورت کے آدمیت سے کوئی حصہ نہ ملا ہو، یہی حال وحی و نبوت کے معلومات کے استعمال کا بھی ہے کہ کسی نہ کسی حد تک عقل کو دخل دینے کی ضرورت تو ہر شخص ہی کو پیش آتی ہے، اسی لیے سمجھا جاتا ہے کہ اجتہاد یعنی وحی و نبوت کے استعمال میں عقل کا استعمال اس کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس پر ہر وہ شخص مجبور ہے جو شریعت کے قوانین کا مکلف ہے اندلس ہی کے ایک عالم الشاطبی الغرناطی علامہ ابراہیم اپنی کتاب الموافقات میں فرماتے ہیں کہ یہ اجتہاد کی ایسی قسم ہے

لا یمکن ان ینقطع حتی　　　اجتہاد کا یہ وہ سلسلہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا جب تک
ینقطع اصل التکلیف و ذٰلک　　　کہ تکلیف شرعی ہی کا سلسلہ ختم نہ ہو جائے اور یہ بات تو
عند قیام الساعۃ　　　اسی وقت ہو سکتی ہے جب قیامت قائم ہو جائے
(ج۴، ص ۶۴ مبطوعہ تونس)

چند سطروں کے بعد اجتہاد کی اسی قسم کے متعلق فرماتے ہیں۔

انہ لا بد منہ بالنسبۃ الی کل ناظر وحاکم ومفت بل بالنسبۃ الی کل مکلف فی نفسہ [31]	ہر غور و فکر کرنے والے کے لیے ہر حاکم ہر مفتی بلکہ ہر اس شخص کے لیے یہ ناگزیر ہے جو بذاتِ خود شریعت کا مکلف ہے۔

مثال سے اجتہاد کی اس عام ضرورت کو یوں سمجھاتے ہیں۔

فان العامی اذا سمع فی الفقہ ان الزیادۃ الفعلیۃ فی الصلاۃ سھو من غیر جنس افعال الصلوۃ او من جنسھا ان کانت یسیرۃ فمغتفرۃ وان کانت کثیرۃ فلا فوقعت لہ فی صلاتہ زیادۃ فلا بد لہ من النظر فیھا حتی یردھا الی احد القسمین ولا یکون ذلک الا باجتھاد ونظر [32]	مثلاً ایک عامی مسلمان سنتا ہے کہ نماز میں کوئی ایسا کام جو نماز سے تعلق نہ رکھتا ہو، اس کی تھوڑی مقدار تو معاف ہے اور زیادہ ہو تو معاف نہیں ہے، اب اس کے ساتھ یہ صورت پیش آتی ہے کہ نماز میں کوئی زائد از نماز کام اس سے صادر ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اس عامی کو بھی اس پر غور کرنا پڑے گا کہ اس کا فعل قلیل ہے یا کثیر دونوں قسموں میں سے کس قسم میں داخل ہے اور یہ بات اجتہاد فکر و تامل ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

علامہ الشاطبی کا اس کے بعد یہاں تک دعویٰ ہے اور بجا دعویٰ ہے کہ اگر دین میں عقل سے کام نہ لیا جائے گا تو

لم تنزل الاحکام الشرعیۃ علی افعال المکلفین الا فی الذھن [33]	تمام شرعی قوانین کا وجود صرف ذہن میں گھوم کر رہ جائے گا

انھوں نے پھر ایک منطقی قاعدہ سے اس کو سمجھایا ہے کہ شریعت نے تو ہم سے جس چیز کا بھی مطالبہ کیا ہے، مثلاً نکاح کا ایک قانون نافذ کیا گیا ہے اب یہ بات کہ زید کا جو نکاح ہوا، اس پر شریعت کا نافذ کردہ دستور نکاح پورے طور پر

Marfat.com

منطبق ہے یا نہیں، اس کا پتہ عقل کے سوا اور کس ذریعہ سے چل سکتا ہے، فرماتے ہیں۔

الافعال لا تقع فی الوجود مطلقۃ وانما تقع معینۃ مشخصۃ فلا یکون الحکم واقعا علیھا الا بعد المعرفۃ بان ھذا المعین یشملہ ذٰلک المطلق او العام فقد یکون ذلک سھلا وقد لا یکون وکلہ اجتہاد۔ [۳۳]

جتنے بھی افعال ہیں دائرہ وجود میں ان کا وقوع اطلاقی شکل میں ممکن نہیں بلکہ معین ومشخص ہی ہو کر وہ وقوع پذیر ہو سکتے ہیں اب ظاہر ہے کہ اس مطلق قانون کا انطباق اس معین شکل پر یوں ہی ہو سکتا ہے کہ اس خاص میں عام کا تحقق ہوا ہے یا نہیں یہ بات کبھی آسان بھی ہوتی ہے اور کبھی دشوار بھی اور یہ سب اجتہاد ہے۔

میرے خیال میں عقل کو مذہب میں استعمال کرنے کی یہ وہ صورت ہے کہ آدمی جب تک جانور یا مجنوں ہی نہ بن جائے اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا، مگر حسی معلومات میں یوں تو استعمال کرنے کی حد تک ہر عقل رکھنے والا اپنی عقل کو استعمال کرتا ہے، لیکن با ایں ہمہ، جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ان میں ہر شخص حکیم یا سائنٹسٹ موجد ہونے کے مقام تک نہیں پہنچتا، بجنسہٖ یہی حال ان معلومات کا بھی ہے جو ہمیں وحی ونبوت کی راہ سے ملے ہیں کہ گو ایک حد تک ان معلومات کے متعلق اپنی عقلی قوت کے استعمال کرنے پر ہر ایک مکلف اور ہر ایک مسلمان مجبور ہے لیکن ان معلومات سے ان نتائج وکلیات کا استخراج جو آدمی کو امامت اور مجتہد مطلق کے مقام پر پہنچا دے، ظاہر ہے کہ ہر عامی مسلمان کے لیے یہ بات آسان نہیں یہی وجہ ہے کہ جس طرح حسی معلومات سے حکیمانہ نتائج پیدا کر کے کوئی خاص نظام بنانے والے لوگ صدیوں اور ہزاریوں میں پیدا ہوتے ہیں اور بعد کو لوگ ان ہی "نوابغ" یا غیر معمولی شخصیتوں کی راہ پر چلتے رہتے ہیں ان ہی کے کلام کی تشریح وتوضیح کرتے رہتے ہیں، یہی حال وحی ونبوت کے معلومات کا بھی ہے اور آج آپ کے سامنے دراصل اسلام کے ان ہی مایۂ ناز بزرگوں اور

Marfat.com

ان کے محیر العقول کارناموں کی داستان پیش کرنا میرا مقصود ہے۔

عہد نبوت میں فقہ کی حالت

بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی کے ابتدائی چند سال تک اس لیے بھی کہ خود صاحب وحی مسلمانوں میں موجود تھے نیز اسلام کے حلقۂ اثر میں جو لوگ داخل ہوئے تھے ان کی تعداد بہت محدود تھی بقول جرجی زیدان

تاسست المملكة الاسلامية في المدينة في السنة الاولى للهجرة و المسلمون قليلون وكل ارض خارج من اسوار المدينة غير ارضهم و كل رجل غير الصحابة عدو لهم وحدود تلك المملكة محصورة بيثرب وبعض ضواحيها

"ہجرت کے پہلے سال میں مملکت اسلامیہ کی بنیاد مدینہ منورہ میں قائم ہو گئی، اور مسلمان اس وقت بہت تھوڑے سے تھے، زمین کا ہر وہ خطہ جو مدینہ کی شہر پناہ سے باہر تھا وہ مسلمانوں کی زمین نہ تھا، اور صحابہ کے سوا جو بھی تھا وہ ان کا دشمن ہی تھا، اس اسلامی مملکت کے حدود صرف یثرب اور بعض اس کے مفصلات تک محدود تھے"

(التمدن الاسلامی، ص ۹۳)

ظاہر ہے کہ قدرتی طور پر ایسی صورت میں حوادث و واقعات کی مختلف پیچیدہ شکلیں یوں ہی کم پیش آتی تھیں اور کبھی کبھی جو پیش بھی آجاتی تھیں تو خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس ان میں موجود تھے، باسانی صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔

در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرداں در ہمہ انواع علوم چشم بر جمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و گوش بر آواز وے می داشتند ہرچہ پیش می آمد از مصالح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہر قسم کے علم کے متعلق لوگوں کی نگاہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک پر جمی ہوئی تھیں انکے کان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لگے

Marfat.com

• جهاد و بدنه و عقد جزیه و احکام فقهیه و علوم زهدیه همه ازاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم استفسار نمودند شـ۳۵ه
ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۱۴۰

ہوتے تھے جہاد کی مصلحتوں صلح وجزیہ کا معاہدہ فقہی احکام، زہد کے متعلق علوم وغیرہ کے متعلق جو باتیں بھی پیش آتی تھیں سب کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے۔

لیکن اچانک قطعاً ایک معجزانہ شکل میں اسلام کے دائرہ اثر میں وسعت شروع ہوئی اور ٹھیک چڑھتی ہوئی دھوپ کے مانند اقطار ارض کو وہ اپنے احاطہ میں لینے لگا۔ فتوحات کے سوا وفود کا تانتا بندھا ہوا تھا جو جزیرہ حرب کے کم و بیش دس لاکھ مربع میل والی زمین کے مختلف علاقوں سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ٹڈیوں کے دل کی طرح اسی شکل میں جیسا کہ قرآن میں ہے۔

"یدخلون فی دین الله افواجاً" داخل ہوئے جاتے ہیں اللہ کے دین میں فوج فوج
(النصر ۲)

ہر طرف سے کھنچے کھنچے چلے آرہے تھے اور اسی بنیاد پر عہدِ نبوت ہی میں یہ ضرورت پیش آگئی کہ وحی ونبوت کے ذریعہ سے معلومات کا جو مجموعہ مسلمانوں کے سپرد کیا جارہا ہے اس کے کلیات کو جزئی واقعات پر صحیح طریقہ سے منطبق کرنے اور جدید حوادث ونوازل واقعات وحالات کے لیے ان ہی کی روشنی میں احکام پیدا کرنے کا کوئی نظم کیا جائے کیونکہ عربوں کی حالت جیسا کہ شاہ ولی اللہ ہی نے لکھا ہے، نزول قرآن وبعثت محمدی کے بعد یہ ہوگئی تھی

کہ گویا الیوم از شکم مادر بظهور آمده اند چه علوم رسمیه تجربیه که پیش از بعثت سید الرسل علیه وسلّم

کہ گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے باہر ہوئے ہیں کیونکہ رسمی علوم ہوں یا تجرباتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے ان کے متعلق

Marfat.com

معلوم ایشاں بود۔ ہمہ در	جو کچھ بھی ان کے معلومات تھے سب کے سب
سطوت فیوض نازلہ از جانب	ان نازل ہونے والے فیوض جو آسمان و زمین
مدبر السموات والارض جلت	کے مدبر حق تعالیٰ جلت قدرتہ کی طرف سے نازل
قدرتہ متلاشی گشتہ ودر ہر باب	ہو رہے تھے ان کی سطوت کے سامنے سارے
غیر از حکم حضرت مخبر صادقؐ	معلومات ناپید ہو کر رہ گئے اور ہر بات میں
وظیفہ ایشاں نہ بود ۳۶؎	مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سوا اور کوئی
	چیز ان کے سامنے باقی نہیں رہی تھی۔

پھر جیسا کہ میں بار بار کہتا چلا آ رہا ہوں کہ حسی معلومات دونوں کے متعلق کچھ نہ کچھ عقل سے کام لینے کی ضرورت تو ہر شخص کو پیش آتی ہے۔ لیکن ان معلومات کو پیش نظر رکھ کر باضابطہ کسی فن کا پیدا کرنا یہ ہر شخص کا کام نہیں ہو سکتا اچھے خاصے لکھے پڑھے لوگوں کے متعلق تاریخوں میں اسلامی نصوص کے سمجھنے کے جو واقعات منقول ہیں، ان ہی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کام ہر شخص کا نہیں ہو سکتا۔

کہتے ہیں کہ ایک عالم عربی زبان کے جاننے والے صاحب کو لوگوں نے دیکھا کہ وہ استنجا سے جب فارغ ہوتے ہیں تو باضابطہ وضو کر کے تین رکعتیں وتر کی لزوماً ادا کرتے ہیں آخر کسی نے دریافت کیا کہ یہ نماز جو تم پڑھتے ہو کیا ہے، بڑے غصہ میں آپ نے جواب دیا کہ لوگوں کو حدیث کا علم نہ ہو تو میں کیا کروں، دریافت کیا گیا کہ حدیث کیا ہے، مشہور حدیث

من استجمر	جو استنجا میں ڈھیلا استعمال کرے چاہیے کہ
فلیوتر ۳۷؎	طاق عدد استعمال کرے۔

آپ نے پڑھ کر سنائی، صحاح کی کتابوں سے نکال کر اسے دکھایا، حالانکہ ان کو مغالطہ صرف یہ لگا کہ "فلیوتر" جس کا ترجمہ ہے طاق عدد میں کلوخ آدمی استعمال کرے

Marfat.com

اسی فلیوتر کا ترجمہ یہ سمجھ لیا گیا کہ وتر کی نماز پڑھے

اسی قسم کا مشہور لطیفہ یہ بھی ہے کہ ایک صاحب جمعہ کی نماز سے پہلے سر منڈانے یا اصلاح کرانے سے ہمیشہ احتراز کرتے تھے دریافت سے وجہ معلوم ہوئی کہ مشہور حدیث

لا تتخذوا الحلق قبل صلوٰۃ الجمعۃ[۳۸] نماز جمعہ سے پہلے حلقے بنا کر نہ بیٹھا کرو۔

میں "الحلق" سے حلقہ بنا کر بیٹھنا مقصود ہے۔ اسی سے منع کیا گیا ہے، سر گھٹانا اسی "الحلق" کا ترجمہ سمجھ لیا گیا۔ ایک اور محدث کا واقعہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں مذکور ہے کہ مشہور حدیث

لا تتخذوا الروح عرضا کسی جاندار شے کو نشانہ نہ بناؤ

کو آپ "لا تتخذوا الروح عرضا" پڑھاتے رہے اور مطلب یہ بتلاتے رہے کہ ہوا آنے کی جگہ کو کشادہ نہ بنایا کرو۔ ان عام لطائف کے سوا صحیح حدیثوں میں عہد صحابہ کے متعدد واقعات اسی سلسلے میں نقل کیے جاتے ہیں کہ ایک صحابی نے قرآن کی آیت روزہ کی سحری کے متعلق

حتی یتبین لکم الخیط تا آں کہ سفید تاگا سیاہ دھاگے سے الگ
الابیض من الخیط الاسود (البقرۃ ۱۸۷) ہو جائے۔

کا مطلب یہ خیال فرمالیا کہ مراد اس سے دو سیاہ اور سفید دھاگے ہیں، اور ان ہی دونوں دھاگوں کو لے کر تکیے کے نیچے سویا کرتے لیکن اس ذریعہ سے کچھ پتہ نہ چلا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا

ان وسادتک لعریض تمہارا تکیہ تو بڑا چوڑا ہے۔

یعنی اس سے مراد تو رات کی سیاہی اور صبح کا سپیدہ ہے، تم نے ان دونوں کو اپنے تکیہ کے نیچے دبا لیا تو گویا تمہارا تکیہ بڑا چوڑا ہے کہ شب کی تاریکی اور صبح کی

Marfat.com

پیدی بھی اس میں سما جاتی ہے۔ ان ہی صحاح کی کتابوں میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بھی مذکور ہے، ان کو یہ معلوم تھا کہ پانی نہ ملے تو وضو کی جگہ تیمم کر لیا جائے، لیکن غسل کی صورت میں اگر پانی نہ ملے تو آدمی کیا کرے اس کا علم نہ تھا، سفر میں غسل کی حاجت ہوئی تو وضو والے تیمم پر قیاس کر کے خود بیان فرماتے تھے کہ

فتمرغت فی الصعید — مٹی میں اس طرح میں نے لوٹ لگائی جیسے

کما تمرغ الدابۃ — جانور لوٹ لگاتے ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اس اجتہاد یعنی "تمرغ" یا تمعک کا حال بیان فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا کہ

انما یکفیك ان — تمہارے لیے یہ کافی تھا کہ بس ایسا کرتے (یعنی

تصنع ھکذا — وضو والے تیمم کی طرح ہاتھ مار کر اشارہ فرمایا)

مطلب وہی تھا کہ جو وضو والا تیمم ہے، وہی غسل کے لیے بھی کافی تھا، زمین میں سارے بدن سمیت لوٹنے پوٹنے کی ضرورت نہ تھی۔

اور ان چند واقعات و لطائف کا ذکر تو میں نے تشریحی مثالوں کی حیثیت سے کیا، ورنہ اپنے حسی معلومات سے جیسے ہر شخص ان نتائج کو نہیں نکال سکتا، جہاں تک حکماء اور ائمہ حکمت و سائنس کی نگاہیں پہنچتی ہیں، جب انسانی فطرت کا یہ کھلا ہوا روزمرہ کا تجربہ ہے تو وحی و نبوت کے معلومات کے نتائج و تفریعات تک ہر شخص کی نگاہ کیسے پہنچ سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ابتداء ہی سے اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کو واجب قرار دیتے ہوئے "الامر" یعنی حکم دینے کی جن میں صلاحیت ہو ان کی اطاعت کو بھی قرآن کا منصوص مسئلہ اس مشہور آیت میں قرار دے دیا یعنی

Marfat.com

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (النساء - ۵۹)

فرمانبرداری کرو اللہ کی، اور فرمانبرداری کرو رسول کی، اور تم میں جو الامر والے ہوں

ظاہر ہے کہ اسلام جو صرف نظم و ضبط کا ایک دین ہے، جس میں دو آدمی کو بھی سفر کرتے ہوئے اس کی اجازت نہیں کہ ہر ایک اپنی اپنی مرضی کا پابند ہو بلکہ حکم ہے کہ آپس میں دو آدمی بھی ایک کو آمر (حکم دینے والا) اور دوسرے کو مامور بنا کر سفر کریں۔ خیال کیا جا سکتا ہے کہ جس کے سامنے اپنا عالمگیر مستقبل تھا وہی اسلام مسلمانوں کو ایک ایسی حالت میں کیسے چھوڑ دیتا کہ جس کے جو جی میں آئے قرآن و حدیث سے سمجھ لے اور جس قسم کا فیصلہ چاہے کر لے، اللہ اللہ اگر اس کی اجازت دے دی جاتی تو یہ واقعہ نہیں ہے کہ جس طرح ہر شخص کی صورت بلکہ ہر شخص کی آواز دوسرے سے مختلف ہے، اسی طریقہ سے اپنی شخصی خصوصیتوں کی بنا پر ہر مسلمان کا ایک نیا مذہب ہوتا، گویا چالیس کروڑ مسلمانوں کی نمازیں چالیس کروڑ شکلوں کی ہوتیں اتنے سخت نظم کے بعد بھی جسکا اسلام نے انتظام کیا ہے جب اختلافات کا یہ حال ہے کہ بسا اوقات بعض کور بختوں کے دلوں میں اسلام سے گرانی کی وجہ مسلمانوں کے یہی مذہبی اختلافات بن گئے ہیں۔ اگرچہ ان کی یہ گرانی قطعاً بے معنی ہے جس کی تفصیل ابھی سنائی جائے گی، لیکن آج جو چاہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے سمجھنے میں ہر مسلمان کو خواہ عربی بھی نہ جانتا ہو، اس کی شکل چونکہ انسانوں کی شکل ہے اسے خواہ فکر و نظر، تعقل و تفقہ کی ہوا بھی نہ لگی ہو لیکن چونکہ وہ مسلمان ہے اس لیے اسے آزاد ہونا چاہیے کہ جو چاہے قرآن سے مطلب نکالے اور جس طرح احادیث و سنن کے مقاصد چاہے متعین کرے، ان سے نتائج کا استنباط کرے۔ دین تو بہرحال دین ہی ہے لیکن دنیا کے معاملات میں بھی اسلام کا نقطۂ نظر جب یہ ہو یعنی امن و خوف کی خبروں میں بھی عام آزادی کے استعمال کا تذکرہ

Marfat.com

ان الفاظ میں کرنے کے بعد

واذا جاءھم امر من الامن او الخوف	اور جب آتی ہے کوئی بات خوف اور امن
اذاعوا بہ (النساء - ۸۳)	کی تو پھیلا دیتے ہیں اس کو

قرآن حکم دیتا ہے کہ

ولو ردوہ الی الرسول والی اولی	اگر سپرد کر دیں اسکو رسول اور امر والوں کے ساتھ
الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ	تو جان لیں گے اصل حقیقت کو وہ لوگ جو ان
منھم (النساء - ۸۳)	میں بات سے استنباط کا سلیقہ رکھتے ہیں

جس کا مطلب وہی ہے کہ خوف کی خبر ہو، یا امن کی ہر حال میں عام مسلمانوں کو حق نہیں ہے کہ سننے کے ساتھ ہی اسے پھیلا دیں، بلکہ ان کا فرض مقرر کیا جاتا ہے کہ "الرسول" تک پہنچا دیں، اور "الرسول" نہ ہوں تو پھر "امر" والوں کو خبر کریں، غور کرنے کی بات ہے کہ الخوف میں تو خیر اس کا بھی اندیشہ ہے کہ جنگ وغیرہ کی خبروں کی اشاعت سے نقصان پہنچ جائے، لیکن الامن کی خبروں میں بھی قرآن کا جب یہ نقطۂ نظر ہے تو پھر دین جس کا معاملہ دنیا کے خوف و امن دونوں سے اہم ہے اس میں ہر شخص کو شتر بے مہار بنا کر کیسے چھوڑا جا سکتا تھا۔

الامر والوں کا مطلب

گزشتہ بالا آیت میں اس سوال کا جواب کہ "امر" والوں سے کیا مراد ہے، خود قرآن نے دے دیا ہے یعنی امن و خوف کی خبروں اور جو معلومات اس باب میں حاصل ہوں ان سے صحیح نتائج پیدا کرنے کا جن میں سلیقہ ہو ان ہی کو وہ "الامر" کا حق دیتا ہے یعنی حکم دینے کے وہی مجاز ہیں اور جب امن و خوف کے معلومات کے متعلق امر والے یہی لوگ ہیں تو اللہ و رسول کی اطاعت جس کام کے لیے واجب کی گئی ہے یعنی دین میں بھی امر کا حق ان ہی لوگوں کو ہو سکتا ہے جن میں وحی و نبوت

Marfat.com

کے معلومات سے صحیح نتائج پیدا کرنے کا سلیقہ ہو اور یہ بھی سچ پوچھئے تو ایک قدرتی بات ہے کہ زندگی کی ہر شاخ میں حکم وامر کا قدرتی استحقاق ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اس سلسلہ کے معلومات سے صحیح نتائج پیدا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں آخر طب میں انجینئری میں یا ازیں قبیل تمام شعبہائے حیات میں "اکسپرٹ" "فن کار" "فن داں" "ماہر" "حاذق" ہی کو امر اور حکم کا حق کیوں دیا جاتا ہے، وہی فطری وجہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کے چہرے پر آدمی کی کھال مڑھی ہوتی ہے اس کا زندگی کے ہر شعبہ کے متعلقہ معلومات سے صحیح نتائج کا پیدا کرنا غیر ضروری ہی نہیں بلکہ یہ توقع قطعاً غلط اور غیر فطری ہوگی "کتاب عبقات" میں جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے اس میں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اس موقعہ پر خوب فرمایا ہے۔

ان النفس وان کانت تستعمل	ہر قوت کے ساتھ جو کام وابستہ کیا گیا ہے اگرچہ آدمی کا
کل قوۃ فی ما انیط بہا، الا	نفس اس قوت کو اسی کام میں استعمال کرتا ہے، لیکن
ان لاستعمالہا نحوین	استعمال کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ تو یہ ہے کہ
الاول ان تستعملہا فی ضمن	دیگر مختلف کاروبار کے ذیل میں اسے استعمال
تضاعیف اشتغالہا	کرے مثلاً جو عوام کا حال ہے کہ فکری قوت کو کمانے
بمشاغل متشتتۃ کما ان	پہننے لباس اور محسوسات یا خیالی امور کی دلچسپیوں کے
العوام یستعملون المفکرۃ فی	ذیل میں استعمال کرتے ہیں، اسی پر نفس کی دوسری
ضمن اشتغالہم بالماکل	قوتوں کے ضمنی استعمال کو قیاس کرکے سمجھو، بہرحال
والمشارب والملابس و	استعمال کے اس طریقے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام نفس
المحسوسات والمخیلات و	کی قوت کے نتائج سے اسی حد تک بہرہ ور ہوتے
قس علیہ سائر القوی فلا	ہیں جسے قدر ضروری قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان
یظفرون الا بقدر ما	قوتوں کے استعمال کا ایک اور دوسرا طریقہ بھی ہے اور وہ

Marfat.com

يحتاجون اليه من افاعيلها
والثاني ان تتفرغ لتكميل
تلك القوة وتستقل
النظر الى ما تفيض بها
وتتجرد بملاحظة فنونها
وشعبها كتفرغ الفلاسفة
بتكميل العاقلة والشعراء
بتكميل المخيلة واهل
الصنائع الدقيقة و
أل الرياضات الشاقة
بتكميل المحركة وقس
عليه سائر القوى
فحينئذ يتسع دائرة آثارها
عليها اشد الاتساع
ويقع فيها بسط. اى
بسط الم تر الى الفرق
بين علوم العوام من اهل
الشوق وبين الفلاسفة
المدققين ۹ لـه

یہ ہے کہ جس قوت کا ابھارنا مقصود ہو ہر چیز سے الگ ہو کر آدمی اسی قوت کی تکمیل میں غرق ہو جائے اور جو نتیجہ اس سے برآمد ہو اس پر پوری توجہ مبذول رکھے اور اسکی مختلف شاخوں اور شعبوں میں اپنے آپ کو فنا کر دے مثلاً فلاسفہ اپنی عقلی قوت کے ساتھ جو برتاؤ کرتے ہیں، یا خیالی قوت کے ساتھ شاعروں کو جو تعلق ہوتا ہے یا قوتِ محرکہ عملیہ کی مشق سے دقیق صناعات والے یا سخت ورزش یا محنت کرنے والے کام لیتے ہیں، اسی پر دوسری قوتوں کے اس طریقۂ استعمال کو قیاس کرو، استعمال کی دوسری شکل یہ ہے نفسانی قوت کے آثار و نتائج اور ان کے کاروبار کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے اور بہت زیادہ وسیع، اس میں فراخی پیدا ہوتی ہے اور کیسی فراخی و کشادگی۔

آخر تم ان لوگوں کے علوم پر جن کا تعلق عوام سے ہے غور کرو کہ صرف معمولی شوق و توجہ کی بنیاد پر علم سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان ہی کے مقابلہ میں ان دقیقہ سنج نکتہ شناس فلاسفہ کے علوم کا اندازہ کرو کیا دونوں میں کوئی نسبت ہے؟

اور یہ ایک ایسی کھلی ہوئی واضح حقیقت ہے جو دین اور دنیا دونوں کو حاوی ہے آج جبکہ ہر بدیہی مسئلہ کو نظری بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے کوئی کیا کہہ سکتا

Marfat.com

ہے، ورنہ اسلام کو ضبط و نظم کے اس سلسلہ میں اس حد تک اصرار تھا کہ "خطبہ" اور "وعظ" جس میں عموماً قانونی مسائل بیان کیے جاتے ہیں اس کے متعلق بھی عام اعلان کر دیا گیا تھا۔

لا یخطب الّا امیر او مامور ۔ تقریر نہیں کرتا ہے لیکن وہ جو خود صاحب امر ہے یا صاحب

او مختال فخور ئه امر کا اجازت یافتہ ہے، یا جاہ پرست مغرور آدمی۔

مگر دنیا کے ہر معاملہ میں ماہرینِ فن کی رائے کا اعتبار کرتے ہوئے محض دین کو آزادی فکر و رائے کی خوب صورت تعبیر سے کیا بازیچۂ اطفال بنا لیا جائے گا۔ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے جو اس کا اندیشہ ظاہر فرمایا تھا وہی آخر ہو کر رہا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بخاری میں یہ حدیث مروی ہے۔ گویا آج جو کچھ دکھایا جا رہا ہے اسی کو وقوع سے پیشتر دیکھ لیا گیا تھا، حدیث یہ ہے۔

انّ اللہ لا یقبض العلم	عمرو بن عاص کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلّی اللہ
انتزاعاً ینتزعہ من العباد و	علیہ وسلّم نے علم لوگوں سے یکایک چھین نہیں لیا
لکن یقبض العلم	جائیگا بلکہ علم والے اٹھا لیے جائیں گے اس وقت
بقبض العلماء حتی اذا	علم بھی اٹھ جائیگا اور لوگوں کے سردار صرف جاہل
لم یبق عالماً اتخذ الناس	لوگ رہ جائیں گے جو فتوے دیں گے جانے بغیر
رؤوساً جھالا فسئلوا فافتوا	پھر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کی بھی راہ
بغیر علم وضلّوا واضلّوا له	ماریں گے

"العلماء" سے اس حدیث میں وحی و نبوت کے معلومات کے جاننے والے اور ان سے صحیح نتائج کے استنباط کرنے والے نفوس مراد ہیں، بخاری کی اس روایت کے ایک اور طریقہ میں ان الفاظ کا اضافہ بھی پایا جاتا ہے یعنی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ

Marfat.com

ان اللہ لا ینزع العلم بعد اذ اعطاکموہ انتزاعًا (الحدیث)

یقیناً اللہ تم لوگوں کو عطا فرمانے کے بعد علم کو چھین نہیں لے گا

جس کا کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ "العلم" سے مراد یہاں وہی علم[1] ہے جو آخری نبوت کی راہ سے مسلمانوں کو عطا کیا گیا ہے، اطلاع دی گئی ہے کہ اسی علم کے علما اور جاننے والے بتدریج اُٹھتے چلے جائیں گے اور گو زندگی کے ہر شعبہ میں اس شعبہ کے علما اور ماہرین کی قدرتی ضرورتوں سے آدمی اپنے آپ کو کبھی بے نیاز نہ پائے گا لیکن باوجود اس کے

---

[1] یہ بات کہ جن علوم کا تعلق وحی و نبوت سے بالواسطہ یا بلاواسطہ نہیں ہے، اسلام کا نقطۂ نظر ان کے متعلق کیا ہے بالکل جداگانہ سوال ہے ایک طرف اگر آنحضرتؐ ہی سے مروی ہے کہ

اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع۔

اے اللہ میں ایسے علم سے جس سے نفع نہ ہو پناہ چاہتا ہوں۔

تو ظاہر ہے کہ جس علم سے انسانیت اور اس کے صالح عناصر برباد ہوتے ہوں ان کا کیا حال ہو سکتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ایرانیوں کی جنگی تدبیر خندق کو خود کھود کر اور اپنے صحابیوں سے کھدوا کر یا منجنیق و دبابہ کے استعمال کے لیے صحابیوں کو تیار کرنا اور طائف میں غیر قوموں کے اس طریقہ جنگ کو اختیار کرنا، ایرانی سراویل (شلوار) کو بازار میں دیکھ کر عرب کے ازار (لنگی) پر اسے ترجیح دینا، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سریانی زبان و خط کے سیکھنے کا حکم دینا۔ ایسے بیسیوں نمونے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے چھوڑے ہیں جن سے ان علوم کے سیکھنے سکھانے کی یقیناً ہمت افزائی ہوتی ہے جن سے موجودہ زندگی کے کسی شعبہ میں سہولت مہیا ہوتی ہو، مگر یہ ایک بالکلیہ جداگانہ چیز ہے، لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ بلاوجہ پیغمبر کی ان حدیثوں میں بھی جن میں سب جانتے ہیں اور قرائن و حالات، سیاق و سباق کا بھی ان حدیثوں کے بھی اقتضا ہے کہ علم سے مراد علم دین ہے لوگ ان علوم پر ان کو منطبق کرنے کی جرأت کر رہے ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

Marfat.com

صرف اس علم کے متعلق رائے دینے کی آزادی کا اعلان کر دیا جائے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دنیا کو عطا کیا گیا ہے اور آزادی کے اسی اعلان کے بعد

یفتونھم بغیر علم	لوگ فتوے دیں گے جانے بغیر پھر خود گمراہ
فیضلون و یضلون	ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے ۔

کی پیشین گوئی پوری ہوگی۔

شاید اسی کا تماشا ہے جو آج دیکھا جا رہا ہے کاش نہ دیکھا جاتا، لیکن جو کہا گیا تھا بہر حال اس کو بھی تو کسی طرح پورا ہونا ہی تھا بہر حال جس خدا نے

"ھو الذی ارسل رسولہ	وہی ہے جس نے اپنے رسول کو "الھدیٰ" اور
بالھدیٰ و دین الحق	دین حق" کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ غالب کر دے
لیظھرہٗ علی الدین کلہ و	(اس الھدیٰ اور دین الحق) کو سارے دین پر سب
کفیٰ باللہ شہیداً (الفتح ۲۸)	پر اور کافی ہے خدا نگرانی کے لیے

کا اعلان کیا تھا یقیناً اپنے پیغمبر کے سامنے اس نے کسی عظیم مستقبل کے نظام کو وقوع سے پہلے کسی نہ کسی شکل میں ضرور ظاہر کر دیا تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وقتاً فوقتاً اس طرف اشارے فرماتے تھے، خندق کے پتھر اکھاڑنے کے وقت بھی وہ دیکھا جا چکا تھا جو بعد کو دیکھا گیا، بخاری اور مسلم جیسی صحیح حدیثوں کی کتابوں میں ہے کہ الارض (کرہ زمین) کے مفاتیح (کنجیوں) کے متعلق پیغمبر نے فرمایا کہ وہ مجھے عطا کی گئی ہیں، ان ہی کتابوں میں ہے کہ زمین کے خزائن بھی آپ پر کھولے گئے، مشرقی قوتوں کے اقتدار اعلیٰ (کسرای) اور مغربی قوتوں کے اقتدارِ اعلیٰ (قیصر) کی ہلاکت کی پیشین گوئی بھی کی جا چکی تھی اور ایسی بیسیوں چیزیں موجود ہیں جن سے بطور قدر مشترک کے تواتر و قطعیت کی شکل میں یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام نے آئندہ جس عظیم عالمگیر سیاسی قوت

Marfat.com

کبریٰ کی شکل کرۂ زمین پر اختیار کی وہ ایک دیکھی بھالی طے شدہ حقیقت تھی، اس کو صحابہ بھی جانتے تھے، وہی صحابہ جو اسلام پر دنیا کے آخری دین اور عالمگیر پیغام الٰہی کی شکل میں ایمان لا چکے تھے خود بھی تو سوچنا چاہیے کہ وہ اس کے سوا آخر کوئی دوسرا خیال ہی کیا قائم کر سکتے تھے، یہ بات کہ ان کا یہ خیال پورا ہو گا یا نہ ہو گا، یا آئندہ جو پورا ہوا، آیا یہ اتفاقی حادثہ تھا جو بنا گیا تھا وہی دکھایا جا رہا تھا۔ یہ سارے وسوسے دوسروں میں تو پیدا ہو سکتے تھے یا اب بھی پیدا ہو سکتے ہیں لیکن ان کا تو یہی ایمان تھا، یہی ایقان تھا، بہرحال وہ پیش آتا یا نہ آتا لیکن جو یقین کر چکے تھے کہ یہی ہو گا اور یہی ہو کر رہے گا ان کے سامنے اسلام کی پیش آنے والی وسعت دامانیوں کی ناگزیر آئینی اور قانونی ضرورتوں کا کوئی خیال نہ تھا، کیا یہ بات عقل میں سما سکتی ہے؟

حال تو یہ ہے کہ اسلامی دائرہ کی وسعت حالانکہ ابھی جزیرۂ عرب سے آگے نہیں بڑھی ہے، نبوت ہی کا زمانہ ہے، لیکن جس حد تک اسلام کی دینی و اسلامی حد وسیع ہو چکی تھی ان ہی علاقوں کے مختلف اطراف و نواحی میں عجیب و غریب نادر شکلوں کے وقوع پذیر ہونے کا تجربہ شروع ہو گیا تھا ایسی شکلیں کہ آج بھی جب کتابوں میں ہم ان کا ذکر پڑھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے۔

زبیہ کا واقعہ

مثلاً وہی "الزبیہ" کا حادثہ ہے، زبیہ یمنی زبان میں اس شکاری خندق یا گڑھے کو کہتے ہیں جو عموماً شیر وغیرہ جیسے درندوں کو پھنسانے کے لیے جنگلوں میں کھودے جاتے ہیں، قصہ یہ ہے کہ یمن کے ایک مخلاف (صوبہ) کے والی (گورنر) حضرت علی کرم اللہ وجہہ مقرر ہو کر تشریف لے گئے تھے، آپ کے سامنے ان ہی دنوں میں ایک مقدمہ یہ بھی پیش ہوا کہ زبیہ میں ایک شیر پھنسا اطراف و جوانب کے تماشا بینوں کا ایک مجمع اس زبیہ کے دہانے پر جمع ہو گیا، شیر اسی خندق یا

Marfat.com

کنویں میں پڑا غرار ہا تھا، تماشہ دیکھنے والوں میں سے کسی پر ہیبت طاری ہوئی، بدحواسی میں پاؤں پر قابو نہ رہا اور پھسل کر خندق میں وہ گرنے لگا، بازو میں اس کے ایک آدمی کھڑا تھا بے اختیاری میں اسی کو گرنے والے نے پکڑ کر سہارا لینا چاہا۔ اب یہ بیچارہ بھی اس کے ساتھ چلا، اس دوسرے نے تیسرے کو تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا اور چاروں کے چار ایک ساتھ کنویں میں جا گرے۔ بیچاروں کا جو حشر ایسی صورت میں ہو سکتا تھا ظاہر ہے۔ بھوکے غضب ناک شیر نے سب کی تکہ بوٹی کر کے رکھدی۔

مسئلہ کی جو صورت ہے اس میں قاتل و مقتول کا سوال تو پیدا نہیں ہو سکتا تھا کہ سب ہی کا انجام ایک تھا۔ لیکن کسی مقتول کا خون اسلام میں چونکہ مفت ضائع نہیں ہو سکتا بلکہ جس خاندان کا مقتول رکن ہوتا ہے اس کو حکومت مالی معاوضہ دلاتی ہے، اسی کی تعبیر قانونِ دیت یا خون بہا یعنی خون کی قیمت سے فقہ میں کی گئی ہے، خون کی یہ قیمت قاتل ہی سے نہیں بلکہ قاتل کے متعلقین سے ان پر چندہ بٹھا کر قسط وار وصول کی جاتی ہے جن لوگوں پر چندہ بٹھایا جاتا ہے ان ہی کا اصطلاحی نام "العاقلہ" ہے مسئلہ کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں پڑھنا چاہیے اس وقت میری غرض صرف ایک نادر الوقوع حادثہ کو بطور مثال پیش کرنا تھا، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس مقدمہ پیش ہوا اور سوال اٹھا کہ ان چاروں میں سے کسے قاتل اور کسے مقتول قرار دیا جائے اور خون کے معاوضہ کی نوعیت کیا قائم کی جائے، یہ معاوضہ کن لوگوں سے وصول کیا جائے۔

سوال یقیناً پیچیدہ تھا، لیکن اسلام نے ان حوادث پر حکم لگانے کا جو ایک دروازہ اجتہاد و قیاس کے نام سے کھول دیا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی راہ سے فیصلہ فرمایا۔ فیصلہ کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جب پہنچی تو ارشاد ہوا۔

Marfat.com

ھو کما قال — فیصلہ وہی ہے جو علیؓ نے کہا

اور یہ صرف ایک ہی واقعہ نہیں ہے، ان چکرا دینے والے قانونی یا شرعی مسائل کا ایک ذخیرہ کتابوں میں محفوظ ہے جو عہد نبوت اور عہد صحابہ میں پیش آئے۔

اسی ضرورت کا اسلامی حل اور اولوالامر کے پیدا کرنے کا نظام

پس یہی ناگزیر ضرورت یعنی وحی و نبوت کے معلومات کے استعمال صحیح اور ان سے آئندہ پیش آنے والے واقعات و حوادث کے متعلق جدید نتائج و احکام کو صحیح اصول پر مستنبط کرنا اور اسی کے مطابق امر و حکم دینے کی واقعی صلاحیت و قابلیت ماہرانہ لیاقت و استعداد پیدا کرنے کے لیے قرآن میں حق تعالےٰ نے

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (التوبہ ۱۲۲)

پھر کیوں نہ چل پڑا ہر فرقے سے ایک گروہ "الدین" میں سمجھ پیدا کرنے کے لیے تاکہ چوکائیں اپنی قوم کو وہ لوگ جب پلٹ کر آئیں انکے پاس شاید کہ وہ (ناکردنیوں سے) بچیں

کی آیت نازل فرما کر "تفقہ فی الدین" پیدا کر کے امر و حکم کے صحیح استحقاق حاصل کرنے والوں کے لیے اسلام میں ایک مستقل باب کا افتتاح فرما دیا۔ حتیٰ کہ اسی نص محکم سے جو دراصل قیامت تک پیش آنے والی دینی و قانونی ضرورتوں کے حل کی اساسی بنیاد ہے۔ حافظ ابن حزم اندلسی اسی آیت کی روشنی میں اپنی کتاب الاحکام میں اسی آیت کو پیش کر کے لکھتے ہیں۔

فرض علی کل جماعۃ مجتمعۃ فی قریۃ او

مسلمانوں کی جماعتیں خواہ وہ کسی گاؤں میں یا کسی بازار یا کسی بدوی منزل یا قلعہ میں جہاں کہیں بھی اکٹھی ہو کر

Marfat.com

وسكرة وهي المحشرة عندنا
او حلة اعراب او حصن
ان ينتدب منهم لطلب
جميع احكام الديانة اولها
عن اخرها ويتعلم القران كله
والكتاب وكل ما صح عن
النبي صلى الله عليه وسلم عن
احاديث الاحكام اولها عن
اخرها وضبطها بنصوص الفاظها
وضبط كل ما اجمع عليه المسلمون
وما اختلفوا فيه ..... ففرض
عليهم الرحيل الى حيث
يجدون العلماء المحتوين على
صنوف العلم وان بعدت
ديارهم ولو انهم بالصين [۴۲]

آباد ہو جائیں ان پر فرض ہے کہ ان میں کچھ لوگ مذہب اور دیانت کے تمام احکام کے طلب و تلاش و تحصیل کے لیے آمادہ ہو جائیں یعنی اول سے آخر تک مذہب کے تمام مسائل کو سیکھیں، ان کو چاہیے کہ پورے قرآن کی تعلیم حاصل کریں اور احکام کی حدیثوں میں جو صحیح ثابت ہو چکی ہیں ان کی کسی کتاب کو پڑھیں، اول سے آخر تک، چاہیے کہ ان حدیثوں کے ہر ہر لفظ کو ضبط کریں نیز مسلمانوں کا جن مسائل پر اجماع و اتفاق ہے ان کا بھی علم حاصل کریں اور جن میں لوگ مختلف ہیں، ان کا بھی۔

بہر حال ان پر واجب ہے سفر کرنا ان علاقوں کی طرف جہاں مختلف علوم و فنون کے ماہرین مل سکتے ہیں خواہ یہ علاقے ان کے ملک سے دور ہی کیوں نہ ہوں، حتیٰ کہ چین ہی میں علماء کا یہ طبقہ کیوں نہ رہتا ہو۔

اسی آیت کی ذیل میں وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جس طرح ہر اجتماعی طبقہ سے کسی نہ کسی کو اس کام کے لیے مستعد ہو جانا فرض ہے۔ یوں ہی

فرض على جميع المسلمين
ان يكون في كل قرية
او مدينة او حصن من يحفظ
القران كله ويعلمه الناس

تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان کے ہر گاؤں، ہر شہر یا قلعہ میں ایسے آدمی ہوں جنہیں پورا قرآن یاد ہو اور لوگوں کو وہ قرآن سکھاتا ہو اور پڑھاتا ہو یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی اپنی آبادیوں میں ایسے پڑھانے والوں

Marfat.com

ویفقر ثے ایا ھم۔ کو مہیا کریں)۔

بہر حال وہی ضرورت یعنی وحی و نبوت کے ان آخری علوم کے مطابق الامر اور حکم دینے کا دروازہ رہتی دنیا تک ہر اس شخص کے لیے کھلا رہے جو اپنے لیے اسلامی نظام کے تحت زندگی گزارنے کا فیصلہ کر چکا ہو، قرآن میں یہ واجب اور فرض قرار دیا گیا کہ ہر فرقہ اور ہر جماعت سے ایک گروہ وحی و نبوت کے ان معلومات کی سمجھ اور ان میں تفقہ پیدا کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس خطاب کے پہلے مخاطب اور اس فرض کے پہلے مکلف وہی حضرات ہو سکتے تھے جنہیں ہم مسلمانوں کا پہلا قرن یا پہلا طبقہ سمجھتے ہیں، میری مراد صحابہ کرام اور عہدِ نبوت کے مسلمانوں سے ہے اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے اپنے خاص رجحانات اور فطری مناسبتوں کے ساتھ صحابہ میں کچھ لوگ اس فریضہ قرآنی کے انجام دہی کے لیے آمادہ ہو گئے۔

فقہ اسلامی کے پہلے معلم
(صلی اللہ علیہ وسلّم)

ظاہر ہے کہ دین میں تفقہ پیدا کرانے یا وحی و نبوت کے معلومات کے متعلق سوجھ بوجھ پیدا کرانے کا پہلا کام جس ہستی سے متعلق ہو سکتا تھا وہ خود سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تھی قرآن پاک میں

یعلمھم الکتاب والحکمۃ سکھاتے ہیں (پیغمبر ان مسلمانوں کو) الکتاب اور الحکمت۔ (البقرہ۔ ۱۲۹)

ہی آپ کا فریضہ قرار دیا گیا تھا۔ محض اس لیے کہ سیکھنے والوں میں سے ایک صاحب حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب آئے تو کسی خاص وجہ سے جتنی توجہ کا ایک طالب العلم مستحق ہو سکتا ہے چونکہ بارگاہ نبوت سے اتنی توجہ ان کی طرف مبذول نہ ہوئی، سب جانتے ہیں کہ صرف اسی لیے قرآن میں پیغمبر کو خطاب کر کے

Marfat.com

فرمایا گیا ہے کہ

عبس و تولّٰی ان جاءہ الاعمٰی	منہ کڑھالیا (پیغمبر نے) اور اعراض کیا اندھے کے
وما یدریك لعلہ یزکی او یذکر	آنے پر اور کس نے بتایا کہ وہ پاکیزگی حاصل کریگا یا
فتنفعہ الذکری (عبس۔ ۱)	نصیحت سنے گا پھر نصیحت اسے فائدہ نہ پہنچائے گی

اسی کے ساتھ

واما من جاءك یسعی وھو	مگر جو دوڑا ہوا آیا حالانکہ وہ ڈرتا ہے تو تم نے
یخشی فانت عنہ تلہی	اس سے بے پروائی برتی۔

(عبس۔ ۹)

کی آیتیں نازل ہوئیں اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے متعلق یہ اعلان کرنا پڑا کہ

انما بعثت معلما (صحاح) میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچنے کے ساتھ ہی مسجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اسی مسجد میں "صفہ" کے نام سے ایک باضابطہ تعلیم گاہ کا افتتاح فرمادیا تاکہ علاوہ اس عام دعوت و تبلیغ کے جو ہر شخص کے لیے عام تھی دین کے مختلف شعبوں میں تفقہ اور سوجھ بوجھ پیدا کرنے کا ان لوگوں کو موقع دیا جائے جو ان شعبوں میں سے کسی شعبہ میں یا چند شعبوں میں امر اور حکم دینے کا جائز استحقاق حاصل کرسکیں صفہ جو مسجدِ نبوی کا ایک مشہور تعلیمی ادارہ تھا۔ اگرچہ اس ادارے کا ایک استعمال یہ بھی تھا کہ نومسلموں میں جن لوگوں کے رہنے سہنے کا نظم نہ تھا ان کی وہ سکونت گاہ تھی۔ لیکن اس سے زیادہ جو کام اس ادارہ سے عہد نبوت میں لیا جاتا تھا وہ زیادہ تر دین کے مختلف شعبوں کی تعلیم و تعلیم ہی کا کام تھا، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوت کی اس تعلیم گاہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد بیک وقت

Marfat.com

کبھی کبھی اسی پچاسی تک پہنچ جاتی تھی۔ بخاری میں ہے کہ صرف انصار میں سے ستر آدمیوں نے اس میں داخلہ حاصل کیا تھا۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔

سبعین من الانصار	ستر آدمی انصار میں تھے جنھیں ہم ان کے زمانے
کنا نسمیھم القراء فی	میں "القرآء" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ یعنی یہ
زمانھم۔	پڑھے لکھے تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔

اسی روایت کا دوسرا جز جس سے ان لوگوں کے بسر اوقات کے ذرائع کا بھی پتہ چلتا ہے، یہ ہے

کانوا یحتطبون بالنھار و	یہ لوگ دن کو لکڑیاں چنتے تھے جسے بیچ کر پھر
یشترون بہ الطعام لاھل	اس سے کھانا خریدتے تھے، صفہ والوں کے
الصفۃ ویتدارسون القرآن	لیے اور رات کو باہم مل کر قرآن پڑھا کرتے
باللیل ویتعلمون	تھے اور علم سیکھتے تھے۔

۴۳

دوسری روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً مختلف شکلوں میں صفہ میں شریک ہونے والوں کی امداد ہوتی تھی۔

بہرحال صفہ کی تعلیم گاہ میں شریک ہونے والوں کا ایک تو عام گروہ تھا جن کا مقصد معمولی نوشت و خواند، قرآن پڑھنا، نماز سیکھنا، عام معمولی اسلامی مسائل سے واقف ہونا تھا۔

لیکن اسی کے ساتھ جیسا کہ آئندہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ مختلف رجحانات اور فطری مناسبتوں کا اندازہ کر کے مخصصین کی ایک جماعت بھی صحابہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھی۔

ابھی تو مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ "تفقہ فی الدین" کے قرآنی مطالبہ کی تکمیل کے

Marfat.com

لیے دین کے مختلف شعبوں کے ساتھ خصوصیت پیدا کرنے کے سلسلے میں ایک اچھی خاصی تعلیمی ہلچل عہدِ نبوت ہی میں پیدا ہو چکی تھی۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں جیسا کہ ان کا خاص طریقہ ہے "کتاب العلم" کا باب قائم کر کے عہد نبوت کے مختلف تعلیمی واقعات کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ پیش کر کے اس زمانہ کے نظامِ تعلیم کا جو خاکہ تیار کیا ہے پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آج جن چیزوں کو موجودہ زمانے کی تعلیمی ترقیوں کی خصوصیت قرار دیا جاتا ہے بمشکل کوئی چیز ایسی باقی رہ گئی ہے جسے امام نے صحیح روایتوں کی روشنی میں یہ ثابت کر کے نہ دکھایا ہو کہ سب کچھ اسی زمانہ میں ہو چکا تھا۔ تفصیل کے لیے تو خود بخاری کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

بخاری کے کتاب العلم کا خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم کی اہمیت وضرورت، مردوں کی تعلیم، عورتوں کی تعلیم غلاموں کی تعلیم، آغازِ تعلیم کی عمر، طریقۂ تعلیم، حلقۂ درس، حلقۂ درس کے قوانین وآداب۔ صف بندی، نشست کا طریقہ، تدریس کے وقت مدرس کی آواز کی بلندی و پستی، تفہیم کا طریقہ، ہاتھ اور آنکھوں سے کسی بات کو سمجھانا، تدریس کے مختلف طریقے املاء لیکچر یعنی استاد کا بولنا اور طلبہ کا سننا، عرض یعنی شاگرد کا پڑھنا، استاد کا سننا، تعلیم میں تدریج کا طریقہ یعنی آسان مسائل سے بہ تدریج مشکل مسائل تک طلبہ کو لے جانا، ہر جماعت میں اسی جماعت کی استعداد و صلاحیت کے مطابق استاد کے اسباق کی نوعیت، استاد کا طلبہ پر غصہ ہونا، الغرض اس قسم کے مختلف تعلیمی مسائل کے ساتھ ساتھ امتحان۔ تعطیل، تعطیل کی ضرورت وغیرہ وغیرہ تقریباً ساٹھ سے اوپر عنوانوں کے متعلق امام نے صحیح حدیثیں پیش کی ہیں اور ان امور کے متعلق حدیثوں سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے سب کو بیان فرمایا ہے۔

غریب عرب کی اسلام سے پہلے جو حالت تھی قرآن میں اس کی تعبیر جاہلیت

Marfat.com

کے لفظ سے کی گئی ہے، جاہلیت کا بھی لفظ اس زمانہ میں عموماً نوشت و خواند کی ناواقفیت کے ہم معنی ہو گیا ہے ممکن ہے کہ جاہلیت کے اس مغالطہ سے جن کے دماغ متاثر ہیں ان کے لیے ابتداء اسلام میں تعلیم اور اصولِ تعلیم کے متعلق اتنے تفصیلی مباحث باعث تعجب ہوں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ خود قرآن میں بکثرت آیتیں علم کی عظمت و اہمیت کے متعلق موجود ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم و تعلم کے فضائل کے متعلق جس قسم کی حوصلہ افزا حدیثیں صحاح میں مروی ہیں جن کی ان پر نظر ہے ان کے لیے ان بیانات میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جس دین کی ابتداء ہی اقراء یعنی خواندگی کے مطالبہ سے ہوئی ہے اور "علم بالقلم" کے الفاظ جس کی وحی کے ابتدائی فقروں میں شریک ہوں سب سے پہلی گفتگو جو خدا نے پہلی دفعہ مسلمانوں سے کی اسی میں

علم الانسان مالم یعلم — سکھایا آدمی کو وہ چیز جسے وہ نہیں جانتا

(العلق۔۵)

کی حقیقت پر متنبہ کرتے ہوئے بتا دیا گیا کہ "انسان" کو تمام دوسری زندہ ہستیوں کے مقابلہ میں جو خاص خصوصیت حاصل ہے وہ یہی ہے کہ آدمی جب پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہیں جانتا، لیکن مالم یعلم (جسے وہ نہیں جانتا) ان کے جاننے اور سیکھنے کی اس میں صلاحیت ہے اسی لیے آدم زاد جاہل پیدا ہوتا ہے اور بسا اوقات علامہ، فلاسفر، حکیم، اور خدا جانے کیا کیا ہو کر مرتا ہے، اسی کے مقابلہ میں دوسری جاندار ہی ہستیاں (حیوانات) ہیں کہ بقول سعدی

"مرغک از بیضہ بروں آمد و روزی طلبد"

انڈا کھٹکنے کے ساتھ ہی تلاش معاش کی تدبیروں میں وہ مشغول ہو جاتے ہیں پیدا ہونے کے وقت بھی ان کا یہی حال ہوتا ہے اور زندگی کے سارے مراحل ختم

Marfat.com

کر کے جب وہ مرتے ہیں تو جو کچھ ان کی جبلت اسے ساتھ لاتی ہے اس پر بال و پر اضافہ کرنے کا

بہرحال "علم الانسان مالم یعلم" جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی وحی کا آخری فقرہ ہے اس میں آدمی کو تعلیمی حقیقت قرار دینے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ بنی آدم کے اس آخری دین میں سب سے زیادہ اہمیت تعلیم ہی کو دی جائے گی اس لیے اس کی بنیاد میں سب سے پہلا پتھر "اقرء" ہی کا جمایا گیا ہے، یعنی اس کی بنیاد نوشت و خواند پر قائم ہے اور یہ واقعہ ہے کہ رہتی دنیا تک سارے بنی آدم کے لیے عالمگیر ہمہ جہتی آئین حیات ہونے کا جو دعویٰ اسلام نے کیا ہے، یقیناً یہ دعویٰ اسی وقت عملی شکل اختیار کر سکتا تھا کہ اس دین کی بنیاد تعلیم و تعلم تفقہ و اجتہاد پر رکھی جائے ورنہ تیرہ سو سال تک اسلام دنیا کے اکثر خطہ کے باشندوں کے ہر شعبہ حیات پر جو بآسانی منطبق ہوتا رہا یہ کامیابی بغیر اس تدبیر کے کیا حاصل ہو سکتی تھی جو قراۃ، تعلیم، تعلم، تفقہ فی الدین کے ذریعہ سے اسے میسر آئی۔

ان قولی و فعلی تصریحات کے سوا جن کا ذکر تعلیم و تعلم، تفقہ و قراۃ کے متعلق گزر چکا، یوں بھی ایک مورخ ہونے کی حیثیت سے بھی اگر مکہ نہیں تو مدینہ منورہ اور اس کے اطراف و نواحی کے یہودی ماحول سے جو واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے نواح میں یہودیوں کی ایک مستقل درسگاہ قائم تھی جسے بیت المدارس کہتے تھے جہاں باضابطہ پڑھنے پڑھانے کا رواج پہلے سے جاری تھا، سرزمین عرب ہی کے علاقہ یمن میں عیسائیوں کا بھی ایک مستقل تعلیمی نظام موجود تھا، ابن ہشام وغیرہ نے نجران کے اسقف اعظم کے جو حالات نقل کیے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ عیسائی ممالک کا

Marfat.com

کا ممتاز ترین عالم اس زمانے میں عرب ہی میں رہتا تھا[1]۔ پھر قدیم دنیا کا سب سے بڑا علمی مرکز اسکندریہ بھی عرب سے ظاہر ہے کہ زیادہ دور نہ تھا، عرب بھی اس مشہور تعلیمی ملک سے واقف تھے، نیز انطاکیہ حران فلسطین جہاں یہودیوں اور نصرانیوں کے تعلیمی ادارے زمانے سے قائم تھے یہ سارے علاقے عرب کے آس پاس ہی میں تھے، جہاں ان کی آمد و رفت کا سلسلہ مختلف وجوہ اسباب کے تحت جاری تھا۔

بہرحال عہد نبوت ہی میں "تفقہ فی الدین" میں خصوصیت پیدا کرنے کے لیے کسی تعلیمی نظام کا قائم ہو جانا میرے نزدیک نہ اس میں عقلاً استبعاد ہے اور نقلاً تو عرض ہی کر چکا کہ قرآن ہی کا حکم تھا کہ ایک گروہ اس کام کے لیے مسلمانوں میں قائم کیا جاتے اور اسی طبقہ کے ذمہ یہ فریضہ سپرد کیا گیا کہ مسلمانوں کا علم اور ان کا عمل کس حد تک "اسلامی دستور" پر منطبق ہے، اس کی نگرانی کریں اور آئے دن نئے حوادث و واقعات

---

[1] ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس اسقف اعظم کا نام ابوحارثہ تھا اور یہ کہ وکان اسقفہم وحبرہم وامامہم وصاحب مدارسہم (یعنی نجران میں عیسائیوں کا یہی ابوحارثہ اسقف بھی تھا اور حبر وامام بھی) نیز انکے مدارس (مدرسہ) کا ناظم بھی تھا اسی کتاب میں ہے کہ ابوحارثہ قد شرف فیہم ودرس من کتبہم حتی حسن علمہ (یعنی اسی ابوحارثہ نے عیسائیوں میں بڑی عزت حاصل کی انکی کتابیں پڑھیں یہاں تک کہ اسکا علم پختہ ہوگیا) آگے ہے کانت ملوک الروم من اہل النصرانیۃ قد شرفوہ ومولوہ واخدموہ وبنوالہ الکنائس وبسطوا علیہ الکرامات لما یبلغہم عنہ من علمہ واجتہادہ فی دینہم یعنی ابوحارثہ کے علم و اجتہادی قوت کا چرچا جب روم (یورپ) کے عیسائی بادشاہوں تک پہنچا تو انھوں نے اس کی بڑی عزت کی اور اسے مالدار بنا دیا اس کی بڑی خدمتیں کیں اس کے لیے گرجے بنوائے اور مختلف طریقوں سے اکرام انعام کی بارش اس پر برساتے رہے۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۴۵ - مصر)

Marfat.com

کے سلسلے میں جو ضرورتیں پیش آتی رہیں، وحی و نبوت کے معلومات کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو ان ضرورتوں کے متعلق امر و حکم دیا کریں "تفقہ فی الدین" کے مطالبہ کی گزشتہ بالا قرآنی آیت کے سوا دوسری جگہ قرآن ہی میں

ولتکن منکم امۃ یدعون الی	چاہیے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہو جو
الخیر و یامرون بالمعروف و	خیر کی طرف بلائے، اچھی باتوں کا امر و حکم
ینھون عن المنکر	دے اور بری باتوں سے روکے۔

(آلِ عمران۔۱۰۴)

کی آیت میں بھی اسی "تعلیمی طبقہ" کے پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے سوا بھی مختلف قرآنی آیتوں میں صراحۃً و کنایۃً اس مطالبہ کو مختلف طریقوں سے دہرایا گیا ہے جو عام طور پر مشہور ہیں۔ مثلاً علم ہی کی وجہ سے آدم کو ملائکہ پر فضیلت بخشی گئی نیز متعدد مقامات میں پوچھا گیا ہے کہ عالم اور جو عالم نہ ہو کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

بہرحال ایک طرف اسلام میں "تفقہ فی الدین" کے لیے مخصصین کے ایک خاص طبقہ کا قائم کرنا اور دوسری طرف جہل کی فطری ضرورت کی تکمیل کے لیے قرآن ہی کا

فاسئلوا اھل الذکر	پوچھ لیا کرو، یاد رکھنے والوں سے، اگر
ان کنتم لا تعلمون	تم خود نہیں جانتے۔

(النحل۔۴۳)

یا

واتبع سبیل من	اور جو میری طرف جھکے ہوئے ہیں ان کی راہ کی
اناب الی۔ (لقمان۔۱۵)	پیروی کرو۔

کے قانون کا نافذ کرنا، ان سب کا لازمی نتیجہ وہی ہونا چاہیے تھا جس کی تفصیل ہمارے

Marfat.com

مورخین نے بیان کی ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ دوسری اور تیسری نسل ہی میں نہیں بلکہ عہدِ نبوت اور عہدِ صحابہ ہی میں مسلمانوں کے طبقۂ اولیٰ یعنی صحابہ کرام میں "اہلِ علم و فتویٰ" کا ایک مخصوص طبقہ پیدا ہو گیا جو اپنی اس خصوصی حیثیت و خدمت کے لحاظ سے عام صحابہ میں بالکل ممتاز تھا اور اسلامی تاریخ کا یہی پہلا طبقہ ہے جس میں تدوینِ فقہ کے کام کا آغاز ہوا، لیکن اس طبقہ کے خدمات کے تذکرہ سے پہلے عہد نبوت کی ایک اور اہم خصوصیت کا اظہار ناگزیر ہے

عہدِ نبوت میں استفتاء یا سوال کے متعلق تحدید

بات یہ ہے کہ نبوت کا دعویٰ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیش ہوا تھا، ظاہر ہے کہ اس کا کھلا ہوا واضح مطلب یہی تھا کہ علم و عمل کا جو نظام ان کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اس کا تعلق کسی انسان کی محدود فکری قوت اور ناقص پرواز و رسائی سے نہیں، بلکہ عالم الغیب والشہادۃ کے علم محیط کلی سے ہے، ایسے محیط اور کلی علم سے جس سے کھلی، ڈھکی، ظاہر و باطن، ماضی و حال، مستقبل کی کسی چیز کا کوئی پہلو پوشیدہ نہیں ہے۔

پھر جیسا کہ معلوم ہے کہ ابتداءً عربوں کو اس دعویٰ پر اچنبھا بھی ہوا، وہ بدگمان بھی ہوئے بدکے بھی، بھڑکے بھی، الغرض عام انسانی فطرت ایسے موقعہ پر جو کچھ کرتی ہے سب ہی کا ظہور ان سے ہوا، بلکہ باوجود جاہل کہلانے کے عربوں میں آزادی اور حریت کا جو خاص نسلی جرثومہ تھا جس کی وجہ سے حجاز میں کوئی شخصی حکومت قائم نہ ہو سکی، متعدد بار قیصر وغیرہ کی پشت پناہی میں بعضوں نے حجاز کی بادشاہی کا ارادہ بھی کیا لیکن ان کو ناکام ہونا پڑا [1]

---

[1] عہد نبوت سے چند سال پہلے عثمان بن حویرث نامی مکہ کا رہنے والا ایک (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

باوجودیکہ تین ساڑھے تین سو سال سے حجاز کے عرب ہمسایہ ممالک کے میل جول کے زیر اثر "اصنامی اوہام" کے شکار ہو گئے تھے لیکن عرب کی حقیقت پسند فطرت کا اندازہ اس مشہور واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ قحط کے زمانے میں کھجوروں سے بنے ہوتے دیوتا کے چپٹ کر جانے سے بھی عرب کا بت پرست نہ ہچکچایا۔ میں تو خیال کرتا ہوں کہ "نبوت" کے تجربہ میں عربوں کو دس بارہ سال کی جو دیر لگی یہ بھی ان کی اسی بے باک فطرت اور بے لاگ قوت فیصلہ کا اگر اثر ہو تو اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے۔

بہرحال ان تمام بدگمانیوں اور اباء واستنکاف کے بعد جب ان کے مشاہداتی تجربات نے ان پر واضح کر دیا کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے صرف حقیقت کا اظہار ہے تو اس قسم کے بے لاگ فیصلہ والوں کا جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ یا تو نہیں مانیں گے لیکن جب حقیقت بالآخر کسی واقعہ کے تسلیم کرنے پر انھیں مضطر ہی کر دیتی ہے تو پھر ان کا ماننا ان کمزور ارادے والوں کا ماننا نہیں ہوتا جن کی ساری عمر کٹ جاتی ہے لیکن کسی قطعی فیصلہ کے لنگر کے ساتھ ان کی زندگی کا جہاز مربوط نہیں ہوتا یہی حال عرب کا ہوا کہ جب مانا تو پھر اس طرح مانا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احد کے میدان میں پوچھنے والے پوچھتے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) شخص قسطنطنیہ جا کر عیسائی ہو گیا تھا۔ سہیلی نے اس کے متعلق نقل کیا ہے ان قیصر کان قدتوج عثمان وولاہ امر مکۃ (قیصر نے عثمان کو تاج شاہی سے سرفراز کر کے مکہ کی حکومت اسے سپرد کی) آگے لکھا ہے فلما جاءہم بذالك انفوا من ان یدینوا الملك (جب عثمان اس قیصری فرمان کو لے کر مکہ والوں کے پاس آیا تو انھوں نے کسی بادشاہ کی ماتحتی قبول کرنے سے انکار کیا) دیکھو روض الانف ج ۱ ص ۱۴۶ مطبوعہ مصر

Marfat.com

ارئیت ان قتلت — آپ خیال فرماتے ہیں اگر میں مارا گیا

فاین انا — تو میں کہاں رہوں گا.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دو لفظوں

فی الجنۃ — جنت میں

یہی جواب ان کو ملتا ہے، جنہوں نے پوچھا تھا ان کے ہاتھ میں چند کھجوریں تھیں جواب سننے کے ساتھ ہی دیکھا گیا کہ کھجوریں پھینک دی گئیں اور جیسا کہ بخاری میں ہے

ثم قاتل حتی قتل — پھر وہ لڑے اور شہید ہو گئے

صحیح مسلم میں ہے کہ کھجوروں کو پھینکتے ہوئے یہ بھی کہتے جاتے تھے

"اگر ان کھجوروں کے کھانے تک میں جیتا رہا تو یہ بڑی دراز زندگی ہو گی"

یعنی جنت پہنچنے میں دیر لگے گی اور ایک یہی واقعہ کیا، اعتماد و یقین کا جو ثبوت نسلِ انسانی کے اس طبقہ نے پیش کیا ہے جس کا نام

"اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

ہے، انسانیت کی تاریخ قطعاً اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، والقصہ بطولہا۔

بہر حال اعتماد و یقین کی جس قوت کے ساتھ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو خدا کے علم محیط سے وابستہ تسلیم کیا تھا جس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ براہ راست خدا سے سوال و جواب اور مکالمہ کا نادر موقع یقین کرتے تھے انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے میسر آ گیا ہے۔

سمجھا جا سکتا ہے کہ انسان کی سراپا جستجو فطرت، علم کے ایسے لامحدود سرچشمے پر اپنے آپ کو جب کھڑی پائے گی تو اس کا کیا حال ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

واقعہ یہ ہے کہ ہر ایک اس خیال میں محو تھا کہ جو کچھ ہم پوچھ سکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے پوچھ لینا چاہیے۔ اگرچہ اس کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ رسالت و نبوت کے رعب و جلال کی وجہ سے اور تو اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے بزرگوں تک میں سوال کی جرأت مشکل ہی سے پیدا ہوتی تھی، سجدۂ سہو والی مشہور حدیث میں ہے کہ ھاباہ ان یکلّما (یعنی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سہو کی جو صورت پیش آتی تھی اس کی طرف توجہ دلانے کی ہمت ابوبکر و عمر جیسے بزرگوں کو بھی نہیں ہو رہی تھی۔ بالآخر ایک خاص طرز کے صحابی جن کو بطور ظرافت کے بارگاہِ نبوت سے ذوالیدین (دو ہاتھوں والے) کا خطاب اس لیے ملا تھا کہ ان کے ہاتھ معمول سے کچھ زیادہ لمبے تھے، پیغمبر کے وہی ذوالیدین آگے بڑھے، پوچھنے کی ہمت تو کر گزرے لیکن کتنی ہمت اس کا اندازہ ان کے سوال کے الفاظ

اقصرت الصلوۃ ام	نماز (کی رکعتیں) کم کر دی گئی ہیں یا اے اللہ
نسیت یا رسول اللہ	کے رسول آپ کچھ بھول گئے۔

سے ہوتا ہے یعنی براہِ راست سہو کے انتساب کی جرأت ذوالیدین کو بھی نہ ہو سکی حالانکہ ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ کبھی کبھی مذاق بھی فرما لیا کرتے تھے۔ اس کرم گستری کے اس خاص برتاؤ کی وجہ سے گو نسبتاً بے تکلف دربار نبوت میں بہ نسبت دوسروں کے وہ کچھ زیادہ جری تھے حلقۂ نبوی کا جو نقشہ

کان علیٰ رؤسھم الطیر	گویا ان کے (صحابہ) سروں پر پرند بیٹھے ہیں۔

کے الفاظ میں کھینچنے والوں نے کھینچا ہے وہ اسی جلال الٰہی کی طرف اشارہ ہے، یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ صحاح کی حدیثوں میں آتا ہے کہ منتظر بین سرا پردۂ رسالت ہمیشہ اس آرزو میں رہتے تھے کہ ہم سے ڈر کے مارے کچھ پوچھا نہیں جاتا۔ کاش! کوئی دیہاتی اعرابی

Marfat.com

آجاتا جو اپنی بدویانہ سادہ دلی کی وجہ سے ممکن ہے ایسے سوالات کر گزرے جن کے جواب میں ہم لوگوں کو کوئی جدید علم ہاتھ آئے، جب کبھی مجلس نبوی میں اس قسم کے کوئی صاحب آجاتے تھے اور اپنے عجیب وغریب سوال کا سلسلہ شروع کرتے تو صحابہ میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی اور ہر ایک ہمہ تن گوش بن کر جوابوں کے ان موتیوں کو چنتا تھا۔

پھر جوں جوں فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا، اور وفود کا تانتا بندھا، نت نئے انداز کے مختلف طبائع اور مزاج کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آنے لگے اور موقعہ کو غنیمت جان کر جس کو موقع ملتا تھا حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتا تھا۔ ان سوالات میں زیادہ تر ایسے ہی سوالات ہوتے تھے جن کا دین سے تعلق ہوتا تھا۔ بعض دفعہ تو ان سوالات کے جواب میں وحی نازل ہوجاتی، قرآن مجید میں تیرہ مقامات میں یسئلونک کے لفظ سے جن امور کا ذکر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ یہ ان ہی سوالات کے جوابات تھے جو صحابہ نے مختلف اوقات میں آپ سے دریافت کیے۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ سوالات کا ایک مستقل سلسلہ وہ بھی شروع ہوا، خصوصاً اجنبی نو وارد لوگوں کی طرف سے جن کا تعلق دین سے نہ ہوتا تھا، انتہا یہ ہے کہ بعضوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر پوچھا کہ سبا کا لفظ آیا کسی سرزمین کا نام ہے یا کوئی عورت اس نام کی تھی، ایک صاحب نے آکر دریافت کیا کہ بچے کبھی باپ، کبھی ماں کے ساتھ کیوں مشابہ ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان باتوں کا دین سے کیا تعلق ہے، لیکن بعض سادہ دل لوگ جو مذاق شناسِ نبوت نہ تھے، اس قسم کے سوالات بھی کرلیا کرتے تھے، گویا اس کی مثال وہی ہوتی جیسے کفّار قریش نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت

Marfat.com

سے بجائے نبوت کے انجنیئری کا کام لینا چاہا تھا جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے، یعنی یہ مطالبہ پیش کیا کہ ہمارے ملک میں جو پہاڑ بھرے ہوئے ہیں ان کو صاف کر دو، اور ہمارے ریگستانوں میں نہریں جاری کر دو، وغیرہ، قرآن میں حق تعالےٰ نے اس کے جواب میں پیغمبر کو حکم دیا کہ ان بے وقوف پوچھنے والوں سے کہہ دو کہ

قل سبحان ربی ھل — پاک ہے میرا رب (اس قسم کی بے نظمیوں سے)

کنت الا بشرا رسولا (الاسراء: ۹۳) — نہیں ہوں میں لیکن ایک آدمی پیغمبر

یعنی میں خدا نہیں بشر ہوں، اور انجنیئر نہیں رسول ہوں، پیغمبر سے اس قسم کا مطالبہ گویا عالم کے موجودہ نظم کے بدلنے کا مطالبہ ہے، حالانکہ وہ تو اسی نظم کے اندر انسانوں کو کامیاب زندگی بسر کرنے کا طریقہ سکھانے کے لیے آتا ہے۔

اسی طرح بعض لوگ ایسے سوالات بھی کرتے تھے جن کا تعلق کو دین ہی سے ہوتا، لیکن اس کے نہ جاننے سے دین میں نہ اضافہ ہوتا تھا نہ کمی، اس سلسلہ میں ایک صاحب نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے آکر یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ جنت میں کپڑے بُنے جائیں گے یا اللہ میاں سلے سلائے بنے بنائے کپڑے وہاں پیدا کریں گے۔ سائل کے اس سوال کو سُن کر بیچارے صحابہ بھی ہنس پڑے، سائل کی خفت کو محسوس کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی تسلی کی اور ہنسنے والوں سے فرمایا کہ

تضحکون من جاھل — تم ایک نہ جاننے والے پر ہنستے ہو جو جاننے

یسأل عالما — والے سے پوچھ رہا ہے۔

پھر سائل کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

تنشق عنھا ثمار — اہل جنت کو جو پھل ملیں گے ان ہی پھلوں سے

Marfat.com

اھل الجنۃ ۴۴ پھٹ کر کپڑے باہر نکلیں گے۔ ۱

الغرض آخر زمانہ میں سوالات کا ایک لامحدود سلسلہ تھا جو نئے آنے والوں کی طرف سے خدمت مبارک میں پیش ہوتا رہتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی نرم دلی اور مروت نہیں چاہتی تھی کہ لوگوں کو مایوس کیا جائے اور جیسا کہ آپ کا قاعدہ تھا، انتہائی ملائمت اور مسامحت کے ساتھ پوچھنے والوں کی تسلّی فرما دیتے تھے۔

لیکن ایک طرف بعض سادہ مزاج بزرگوں کے عجیب وغریب سوالات اور دوسری طرف مدینہ منورہ میں آستین کے جو سانپ یہودیوں اور غیر یہودیوں کے طبقات سے منافقانہ طور پر مسلمانوں میں گھل مل گئے تھے ان کی قصداً شرارت بھی شریک ہو گئی کبھی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی فطری نرم مزاجی کو دیکھ کر کوئی بوڑھی عورت بھی اپنے کسی کام کے لیے کسی گلی میں آپ کو روک لیتی ہے تو آپ رک جاتے ہیں، جو کچھ کہتی رہتی ہے سنتے ہیں۔ پانچویں کالم کے اس گروہ نے سرگوشی کے بہانہ سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کو ستانا شروع کیا جس کے انسداد کے لیے بالآخر قرآن کو دخل دینا پڑا۔

دوسری طرف یہی بدبخت یہودی جن کے دین کی ہنڈیا پکنے کے بعد جل چکی تھی اور جیسا کہ ہمیشہ سوختہ اور برشتہ مذاہب کی آخری تاریخ کا خاتمہ چند لایعنی دور از کار بیہودہ سوالات وجوابات پر آکر منتہی ہو جاتا ہے۔ کسی کا مذہب صرف دستر خوان

---

۱ اس دنیا میں بھی سینکڑوں نباتاتی چیزیں جو عجیب وغریب نظم کے ساتھ غیب سے ظاہر ہو رہی ہیں مثلاً مکا کے بھٹوں کو دیکھئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باضابطہ تہ بتہ مضبوط غلافوں میں بند کر کے قدرت کی طرف سے کوئی پارسل آتا ہے اور اسکی مثالیں بکثرت ہیں ایک نمونہ ہے جس سے اس دنیا کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ ۱۲

Marfat.com

اور باورچی خانہ کے مسائل میں چکر کھا کر ڈوب جاتا ہے کسی کی ایک کو تین، تین کو ایک بنانے میں ساری مذہبی قوت خرچ ہو جاتی ہے، سنتے ہیں کہ بعض بعض ادیان میں آخری سوال وجواب یہ رہ گیا تھا کہ اللہ کے فرشتوں کی کتنی تعداد سوئی کے ناکے سے گزر سکتی ہے۔ ایک فرقہ کا تخمینہ دس ہزار تھا اور دوسرا بارہ ہزار کی تعداد پہ مصر تھا۔ مدتوں دونوں فرقوں میں خوب رزم آرائیاں، کفش آزمائیاں ہوتیں یہودی بھی اسی حال میں مبتلا تھے۔ اسی قسم کے دوراز کار لاحاصل سوالات سکھا سکھا کر لوگوں کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس بھیجتے اور جواب پر اصرار کرتے۔ بخاری میں ہے کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جس کا اونٹ گم ہو جاتا وہ بھی

این ناقتی — میری اونٹنی کہاں ہے۔

کا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے فتویٰ پوچھتا۔ بعضوں کو اپنے باپ کے متعلق کچھ اشتباہ تھا وہ بھی اپنے نسب نامہ کی تصحیح کے لیے پیغمبر کے پاس آتے اور

من ابی — میرا باپ کون ہے

کا فتویٰ دریافت کیا۔ بالآخر پوچھ گچھ کے اس مشغلہ کو بھی اپنے ہاتھ میں قرآن کو لینا پڑا۔ سورۂ مائدہ کی یہ مشہور آیت نازل فرمائی گئی یعنی

یاایھا الذین اٰمنوا لا تسئلوا	لوگو ایسی باتیں نہ پوچھا کرو کہ تم پر جب وہ ظاہر
عن اشیاء اِن تبد لکم تسؤکم	ہوں تو تمہیں بری معلوم ہوں اور تم اگر اس وقت
وان تسئلوا عنھا حین ینزل	پوچھو کے جب قرآن اتر رہا ہے تو وہ ظاہر کی
القراٰن تبد لکم عفا اللہ عنھا	جائیں گی اللہ نے معاف فرما دیا اور اللہ مغفرت فرمانے
واللہ غفور حلیم۔	والا رحم کرنے والا ہے

(المائدۃ: ۱۰۱)

کہ یا تنبیہ کی گئی کہ اگر پیغمبر سے تم نے گم شدہ اونٹ کی تلاشی یا اپنے نسب نامہ کی

Marfat.com

تصحیح کا کام لیا اور جب وہ خدا سے۔ علم پا رہا ہے تو جو واقعہ ہوگا وہی جواب دے گا ممکن ہے کہ جس باپ کی طرف ابھی منسوب ہو، یہ انتساب غلط ثابت ہو اور اس کے بعد لگو گے پھر منہ بنانے کہ دیکھئے صاحب پیغمبر ہمیں گالیاں دیتے ہیں۔

بہرحال جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس قسم کے دور از کار سوالات کا سلسلہ بند ہو گیا۔ کیونکہ اب بھی اگر کوئی خدا کے حکم کی خلاف ورزی کر کے ایسے سوالات کی جرأت کر گزرتا تو یہ اس کے نفاق کا اعلان ہوتا تھا

عام مفسرین تو سورہ مائدہ کی اس آیت کی شان نزول یہی بیان کرتے ہیں، لیکن جہاں تک میں خیال کرتا ہوں، اس کے سوا بھی قرآن کے اس قانون کا ایک بڑا اہم راز تھا جس کا سراغ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دوسرے اقوال اور طرز عمل سے ملتا ہے زیادہ تر اس بحث کے چھیڑنے کی یہاں ضرورت اسی مسئلہ کے بیان کرنے کے لیے ہوئی۔

بات یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والوں پہ یہ بات تو پوشیدہ نہیں ہے کہ اسلام نے انسانی زندگی کے جس جس شعبۂ اور جن جن پہلوؤں کو اپنے دائرہ بحث میں شریک کر لیا ہے، ان میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کی اصل روح اور اس قانون کی جو اساسی بنیاد ہے اس کو عجیب و غریب جامع و مانع ساتھ ہی انتہائی لچکدار تعبیروں کے ساتھ قرآن میں بیان نہ کر دیا گیا ہو۔ مثلاً باہمی تجارتی لین دین کے قانون کا ذکر کرتے ہوئے

یا ایہا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم	لوگو! آپس میں ایک دوسرے کا مال
بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ	باطل طریقہ سے نہ کھایا کرو، مگر یہ کہ
عن تراض منکم	باہمی رضامندی کے ساتھ تجارت ہو۔

(النساء: ۲۹)

Marfat.com

یا اسی کے ساتھ۔

لا تظلمون و لا تظلمون (البقرہ) نہ تم کسی پر زیادتی کرو، اور نہ تم پر زیادتی کی جائے۔

یہ چند لفظی ایک دو فقرے قرآن میں پائے جاتے ہیں، لیکن صرف ان ہی چند لفظوں کی روشنی میں یہ مبالغہ نہیں کر رہا ہوں کہ فقہاءِ اسلام نے کم از کم پانچ چھ ہزار دفعات قانونِ تجارت کے پیدا کیے ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مل سکتی ہے اور تقریباً یہی طرزِ عمل قرآن نے اپنے تمام متعلقہ مباحث کے متعلق اختیار کیا ہے[۱] جیسا کہ میں نے اپنے تمہیدی بیان میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے، اس خاص طریقۂ بیان کے اختیار کرنے کے جہاں اور بھی چند در چند وجوہ ہیں، وہیں اس کے دو اہم راز یہ بھی ہیں کہ قرآن میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلقہ قوانین کے کلیات بلکہ کلیات سے بھی زیادہ بہتر طریقہ سے ہم اس چیز کو موجودہ محاورہ میں "روح" اور "نفس" کے لفظ میں ادا کر سکتے ہیں، بجائے اس کے جزئیات اور لا محدود جزئیات کے بیان کرنے کا اگر ارادہ کیا جاتا تو علم الٰہی کی لامحدود وسعت کے حساب سے واقعہ

---

[۱] خدا کے کلام اور خدا کے کام میں جو مشابہت ہے اس کی یہ بھی ایک مثال ہے مثلاً جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ہمارے سامنے مٹی کا تودہ بشکلِ زمین رکھ دیا گیا ہے بظاہر کون خیال کر سکتا تھا کہ خاک کے اسی تودہ میں انگوروں کے خوشے، آموں کی قاشیں، برفیوں اور امرتیوں کے ذخیرے، کرٹ شیروانی الغرض وہ سب کچھ پوشیدہ ہے جسے ہم کھا رہے ہیں پہن رہے ہیں، برت رہے ہیں مگر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اسی کیچڑ پانی سے یہ سب کچھ نکل رہا ہے۔ قرآن کے اس خاص پہلو پر مدت ہوئی "کائنات روحانی" کے نام سے خاکسار کا ایک مقالہ بھی شائع ہوا تھا، جسے رسالے کے قالب میں بعض لوگوں نے طبع بھی کر دیا ہے، ممکن ہے اب بھی بازاروں میں مل جاتا ہو۔

Marfat.com

یہ ہے کہ ایک ایک قانون کی تفصیلات کے لیے بھی دنیا کا کاغذی مواد کافی نہیں ہو سکتا تھا، اور بالفرض اللہ میاں اپنی قدرت کاملہ سے اتنا کاغذ اتنی سیاہی بھی پیدا کر دیتے کہ ان کی قدرت غیر محدود ہے۔ لیکن ہم محدود قدرت والے انسانوں کے لیے اس کی حفاظت و نگرانی تعلیم و تعلم کا کام تو یقیناً ناممکن ہوتا۔ یہ بات کہ ہماری حفاظت و نگرانی کی قوت ہی کو لامحدود بنا دیا جاتا۔ بلاشبہہ یہ تو ممکن ہے لیکن ہم میں وہ انسان نہیں باقی رہ سکتے تھے جو اب ہیں اور میری گفتگو کا تعلق اس وقت ان ہی انسانوں سے ہے جو اپنے موجودہ حالات میں اس خاک دان ارضی پر پائے جاتے ہیں، جنوں اور دیو پری کی اولاد یا جبریل و میکائیل جیسے فرشتوں سے ہمیں بحث نہیں ہے۔

یہ تو پہلی بات ہوئی، دوسری بات یہ ہے جیسا کہ اشارۃً میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے جو رجحانات ہیں ان میں ایک عام اور اہم رجحان ان کی سہولت اور ملتِ اسلامیہ محمدیہ کا "السمحا" ہونا بھی ہے یعنی مطالبہ میں حتی الوسع نرمی ہی کے پہلوؤں کو اختیار کیا گیا ہے، اسلامی دین کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس کی تصریح

بعثت با | میں ایک نرمی برتنے والی ملت کے ساتھ مبعوث
الملۃ السمحۃ۔ | کیا گیا ہوں۔

کے الفاظ میں خود نبوت ہی کی طرف سے کی گئی ہے، قرآن میں بھی

ماجعل علیکم فی الدین من حرج | نہیں رکھی ہے تم پر خدا نے دین میں تنگی
(الحج : ۷۸)

انما یرید اللہ بکم الیسر ولا | خدا تو تمہارے ساتھ آسانی ہی چاہتا ہے اور
یرید بکم العسر۔ (البقرہ: ۱۸۵) | دشواری کو نہیں چاہتا۔

وغیرہ آیتوں کے سوا خود سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کا تقریباً ہر موقعہ پر آسانی د

Marfat.com

سہولت کے پہلو کو اختیار کرنا اور صحابہ کو عام طور پر اس کی وصیت فرمائی جاتی تھی کہ

یسروا ولا تعسروا — لوگوں کو خوشخبریاں سنایا کرنا، انھیں بھڑکانا مت

وبشروا ولا تنفروا (بخاری وغیرہ) — آسانی اور سہولت عطا کرنا، دشواری مت پیدا کرنا

اسلام میں بظاہر بعض قوانین کی شکل وصورت کا ذرا مہیب نظر آنا، لیکن معاً اسی کے ساتھ ایسے قیود کا اس میں اضافہ جن کی وجہ سے اس کی شدت اچانک خفت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، مثلاً زنا کے جرم کی سزا کا قرآن میں سو تازیانے ہونا اور شادی شدہ لوگوں کے لیے حدیثوں میں سنگسار کرنے کا قانون، صورۃً بظاہر یہ قانون سخت معلوم ہوتا ہے، کبھی کبھی غیر اقوام کی طرف سے اس سختی کی شکایت بھی سنی جاتی ہے لیکن اسی کے ساتھ لوگ کاش اس پر غور کرتے کہ ہر دعوے کے ثبوت کے لیے صرف دو گواہوں کو کافی قرار دیتے ہوئے جرم زنا کے ثبوت کے لیے خود قرآن میں چار گواہوں کا نصاب جو مقرر کیا گیا ہے اور حدیثوں میں اس پر یہ اضافہ کہ گواہ بھی چشم دید رویت کے ہوں اور کیسی چشم دید گواہی کہ "کالمیل فی المکحلۃ" یا "کالرشاء فی البئر" یعنی سلائی سرمہ دانی میں یا ڈول کی رسی جس طرح کنوئیں میں ہوتی ہے، زنا کے متعلق اس قسم کے مشاہدے کا دعویٰ ہر گواہ کی طرف سے ایسی حالت میں ہر ایک گواہ گواہی پیش ہونے کے بعد مقدمہ ثابت ہوگا اور گواہوں کو بھی اس کی دھمکی کہ بجائے چار کے اگر صرف تین آدمی زنا کی شہادت دیں گے تو ان پر قذف یعنی انتساب زنا کے بدلے میں مدعی سے مدعا علیہ حد کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گواہوں کے عام قانون جرح و تزکیہ کے سوا نصاب شہادت (یعنی چار گواہوں کی عینی رویت) کی عدم تکمیل کی صورت میں قذف کے جرم میں خود پٹ جانے کا گواہوں کو خطرہ، ان تمام امور کو اگر ملا لیا جائے تو شہادت کی رو سے زنا کی اس خوفناک سزا کا نفاذ عملاً کچھ ناممکن ہی سا ہو کر گویا رہ جاتا ہے۔

Marfat.com

حتیٰ کہ فقہا نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ

لم ینقل عن السلف ثبوت	سلف (پچھلے علماء) سے یہ بات آج تک نہیں
الزنا عند الامام بالشهادة	نقل ہوئی ہے کہ امام (سربراہ حکومت) کے سامنے
اذ رویة اربعة رجال عدول	گواہی کی راہ سے زنا کا مقدمہ کسی پر ثابت ہوا ہو
علی الوصف المذکور ای	وجہ یہ ہے کہ چار صاحب عدل آدمیوں کا کسی کو
کالمیل فی المکحلة کما فی الکلاب	اس حال میں دیکھنا جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہو جیسے
فی غایة الندرة۔	کتوں کو دیکھا جاتا ہے، بہت ہی نادر الوقوع بات
	ہے۔ (عنایہ علی الہدایہ مصری)

بہرحال شہادت کی راہ سے تو اس سزا کے ثبوت کا یہ حال ہے، رہا یہ کہ کوئی حکومت کے سامنے خود اپنے اس جرم کا اقرار کر لے تو اس باب میں بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم سے ماعز اسلمی (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کے متعلق جو اسوہ اور نمونہ حدیثوں میں مروی ہے اگر اس کو پیشِ نظر رکھا جائے یعنی گناہ کی اذیت کے احساس سے حضرت ماعز کی پاک فطرت بے چین ہو ہو کر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کو جرم کے اقرار پر مجبور کرتی ہے وہ خود بڑھ بڑھ کر التجا کرتے ہیں کہ خدا کے ایک مجرم پر خدا کا قانون نافذ کیا جائے لیکن سب جانتے ہیں کہ پیغمبر نے ایک بار نہیں بار بار ان کے اقرار کی سماعت سے اعراض کرنا چاہا، حتیٰ کہ جب انہوں نے سننے پر مجبور ہی کر دیا تو آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ ان کا منہ سونگھیں، شراب پی کر نشہ میں تو نہیں کہہ رہے ہیں۔

محدثین کا بیان ہے کہ مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے بیان کو نشہ پر اگر محمول کر دیں تو جرم زنا کی کڑی سزا سے بچ کر صرف شراب خواری کی ہلکی سزا پر بات ٹل جائے گی۔ لیکن آخرت کے عذاب کو جو دنیا کے عذاب سے زیادہ سخت یقین کر چکے

Marfat.com

تھے ان حضرت ماعز رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنی جانِ عزیز کو اپنے مالک کے قانون کے سپرد فرمادیا، اسی لیے حدیثوں میں آیا ہے کہ ان کی توبہ نے وہ وزن حاصل کیا، جس کا مقابلہ آسمان زمین کا وزن بھی نہیں کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فطرت انسانی میں احساسِ گناہ کے متعلق اتنی نزاکت و ذکاوت پیدا ہوجانا نبوت ہی کا گویا معجزہ قرار پا سکتا ہے، عام حالات میں اس کا وقوع بھی آسان نہیں ہے۔

بہرحال میری غرض اس واقعہ کے بیان کرنے سے اس مقصد کی تائید ہے جو اسلام کے "تیسیری نقطہ نظر" میں عموماً پایا جاتا ہے، یعنی حتیّ الوسع یہ چاہا جاتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دینی زندگی گزارنے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو، عوام پر سختی نہ ہو جائے، یہی تراویح کی نماز ہے، اہلِ علم میں اس واقعہ سے کون ناواقف ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے چند راتوں کے بعد یہ فرماتے ہوئے کہ

خشیت ان تفترض	مجھے اندیشہ ہے اس بات کا کہ یہ نماز تم پر فرض ہو
علیکم فتعجزوا	جائے اور اگر فرض ہو جاتی تو پھر تم اس نماز کے ساتھ کھڑے
عنہا [۴۶]	کھڑے نہ ہوتے (یعنی اس سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے)

خود جماعت کے ساتھ اس نماز کا پڑھنا ترک فرما دیا، ظاہر ہے کہ مقصد مبارک یہی ہو سکتا ہے کہ اگر میں جماعت کے ساتھ ہر سال اس نماز کو پڑھتا رہا تو آئندہ چل کر میری مداومت کی وجہ سے اس کا اندیشہ ہے کہ مسلمانوں پر یہ نماز بھی وجوب اور فرضیت کی شکل اختیار نہ کر لے تاکہ آئندہ گرفت اور مطالبہ میں سختی نہ کی جائے۔ اسی لیے آپ نے اس نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنا ترک فرما دیا اور صحابہ کو بھی اس کے پڑھنے سے اپنے زمانے میں جماعت کے ساتھ منع فرما دیا۔[۱]

---

[۱] بخاری و مسلم میں ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ ارشاد فرمانے کے بعد صحابہ کرام سے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

یقیناً اس سے بھی اسی اصول کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ قوانین واحکام کی اصلی روح کو محفوظ کر دینے کے بعد جزئیات کی تشریح و تفریع میں اجمال اور سکوت کی راہ قرآن ... جو عموماً اختیار کی گئی ہے حتی کہ نماز، اوقاتِ نماز تک کی یہ حالت ہے کہ اس کی ا... لی روح

وما امروا الا لیعبدوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین (البینۃ: ۵)	اور نہیں ذمہ دار ٹھیرائے گئے ہیں، لیکن صرف اسی بات کے کہ پوجے جائیں اللہ کو، دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوتے۔

یا نماز کا اصل مقصد

وأقم الصلوٰة لذکری (طٰہٰ: ۱۴)	کھڑی کرو نماز کو میری یاد کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپ نے فرمایا کہ "فعلیکم بالصلوٰة فی بیوتکم" یعنی اس نماز کو تم لوگ گھر میں پڑھ لیا کرو جس کا مطلب یہی ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تراویح کی جو نماز چند دن پڑھی گئی اس سے لوگوں کو روک دیا گیا، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تیرہ سو سال تک مسلمان جس نماز سے نبوی فرمان کی تعمیل میں رکے ہوتے تھے، اسی ممنوعہ نماز کو اس زمانہ میں بنام تراویح پڑھنے کی کیوں کوشش کی جارہی ہے عام مسلمان تراویح کے نام سے جو نماز رمضان میں پڑھتے ہیں وہ تو یہ سمجھ کر پڑھتے ہیں کہ یہ عہدِ نبوت کی نماز نہیں ہے بلکہ خلفاء راشدین کی قائم کردہ سنتوں میں سے ایک سنت ہے یعنی حضرت عمر نے اپنے عہد میں اس کو قائم فرمایا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کی سنت کو بھی سنت ہی فرمایا ہے اس لیے عمری تراویح پر بھی سنت کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے اس سے تراویح کی رکعتوں کا مسئلہ طے ہو جاتا ہے یعنی آٹھ رکعت والی تراویح عہدِ نبوت کی تو بحکمِ نبوی ممنوع ہو چکی تھی، اس آٹھ رکعت کو پھر پڑھنا ارشادِ نبوی کی خلاف ورزی ہے باقی بیس رکعت والی تراویح سو یہ حضرت عمرؓ والی تراویح ہے جو ابتدا سے اس وقت تک بیس ہی رکعتوں کی شکل میں ادا ہوتی رہی ہے۔

Marfat.com

نمازیوں سے جس چیز کا حقیقی مطالبہ ہے اسے

"الخاشعین الذین یظنون	خشوع طاری کرنے والے اپنے آپ پڑھیان
انھم ملقوا ربھم"	جماتے ہیں اس بات کا، کہ اپنے رب سے وہ ملاقات
(البقرہ: ۴۶)	کر رہے ہیں۔

وغیرہ آیتوں میں محفوظ کر کے نماز کے ظاہری عناصر واجزا مثلاً قیام و رکوع، سجود، قراۃ وغیرہ کا ذکر کچھ ایسے طریقہ سے مختلف مقامات میں مختلف حیثیتوں سے کیا گیا ہے کہ نماز اور اس کے اجزا کی باہمی ترتیب کی جو موجودہ شکل وصورت ہے، قرآن سے اس کو ثابت کرنے کی کوشش ظاہر ہے کہ ایک بے سود اور لاحاصل کوشش ہو گی۔

اور یہ قصہ کچھ ایک نماز ہی کا نہیں ہے۔ اسلام کے ارکان مہمہ زکوٰۃ، صوم، حج وغیرہ وغیرہ کی جو تفصیلات ہیں، کیا کسی کے بس میں ہے کہ مجرد قرآنی آیات سے ان تفصیلات کو نکال کر دکھائے، حضرت عمران بن حصین صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی قسم کی توقع رکھنے والے ایک آدمی کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا تھا۔

انک امرئ احمق اتجد فی	تم تو ایک بیوقوف آدمی ہو کیا کتاب اللہ میں تم یہ پا
کتاب اللہ الظھر اربعا ولا	سکتے ہو کہ نماز ظہر کی رکعتوں کی تعداد چار ہے اور یہ
یجھر فیھا بالقراۃ؟	کہ اس میں قراۃ جہر (آواز) کے ساتھ نہ ہونا چاہیے۔

اسی طرح زکوٰۃ اور اسی قسم کے چند دوسرے اسلامی ارکان کے نام لے لے کر اس شخص سے حضرت عمران پوچھتے جاتے تھے

اتجد ھذا فی کتاب اللہ	کیا کتاب اللہ میں اسے تم مفسر اور مفصل حال میں پا
مفسرا	سکتے ہو۔

آخر میں آپ نے فہمائش فرماتے ہوئے کہا

Marfat.com

ان کتاب اللہ ابہم ھذا — کتاب اللہ نے ان چیزوں کو مبہم اور مجمل شکل میں
وان السنۃ تفسر — بیان کیا ہے اور سنت نے ان کی تشریح و تفسیر
ذلک — کی ہے۔

قرآنی مطالبات میں اجمال و ابہام کا یہ رنگ کیوں اختیار کیا گیا؟ منجملہ دیگر وجوہ و مصالح کے جہاں تک میں خیال کرتا ہوں

یرید اللہ بکم الیسر ولا — چاہتا ہے اللہ تمہارے ساتھ آسانی، نہیں چاہتا
یرید بکم العسر (البقرۃ ۱۸۵) — تمہارے لیے دشواری۔

اور اس جیسی مختلف آیتوں میں جس تیسیر اور نرمی کے عام رحیمانہ اور رؤفانہ دستور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اگر اس کو بھی اس طرزِ عمل کے اختیار کرنے میں دخیل سمجھا جائے تو میرے نزدیک اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی، ورنہ ظاہر ہے کہ قرآن ہی میں تفصیل و تفسیر کا ارادہ اگر کر لیا جاتا تو اس سے بہتر تفسیر و تفصیل اور کس کی ہو سکتی تھی۔

پیغمبر کی عام تبلیغ کی ایک خصوصیت

بہرحال قرآن میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور قصداً اختیار کیا گیا۔ بلکہ جہاں تک آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے، خصوصاً علمائے احناف کا اس باب میں جو خیال ہے اس بنیاد پر تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اپنی عام تبلیغ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرآن کے اجمالی مطالبات کے صرف ان ہی تفصیلات و تشکیلات تک محدود رکھنے کی قصداً پوری کوشش کی ہے جن کا مسلمانوں کی زندگی سے عمومی و وجوبی تعلق تھا۔ یا علامہ[1] ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں

---

[1] علامہ ابوبکر جصاص جن کا اصلی نام احمد بن علی ہے فقہاء احناف کے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

مایلزم الکافۃ ویکونون — عام مسلمانوں کے لیے جن کی تعمیل لازم تھی، اور فرض
متعبدین فیہ بفرض لا یجوز — کی صورت میں جن کی بجاآوری ان کے لیے اس
لھم ترکہ ولا مخالفتہ — طریقہ سے ضروری تھی کہ جن کا نہ ترک کرنا جائز تھا
۴۸ اور نہ اس کی مخالفت روا تھی۔

اپنی فقہی تفسیر میں علامہ نے اس بڑی اہم اسلامی "اساس" کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

ان کل ما بالناس حاجۃ عامۃ فلا — جن شرعی امور کی ضرورت عام مسلمانوں کو ہے
بد ان یکون من النبی صلی اللہ — پیغمبر پر ضروری ہے کہ امت کو اس سے واقف
علیہ وسلم توقیف الامۃ علیہ ۴۹ — بنائیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ یہی وجہ ہے جس کی بنیاد پر

قال اصحابنا ماکان — ہمارے اصحاب (امام ابوحنیفہ، ابویوسف، محمد
من احکام الشریعۃ — وغیرہ) کا قول ہے کہ شریعت کے جن احکام کے جاننے
بالناس حاجۃ الی — کی عام لوگوں کو ضرورت ہے ان کے ثبوت کے لیے
معرفتہ فسبیل ثبوتہ — ضروری ہے کہ وہ عام طور پر امت میں شائع وذائع

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ان بزرگوں میں جنہیں مجتہد فی المذہب کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے لکھا ہے کہ شمس الائمہ وغیرہ جن کا شمار مجتہدین فی المذہب کے سلسلہ میں کیا جاتا ہے کلھم عیال علیہ یعنی الجصاص کے سب ہی منت شناس ہیں۔ دیکھو فوائد بہیہ ص ۱۶ مطبوعہ ہند، علامہ الجصاص کی ولادت ۳۰۵ھ میں اور وفات ۳۷۰ھ میں ہوئی ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ فقہ کے ساتھ علم حدیث میں بھی نمایاں قابلیت کے مالک تھے جس کی بڑی دلیل ان کی مشہور فقہی تفسیر ہے جو حال میں قسطنطنیہ میں شائع ہوئی ہے۔ ۱۲

Marfat.com

الاستفاضة والخبر	ہوں، اور ان کی خبر ایسے قوی ذریعہ سے پہنچی ہو
الموجب العلم ۵۰ھ	جس سے یقین پیدا ہو سکتا ہو۔

علامہ نے بھر بڑی تفصیل سے اس مسئلہ کو سمجھایا ہے ایک موقعہ پر اسی قسم کے چند شرعی احکام کا ذکر کر کے وہ فرماتے ہیں۔

لما کانت البلوی عامۃ من کافۃ	یہ یا ان جیسی چیزوں میں چونکہ عام لوگوں کو مبتلا ہونا
الناس بھذہ الامور ونظائرھا غیر	پڑے گا، اور ہر ایک سے ان کا تعلق ہو گا تو عام لوگ
جائز ان یکون فیہ حکم اللہ تعالیٰ	کو ان سے واقف کرنا خدا کی طرف سے ضروری ہوا
من طریق التوقیف الا وقد	ایسی صورت میں اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ
بلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم	پیغمبر نے اس کی یقیناً تبلیغ کی اور عام لوگوں (الکافہ)
ذلک ووقف الکافۃ علیہ ۵۱ھ	کو ان سے واقف بنایا

اسی بنیاد پر وہ کہتے ہیں کہ جن چیزوں کو ان کی عمومیت کی وجہ سے پیغمبر نے "الکافہ" اور عام لوگوں تک پہنچایا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پیغمبر سے جو چیزیں الکافہ تک پہنچی ہوں ان کے بیان کرنے والے بجائے الکافہ اور عام لوگوں کے اکے دکے صرف چند لوگ ہوں، علامہ فرماتے ہیں۔

غیر جائز علیھا ترك	ان عمومی مطالبات کے متعلق کسی طرح یہ بات جائز
النقل والاقتصار علی ما	نہیں ہو سکتی کہ لوگوں نے ان کی نقل و بیان کو چھوڑ دیا
ینقلہ الواحد منھم بعد	اور صرف اسی پر بھروسہ کر لیا ہو کہ ایک آدمی کے بعد
الواحد ۵۲ھ	ایک آدمی بھی اگر بیان کر دے گا تو وہ کافی ہو گا۔

علامہ نے ایک فقہی مثال سے بھی اس مسئلہ کو سمجھانا چاہا ہے بلکہ اسی مسئلہ کے ذیل میں انھوں نے حنفی مکتب خیال کے "اس اساسی قانون" کا "تذکرہ فرمایا ہے۔ انھوں نے رویتِ ہلال کے مسئلہ کا ذکر کیا ہے، یعنی رمضان کے چاند کا

Marfat.com

لوگوں کو انتظار ہو اور فرض کرو کہ ابر و غبار اور ہر قسم کی آلودگی سے مطلع صاف ہو، نگاہیں ٹکٹکی باندھے افق پر چاند کو تلاش کر رہی ہوں، تلاش کرنے والوں کی بینائیوں میں کسی قسم کا سقم اور خرابی بھی نہ ہو، ایسی صورت میں عام مجمع کے خلاف صرف ایک یا دو آدمی اگر دعوی کر بیٹھیں کہ میں نے چاند دیکھا ہے، تو ان کا یہ دعوی اور ان کی یہ خبر کیا در خور اعتنا اور قابلِ قبول ہو سکتی ہے؟ علامہ فرماتے ہیں۔

فغیر جائز ان یطلبہ الجمع الکثیر ولا علۃ بالسماء مع توانی ھممھم وحرصھم علی رویتہ ثم یراہ النفر الیسیر منھم ولا یراہ الباقون مع صحۃ ابصارھم وارتفاع الموانع عنھم ۵۳	یہ کبھی ممکن نہیں ہو سکتا کہ ایک بڑا مجمع چاند کو ڈھونڈ رہا ہو اور آسمان میں کسی قسم کی علت (گرد و غبار، ابر وغیرہ) بھی نہیں ہے، ان ڈھونڈھنے والوں میں ہر ایک چاہ رہا ہے کہ چاند پر اس کی نظر پڑ جائے ہر ایک کو اسی کی لو لگی ہوئی ہے مگر باوجود اس کے صرف چند اکے دکے آدمی تو چاند کو دیکھ لیں اور اپنی بینائیوں کی صحت و سلامتی کے ساتھ دوسرے نہ دیکھ پائیں حالانکہ موانع (غبار و ابر وغیرہ) بھی موجود نہیں ہیں۔

پھر خود ہی جواب دیتے ہیں۔

فاذا اخبر بذلک النفر الیسیر منھم دون کافتھم علمنا انھم غالطون غیر مصیبین فاما ان یکونوا راو اخیالا فظنوہ ھلالا او تعمدوا الکذب ۵۴	پس یہ چند اکے دکے چاند کے دیکھنے کے دعوے کرنے والے اگر چاند ہونے کی خبر "کافہ" یعنی عام مجمع کے مقابلہ میں دیں گے تو ہم یہی باور کریں گے کہ یہ دیکھنے والے ہی غلطی پر ہیں اور جو خبر دے رہے ہیں وہ صحیح نہیں ہے اب خواہ یہ ہوا ہو کہ ان لوگوں نے خیالی چاند کو واقعی چاند سمجھ لیا ہو یا

Marfat.com

قصداً غلط بیانی کر رہے ہوں۔

اور صرف علامہ جصاص ہی نے نہیں "تشریع اسلامی" کے اس مہتم بالشان اصول کی طرف حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی براہِ راست خود ہی اپنی اس مشہور تصنیف "رسالہ" میں بھی اشارہ فرمایا ہے جو اصول فقہ کی دنیا میں سب سے پہلی کتاب ہے۔ گو کچھ طوالت تو ضرور ہوگی مگر میرے نزدیک چونکہ فقہیات کی تدوین کی یہ بڑی اہم بنیاد ہے، اس لیے امام کے بھی جستہ جستہ فقرے نقل کرتا ہوں۔

جو چیزیں مسلمانوں میں اس نام سے پائی جاتی ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیش کی ہوئی ہیں۔ حضرت امام نے علم کے اس ذخیرے کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے ایک حصہ کی تعبیر ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

مانقلتہ عامۃ عن عامۃ — ایک وہ ہے جو عامہ سے عامہ تک منتقل ہوتا ہوا چلا آرہا ہے

امام فرماتے ہیں۔

وھذا الصنف کلہ من العلم موجود نصافی کتاب اللہ تعالیٰ وموجودا عاما عند اھل الاسلام ینقلہ کلہ عوامھم عن من مضی عن عوامھم یحکونہ عن اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؎ — علم کی اس قسم میں ایک تو وہ چیزیں مندرج ہیں جو صراحۃً اللہ کی کتاب میں پائی جاتی ہیں اور دوسری ہیں جو مذہب اسلام میں اس طور پر پائی جاتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہوئے عامۃ المسلمین انھیں ان عام مسلمانوں سے نقل کرتے ہوتے چلے آرہے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔

گویا امام کے نزدیک قرآنی مطالبات کے ساتھ وہ ساری چیزیں اسی صنف میں داخل

Marfat.com

ہیں جنھیں ایک نسل سے دوسری نسل تک ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک آنحضرت کی طرف منسوب کرتے ہوتے مسلمان اس طریقہ سے بغیر کسی ادنیٰ وقفہ اور ایک لمحہ کے انقطاع کے منتقل کرتے ہوئے چلے آرہے ہیں. جیسے قرآن ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا ہوا پہنچا ہے کہ مسلم ہی نہیں ایک غیر مسلم کے لیے بھی خدا کی طرف قرآن کا انتساب یہ تو محل بحث و نظر ہو سکتا ہے، لیکن یہ وہی کتاب ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خدا کی طرف سے دنیا میں پیش کیا ہے اس کا انکار ان تمام قطعیات کا انکار بن جاتا ہے جن کے ماننے پر تواتر و توافق کا قانون انسانی فطرت کو مضطر اور بے بس کیے ہوئے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قرآن کا انتساب جس بنیاد پر قطعی اور یقینی ہے، بجنسہ یہی حال ان تمام شرعی حقائق کا ہے جو علم و یقین کی اسی راہ سے مسلمانوں تک پہنچے ہیں. امام کے الفاظ میں ان کا علم بھی۔

علم عامۃ لا یسع	ایک ایسے عام علم کی حیثیت و نوعیت رکھتا ہے کہ
بالغا غیر مغلوب علی	ایک عاقل بالغ جس کی عقل جہل کے نیچے دبی نہ
عقلہ جھلہ	نہ ہو وہ ان سے جاہل نہیں رہ سکتا.

پھر بطور مثال کے امام نے سمجھاتے ہوتے لکھا ہے۔

مثل ان الصلوات خمس وان للہ علی	مثلاً یہ بات کہ نماز پانچ وقتوں کی فرض ہے لوگوں پر
الناس صوم شھر رمضان وحج	رمضان کے روزے فرض ہیں، بیت اللہ کا حج بشرط
البیت ان استطاعوا الیہ سبیلا	استطاعت فرض ہے ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض
وزکوۃ فی اموالھم وانہ حرم علیھم القتل و	ہے، سود، چوری، زنا، شراب یہ چیزیں
الربوا والزنا والسرقۃ والخمر وما کان فی	ان پر حرام ہیں اور جو بھی ایسی چیزیں ہوں
معنی ھذا	

ظاہر ہے کہ یہ سب ایسی چیزیں ہیں، جن کا ذکر یا تو قرآن میں صراحۃً پایا جاتا ہے یا

Marfat.com

قطعیت کی جس راہ سے قرآن کا علم اگلی نسلوں سے منتقل ہو کر پچھلی نسلوں تک پہنچا ہے، اسی راہ سے جو چیزیں ہم تک پہنچی ہیں یعنی وہی "ما نقلہ عامۃ عن عامۃ" کی راہ ان کی بھی ہے، اور بحمد اللہ یہ حال ان تمام شرعی مطالبات کا ہے جن کا تعلق عام مسلمانوں کی زندگی کے ساتھ وجوب و لزوم کا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے بعد جن شرعی مطالبات کی تعمیل عام مسلمانوں کے لیے ضروری اور ناگزیر تھی، پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تبلیغ عام کو چونکہ ان ہی کی حد تک محدود رکھا یہی وجہ ہوئی کہ جو چیزیں ایسی نہ تھیں جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے زیادہ تر یا تو ان سے خاموشی ہی اختیار فرمائی گئی یا کسی وجہ سے اگر ان کے متعلق کچھ فرمایا بھی گیا ہے تو اس طریقہ سے کہ مسلمانوں میں وہ الجصاص کے الفاظ میں۔

ما نقلہ الواحد بعد واحد — جسے ایک کے بعد ایک نے بیان کیا ہو،

کی شکل میں منتقل ہوئیں، یا امام شافعی نے جس کی تعبیر ان الفاظ میں فرمائی ہے یعنی

خبر الواحد عن الواحد حتی ینتھی به الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم[۵۷] — ایک کی خبر ایک سے وہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے۔

ان بزرگوں کا اشارہ دراصل دین کے اس ذخیرے کی طرف ہے جن کے ثبوت کا ذریعہ بجز ان حدیثوں کے جنہیں اصطلاحاً خبر احاد کہتے ہیں اور کچھ نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ بھی اگر تبلیغ عام کا طریقہ اختیار کر کے ان میں بھی استفاضہ اور عمومیت کی وہی کیفیت پیدا کر دی جاتی جو ان چیزوں کا حال ہے جن کی تعمیل ہر مسلمان کے لیے عام حالات میں ناگزیر ہے تو پھر ان کے مطالبہ کا رنگ بھی وہی شدت اختیار کر لیتا جو شارع علیہ السلام کا یہ مقصود نہ تھا، الجصاص لکھتے ہیں کہ خبر احاد ہونا ان کا، یہی دلیل اس بات کی ہے کہ

Marfat.com

فهم مخیرون فی ان یفعلوا ما	مسلمانوں کو ان امور کے متعلق اختیار ہے کہ جو چاہیں
شاؤا منہ وانما الخلاف	کریں (یعنی ترک و فعل کا اختیار ہے) فقہا میں ان کے
بین الفقهاء فیہ فی الافضل	متعلق اختلاف جو کچھ ہے وہ افضلیت میں ہے
منہ	۵۸ھ یعنی کرنا افضل ہے یا نہ کرنا

الجصاص ان چیزوں کو چند شرعی مثالوں سے سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں

وهذا سبیل ما ذکرت من امر	یہ حال ان چیزوں کا ہے جن کا میں نے ذکر کیا
الاذان والاقامۃ وتکبیر	یعنی اذان، اقامت (کے الفاظ کی تعداد کا جو مسئلہ
العیدین والتشریق ونحوها	ہے) یا عیدین و تشریق کی تکبیروں کا جو حال ہے کہ
من الامور التی نحن مخیرون	یہ ایسے امور میں جن میں ہمیں اختیار بخشا
فیها	گیا ہے۔

پھر اس شبہہ کے ازالہ کے لیے کہ جب مسلمانوں کو اختیار دیا گیا ہے تو ان ہی امور کے متعلق فقہا میں اختلاف کیوں پایا جاتا ہے اگرچہ پہلے بھی جواب کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ لیکن دہرا کر پھر فرماتے ہیں۔

انما الخلاف بین الفقهاء	فقہا کا اختلاف ان امور میں صرف اس حد تک ہے
فی الافضل منها۔	کہ افضل اور بہتر کیا ہے۔

علامہ نے اس کے بعد لکھا ہے۔

فلذلک جاز ورود بعض	یعنی ان امور کی اسی خصوصیت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ
الاخبار فیہ من طریق الاحاد	بعض خبروں کا بطریق احاد وارد ہونا جائز ہوا۔

کیونکہ بالفاظ جصاص

لیس علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	جن چیزوں میں مسلمانوں کو اس قسم کا اختیار دیا گیا
توقیفهم علی الافضل مما	ہو، ان میں افضل اور بہتر کیا ہے، ان سے الگ

Marfat.com

خیر هم فیہ (یعنی عامۃ الناس) کو مطلع کرنا پیغمبر کے لیے ضروری نہیں ہے۔

پھر آحاد ذرائع سے جو حدیثیں مروی ہیں ان میں کبھی کبھی جو اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً رکوع سے اٹھنے اور رکوع میں جانے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اٹھانے کا مسئلہ ہے جسے رفع الیدین کہتے ہیں ان ہی احاد خبروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا گیا اور بعضوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نہیں دیکھا گیا۔ اسی طرح بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آمین زور سے کہی جاتی تھی، بعضوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ سے۔ جصاص ان کے متعلق اپنا خیال یہ ظاہر کرتے ہیں کہ

یحمل الامر علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد کان منہ جمیع ذلک تعلیماً منہ وجہ التخییر۔ یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ ان میں ہر دو پہلو کا مسلمانوں کو اختیار ہے، اسی کو بتانے اور اسی کی تعلیم دینے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب باتیں وقوع پذیر ہوئی ہیں

حضرت امام شافعی نے بھی اس قسم کی چیزوں کے متعلق رسالہ میں اس کی تصریح کی ہے کہ عوام میں ان کا شائع اور مستفیض ہونا ضروری نہیں بلکہ

فانما ھی من اخبار الخاصۃ لا من اخبار العامۃ ۵۹ھ یعنی خاص آدمی کی خبر چونکہ ہوتی ہے اس لیے ان کا علم بھی خاصہ ہی تک محدود رہتا ہے، یہی وجہ ہے ان کو علم والے ہی جانتے ہیں۔

گویا حاصل یہ ہوا کہ شریعت اسلامی کے وہ سارے عناصر و اجزاء جن کی عامۃ الناس کو حاجت تھی، پیغمبر نے ان کی تبلیغ بھی اس شان کے ساتھ کی اور اسی شان سے کرنا بھی چاہیے تھا کہ عام مسلمانوں میں وہ شائع و ذائع ہو گئے، اور پہلی

Marfat.com

نسلوں نے پچھلی نسلوں تک ان کو اس طرح پہنچا دیا کہ قریب قریب ان کی حیثیت ان امور کی ہو گئی ہے جن میں تواتر کی وجہ سے شک و شبہہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے، دین کی ایسی ساری چیزیں جن پر مسلمانوں کا اتفاق ہے عموماً ان کا یہی حال ہے اس لیے میں کہتا ہوں کہ قرآن ہی نہیں بلکہ قرآن کے سوا بھی جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں ان کا ایک بڑا عظیم حصہ متواتر ہے۔

ایک نماز ہی کو لے لیجئے قرآن میں تو صرف "اقیموا الصلوٰۃ" کا صرف مطالبہ کیا گیا ہے لیکن جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حوالے سے ابھی یہ بات گزری کہ نماز ظہر کی رکعتوں کا چار یا مغرب کی تین، صبح کی دو ہونا، یا ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدوں کا ہونا یا ازیں قبیل نماز کے وہ سارے اجزاء جن پر مسلمانوں کا اتفاق ہے، یہ ہم تک جو منتقل ہوتے تو اسی طریقہ سے ہوتے ہیں کہ لاکھ ڈیڑھ لاکھ صحابہ دن میں پانچ دفعہ ان پر عمل کرتے تھے، ان سے نماز کی یہی شکل ان کے بعد والی نسل تک پہنچی اور ان سے ان کے بعد والوں تک تا اینکہ پہلی صدی ہجری میں زمین کے باشندوں کی کروڑ ہا کروڑ تعداد رکھنے والی ایک قوم کا وہ اجتماعی عمل بن گیا اور نسلاً بعد نسلٍ وہی اجتماعی عمل مسلمانوں میں منتقل ہوتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ اور یہی حال ان عام اعمال و افعال کا ہے جن کا جصاص کے الفاظ میں "کافۃ الناس" سے اور امام شافعیؒ کے الفاظ میں "العامۃ" سے تعلق ہے یہی بنیاد ہے اس دعویٰ کی کہ قرآن کے بعد حدیث کا وہ سارا ذخیرہ جس کا تعلق ان ہی کافۃ الناس والے امور سے ہے، ان کی حیثیت گویا متواتر کی ہے اور میں نہیں جانتا کہ بجز ان لوگوں کے جو بقول امام شافعیؒ مغلوب العقل ہوں کوئی اس دعویٰ کی صداقت میں متذبذب ہو سکتا ہے۔

لیکن اسی کے مقابلہ میں دین کے جن مطالبات کی یہ کیفیت نہ تھی وہ اگر ہم

Marfat.com

تک آحاد خبروں، یا الواحد عن الواحد کی راہ سے پہنچے ہیں تو ان کے متعلق یہ خیال کرنا کہ یہ کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ ہے صحیح نہ ہوگا، بلکہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود ہی ان کے متعلق کچھ ایسا طرزِ عمل اختیار فرمایا کہ ان میں استفاضہ و شہرت و شیوع کی وہ کیفیت پیدا نہ ہو سکی۔ پس خبر احاد کی شکل میں ان کا منتقل ہونا، یہ واقعہ ہوا نہیں ہے بلکہ کیا گیا ہے اور قصداً کیا گیا ہے۔ نبوت کی دوررس نگاہ سے یہ راز اوجھل نہیں رہ سکتا تھا کہ عہدِ نبوت میں ان کے ساتھ اگر یہ طرزِ عمل اختیار نہ کیا جائیگا تو ان میں بھی وہی رنگ بالآخر پیدا ہو جائے گا جو ضروریاتِ دین کے مطالبہ کا رنگ ہے تراویح کی نماز کی مثال گزر چکی یعنی اسی اندیشہ سے کہ مسلمانوں میں وجوب اور فرضیت کا رنگ کہیں یہ نماز نہ اختیار کر لے آپ نے ترک فرما دیا اور یہ تو فعلی مثال تھی، پیغمبر کی نظر (صلوات اللہ علیہ وسلامہ) دین کے ان دقائق پر کس حد تک رہتی تھی اس کا اندازہ اس قولی حدیث سے بھی ہو سکتا ہے جو حج کے متعلق صحاح کی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن میں حج کے مطالبہ والی آیت "للہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا" (لوگوں پر اللہ کے گھر کا حج واجب ہے جو راہ کی استطاعت رکھے) نازل ہوئی، تو ایک صحابی نے حسب دستور قرآنی مطالبات کے اجمالی رنگ کو پیشِ نظر رکھ کر چاہا کہ پیغمبر سے اس کی تفصیل پوچھی جائے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ انھوں نے آنحضرت کو خطاب کر کے دریافت کیا

افی کل عام   کیا یہ حج مسلمانوں پر ہر سال فرض کیا گیا ہے

یارسول اللہ؟   اے اللہ کے رسول ؐ

قرآنی مطالبات کا اجمالی ہونا یہ تو درست تھا، لیکن اسی کے ساتھ دوسرا نکتہ جو یہ تھا کہ جس اجمال کی تفصیل عام مسلمانوں کے لیے ضروری ہوتی تھی جیسا کہ جصاص

Marfat.com

نے لکھا ہے پیغمبر پر تو خود ہی اس کی عام تبلیغ واجب تھی اور یہ کہ جن تفصیلات کی نوعیت یہ نہ تھی، عموماً پیغمبر اس سے خاموشی اختیار فرماتے تھے بس یہی نکتہ تھا جو پوچھنے والے صحابی کے سامنے اس وقت نہ رہا روایت ہے کہ سوال کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ خاموشی اور سکوت ہی کی راہ سے تشریع کا جو طریقہ ہے وہ انھیں سمجھا دیا جائے اس لیے باوجود ان کے دریافت کرنے کے آپ خاموش ہی رہے۔ حدیث میں ہے۔

فسکت (یعنی اس سوال پر بھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ چپ ہی رہے)

مگر خدا جانے ان صحابی پر اس وقت کیا حال طاری تھا کہ آپ کی خاموشی سے بھی ان کو تنبیہ نہ ہوئی دوبارہ انھوں نے اپنے اسی سوال کو دہرایا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اب بھی خاموش ہی رہے، بات ان کے پھر بھی سمجھ میں نہ آئی اور تیسری دفعہ بھی

أفی کل عام — کیا یہ حج مسلمانوں پر ہر سال فرض کیا گیا ہے

یا رسول الله ؟ — اے اللہ کے رسولؐ

وہ کہہ رہے تھے۔ جب سوال کی نوبت اس حد کو پہنچ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ فرمالیا کہ اب خود ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے گی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو مخاطب فرماتے ہوئے پہلے "تو" "لا" یعنی نہیں کے ذریعہ سے جواب دیا جیسا کہ ترمذی میں ہے۔

قال لا — یعنی جواب میں ارشاد ہوا کہ نہیں ہر سال فرض نہیں ہے بلکہ

عمر بھر میں ان مسلمانوں پر جو زاد راہ کی استطاعت رکھتے ہوں ایک دفعہ فرض ہے اس کے بعد مطالبات شرعیہ کی تبلیغ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طرز عمل تھا، اس کی تشریح ان الفاظ میں فرماتے ہوئے ان کو سمجھانا شروع کیا۔

Marfat.com

ذرونی ما ترکتم　　چھوڑ دیا کرو مجھے اس چیز میں جسے چھوڑ دیا کروں میں تم لوگوں کے لیے　(مسلم)

جس کا وہی مطلب ہے جس کی طرف علامہ جصاص اور حضرت امام شافعیؒ نے اشارہ فرمایا تھا کہ جن مطالبات کی نوعیت ضرورت و وجوب کی ہے انھیں تو میں خود ہی پہنچانے پر آیتِ قرآنی

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل　　اے پیغمبر پہنچا دیا کرو، ان چیزوں کو جو تم پر
الیك من ربك فان لم تفعل　　نازل کی گئی ہیں، اگر ایسا نہیں کروگے تو تم نے
فما بلغت رسالته　　اپنے پیغام کو نہیں پہنچایا۔
(المائدۃ : ۶۷)

کے فرمانِ الٰہی سے خود ہی مامور ہوں۔ خواہ ان کا نزول وحی جلی (قرآن) کے ذریعہ سے ہو، یا قرآن کے اجمالی مطالبات کی جو تفصیلات آپ کو خدا کی طرف سے دوسرے ذرائع سے بتائے جاتے ہوں وہ ہوں[1]۔ اور جن امور کے متعلق یہ طریقہ اختیار نہیں کرتا بلکہ "چھوڑ دیتا ہوں" تو تم لوگ خواہ مخواہ پوچھ پوچھ کر اس اجمال کے کسی خاص پہلو کو متعین کرانے کی کوشش نہ کیا کرو، آپ نے بطور تمثیل کے اس کے بعد سمجھایا کہ اگر میں تمہارے سوال کے جواب میں بجائے "نہیں" کے "ہاں" کہہ دیتا تو بلاوجہ ایک ایسی بات جس میں

---

[1] مثلاً جبریل امین نے آکر آپ کو نماز اور وقتِ نماز وغیرہ باتیں بتائیں۔ کبھی یہ ہوتا تھا، کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اس علم کا الہام ہوتا تھا جس کی تعبیر نفث فی روعی (میرے دل میں پھونکا گیا) سے فرماتے تھے، علماء کا یہ بھی خیال ہے کہ مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں بھی بعض مجملات کی تفصیلات آپ پر واضح ہو جاتی تھیں۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا "ان ھو الا وحی یوحی" ہی تھا (یعنی نہیں ہے وہ مگر جو آپ پر وحی کی جاتی ہے)

Marfat.com

مسلمانوں کو اختیار حاصل تھا اس میں مقید ہوجاتے، حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا

ولو قلت نعم لوجبت اگر میں ہاں کر دیتا تو پھر وہی واجب ہوجاتا یعنی ہر سال مسلمانوں پر حج فرض ہوجاتا۔

یعنی وہی بات جس کی طرف ابن عباسؓ نے بنی اسرائیل کے قصہ ذبح بقرہ میں اشارہ کیا ہے۔

ان بنی اسرائیل لو اگر بنی اسرائیل کسی معمولی ادنیٰ درجہ کی گائے کو اخذوا ادنیٰ بقرۃ پکڑ لاتے (اور ذبح کر دیتے) تو ان کی طرف سے لاجزأت عنهم کافی ہوجاتا۔

مطلب یہ ہے کہ ذبح گاؤ کا جو مطالبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل پر پیش کیا تھا، اگر بنی اسرائیل سوال کر کر کے جواب میں قیود کا اضافہ نہ کراتے جاتے اور کوئی سی بھی گائے لاکر ذبح کر دیتے تو خدا کا مطالبہ پورا ہوجاتا، لیکن جس چیز میں ان کو اختیار تھا خواہ مخواہ پوچھ گچھ کے قصہ کو بڑھا کر اپنے لیے انھوں نے خود تنگی پیدا کرلی۔

بہرحال آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حج والے قصہ میں بھی اس کی وجہ بتلاتے ہوئے کہ جن مطالبات میں ضرورت اور شدت کا رنگ نہیں ہوتا جن کا پہنچانا منصبِ نبوت کے لحاظ سے پیغمبر کے ضروری اور ناگزیر فرائض میں نہیں ہے۔ مثلاً یہی بات کہ ہر سال کسی مسلمان کو اگر حج کی توفیق ہو تو ظاہر ہے کہ ایک ایسے کام کی اسے توفیق بخشی گئی جس کی فضیلتوں اور رفعتوں کا کون اندازہ کرسکتا ہے، مگر باوجود ان فضیلتوں کے ہر سال حج کرنا چوں کہ فرض نہ تھا اس لیے بجائے تبلیغ عام کے سکوت اور ترک کا طریقہ کیوں اختیار کیا گیا، اسی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

لو قلت نعم لوجبت ولما اگر میں ہاں کہ دیتا تو وہ واجب ہوجاتا اور تم پھر

Marfat.com

استطعتم وانما اهلك	اسے سنبھال نہ سکتے، جو لوگ تم سے پہلے تباہ
من کان قبلکم کثرۃ	ہوئے وہ سوالوں کی کثرت ہی سے تباہ ہوئے
سوالھم واختلافھم علی	اور اس لیے تباہ ہوئے کہ اپنے پیغمبروں کے
انبیائھم	متعلق مختلف ہونے لگے۔

مقصد مبارک یہی تھا کہ امت کی سہولت اور حتی الوسع ان کے لیے ممکنہ گنجائش پیدا کرنا، میری اس خاموشی کا یہی سبب ہوتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے فضائل کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حتی الوسع ترک ہی کا طریقہ اختیار فرمانا چاہتے تھے۔

لیکن اگر بالکلیہ خاموشی ہی اختیار کر لی جاتی اور جو لوگ ان فضائل کو حاصل کرنا چاہتے تھے ان کو عمل پر ابھارنے والی کوئی چیز نہیں رہتی۔ یہی راز ہے کہ عام تبلیغ کے لحاظ سے سکوت اختیار کرتے ہوئے خصوصی طور پر بعض لوگوں کو ان کے فضائل پر بھی مطلع کر دیا جاتا تھا، یہی حج ہے جس کے متعلق عام طریقۂ بیان تو یہ تھا، لیکن جن صحابہ نے ایک سے زیادہ دفعہ حج کیا اور ان میں مشکل ہی سے کوئی ہوگا جو اس فضیلت سے محروم ہو، حتی کہ حسنین علیہما السلام کے متعلق تو سب ہی جانتے ہیں کہ کوتل سواریوں کو ساتھ رکھنے کے باوجود ان نبی زادوں نے پچیس پچیس حج کیے۔ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بخاری وغیرہ میں نفلی حج کے فضائل کی جو حدیث مروی ہے اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ

فلا ادع الحج اذ سمعت	پس نہ چھوڑا میں نے حج کو جب سے رسول اللہ
ھذا من رسول اللہ صلی اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی۔
علیہ وسلم	

ظاہر ہے کہ یہ اثر ان ہی حدیثوں کا ہے جو عام نہیں بلکہ تبلیغِ خاص کی راہ سے

Marfat.com

صحابہ میں پہنچی تھیں حتی کہ اس سلسلہ میں تو بعض صحابہ کے متعلق یہاں تک بیان کیا جاتا ہے مثلاً حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ان عبدا اذا اصححت بدنہ	ایک بندہ جس کے بدن کو میں نے چاق و تندرست
داوسعت علیہ فی الرزق	رکھا اور روزی میں اس کے وسعت عطا کی،
ولم یفد علی فی کل اربعۃ	باوجود اس کے ہر چار سال بعد وہ میرے یہاں نہ
اعوام المحروم۔	آیا تو ایسا آدمی محروم ہے

یعنی مواقع رکھتے ہوئے زندگی کی ایک بڑی قیمت سے محروم رہا، اور سچی بات بھی یہی ہے کہ معمولی دنیاوی بادشاہوں کی ڈیوڑھیوں میں کسی کو باریابی کا موقعہ اگر مل جاتا ہے تو حتی الوسع حاضر باش ہونے کی کوشش سے نہیں تھکتا، اگر کسی دن ناغہ ہو جاتا ہے تو اسے اپنی بڑی محرومی سمجھتا ہے بلکہ حج میں تو بات کچھ اس سے بھی آگے بڑھی ہوتی ہے کہ حکومت سے زیادہ محبت و عشق کی جلوہ نمائیوں کا حصہ اس عبادت میں زیادہ ہے کون عاشق ہوگا جو محبوب کے در کی رسائی کے امکان کو پاتے ہوئے قصداً محروم بنیگا

خیر یہ تو الگ بات ہے، میں یہ کہہ رہا تھا کہ جس عمل میں حسنات، رفع درجات کی یہ کیفیتیں پوشیدہ ہیں اس کے متعلق بھی جب تبلیغ عام کو پسند نہ فرمایا گیا بلکہ وہ راہ اختیار کی گئی جس کی وجہ سے بجائے استفاضہ اور شیوع عام کے اس کی حیثیت امام شافعیؒ کے الفاظ میں

خبر الواحد عن الواحد	ایک کی خبر ایک سے تا اینکہ اسی طریقہ سے رسول
حتی ینتھی بہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔	اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تک وہ خبر پہنچے۔

کی ہو گئی، آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ سمجھ بوجھ کر انسانی

Marfat.com

فطرت کے ساتھ پیغمبر کے اقوال و اعمال کا جو تعلق ہے، اور جسے قدرتاً ہونا ہی چاہیے اسی کو پیش نظر رکھ کر قصداً و عمداً یہ طریقہ اختیار کیا گیا، تبلیغ عام کی صورت میں اندیشہ تھا کہ جس گنجائش کو ان امور میں شریعت قصداً باقی رکھنا چاہتی ہے کہیں آگے چل کر تنگی کی شکل نہ اختیار کر لے۔

لیکن یہ رعایتیں تو ہم جیسے عوام کے لیے تھیں جن کے لیے آج ان وجوبی مطالبات سے بھی عہدہ برا ہونا دشوار ہو رہا ہے جن کے وجوب و فرضیت میں شک و شبہ کی قطعاً کسی حیثیت سے کوئی گنجائش نہیں ہے، ہر سال والے کو تو جانے دیجئے، عمر بھر میں ایک دفعہ جو حج فرض ہے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر فیصلہ کرنے والے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ استطاعت کے انتہائی مرتبہ پر رہنے کے باوجود کتنے سال گزرے اور گزر رہے ہیں جن میں بہتوں کے دل میں تو ادائی فرض کا کوئی خطرہ بھی نہیں گزرا ہے اور جن کے اندر احساسِ فرض کے جذبہ میں کبھی حرکت بھی ہوتی ہے تو کتنے حیلے اور بہانے اُٹھ اُٹھ کر اسے سکون سے بدل دیتے ہیں تمہیل و تسویف کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جو جاری ہے۔

لیکن ہم کوتاہ نصیبوں کے ساتھ ساتھ آخر آدم ہی کی اولاد میں بیدار بختوں اور بلند نگاہوں کا وہ طبقہ بھی تو ہے جو پیغمبر کی ہر ادا پہ قربان اور ان کے ادنیٰ ادنیٰ اشاروں کا نگہبان بنا ہوا ہے آواز آئی کان میں کہ میرے محبوب نبی کا یہ منشاء مبارک تھا اس سے بحث نہیں کہ فرض ہے یا واجب، سنت ہے یا مستحب، اولیٰ ہے یا افضل، تواتر کی راہ سے یہ بات پہنچی ہے یا شہرت و استفاضہ کے طریقہ سے۔ خبر احاد ہے یا مشہور، بہرحال اس کی تعمیل ہی کو مقصدِ حیات بنائے ہوئے ہیں جو کچھ مل سکتا ہے اسے کیوں چھوڑا جائے "دین" میں بھی ان کا حال ہے جیسے ابناء الدنیا میں وہی اقبال مند سمجھے جاتے ہیں جنھوں نے جو کچھ مل سکتا تھا، جس راہ سے بھی مل سکتا تھا اس کے حاصل کرنے میں

Marfat.com

سستی اور کاہلی سے کام نہ لیا ہو۔

امت ہی کے آخر یہ بھی افراد تھے، ان کا خیال بھی ضروری تھا، یہ ان ہی کی خاطر منظور تھی کہ تبلیغِ علم کی راہ کی پوری نگرانی کرتے ہوئے کسی نہ کسی طرح ان چیزوں کو بھی پیغمبر نے آخر پہنچا ہی دیا، جن کے ترک کرنے والے تو مواخذہ کے دائرہ سے نکل جاتے ہیں۔ لیکن جو ان سے نفع اٹھانا چاہتے ہیں وہ بھی محرومی سے محفوظ ہو گئے۔ یعنی خبر الخاصہ عن الخاصہ امام شافعیؒ کے الفاظ میں یا الواحد بعد الواحد جصاص کے الفاظ میں، یا عام اصطلاح میں جسے خبر آحاد کی راہ کہتے ہیں، یہ چیزیں بھی امت تک بہرحال پہنچ ہی گئیں۔

ان ہی وقیقہ سنجیوں اور نکتہ نوازیوں کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک طرف پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال آتا ہے کہ خاص راہ والی چیزوں کو جمع کر کے محفوظ کر دیا جائے، نبی کی ناسوتی صحبت سے محرومی کا حادثہ تازہ ہے، وہ نہیں تو ان کی باتوں ہی سے دل بہلایا جائے، شدتِ جوش و ولولہ میں اٹھتے ہیں اور جیسا کہ ذہبی نے لکھا ہے کہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں۔

جمع ابی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت خمسمائۃ حدیث تذکرہ	میرے والد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو جمع کیا اور یہ پانچ سو حدیثوں کا مجموعہ تھا۔

(ج ۱ ص ۵)

گویا قریب قریب موطا مالک کی حدیثوں کی جو کتاب ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قلم سے حدیث کی یہ کتاب مدون فرما چکے تھے، آگے جو کچھ بیان کیا گیا ہے اگرچہ خود روایت میں اس کے سبب کو صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ظاہر نہیں فرمایا لیکن پیغمبر کا جو نقطۂ نظر حدیث کے اس صنف کے متعلق تھا۔ اگر اس کو سامنے رکھ

Marfat.com

لیا جائے تو بآسانی یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اتنے عظیم کام کو جو قیامت تک باقی رہنے والا تھا، انجام دینے کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا خیال کیوں بدل گیا اور اتنا بدل گیا کہ حضرت عائشہؓ بھی فرماتی ہیں۔

فبات لیلۃ یتقلب کثیرا — رات کو جو سوئے تو کروٹوں پر کروٹیں بدل رہے ہیں (میں نے اس حال میں ان کو دیکھا)

فرماتی ہیں۔

فغمنی — اس بات نے مجھے تشویش میں ڈال دیا

آخر ان سے نہ رہا گیا اور والد کو اپنے مخاطب کر کے عرض کرنے لگیں

اتتقلب لشکوی — آپ کروٹیں کیوں بدل رہے ہیں کیا کوئی تکلیف

اولشئ بلغک — ہے یا کوئی بات ایسی پہنچی ہے جو موجب تشویش ہو

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس وقت کچھ جواب نہیں دیا، ان کو صرف صبح کا انتظار تھا فرماتی ہیں کہ ادھر صبح کی روشنی ہوئی دیکھا کہ مجھے پکار رہے ہیں اور فرماتے ہیں

ھلمی الاحادیث — حدیث کا جو مجموعہ میں نے جمع کیا ہے اور تمہارے

التی عندک — پاس ہے ابھی میرے پاس لاؤ۔

حکم کی تعمیل کی گئی۔ کتاب حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں تھی۔ فرماتی ہیں

فدعا بنار فاحرقھا — آگ منگوائی اور اسے جلا دیا

کیوں جلا دیا؟ اس کی وجہ جیسا کہ ان کے آئندہ بیان سے معلوم ہوتا ہے یہ تھی کہ یہ ایسی حدیثیں نہیں تھیں جنھیں پیغمبرؐ نے تبلیغ عام کی راہ سے لوگوں کو پہنچائی ہوں، بلکہ خبر الخاصہ تھی اور اسی لیے ان کو خبر الخاصہ ہی کی شکل میں رکھا گیا تھا تاکہ آئندہ لوگوں میں یہ چیزیں اتنی اہمیت نہ حاصل کر لیں جو خبر العامہ عن العامہ کے مطالبات کی خصوصیت ہے۔ لیکن اس نکتہ کو کہ حدیث کی جو کتاب خلیفہ اول کے قلم سے لکھی ہوئی مسلمانوں تک

Marfat.com

جب منتقل ہو گی تو آئندہ اہمیت و عظمت، اعتماد و قطعیت کے کس مقام تک وہ پہنچ جائے گی، اگر رسول کا پہلا جانشین نہ محسوس کر سکتا تھا تو اور کون کر سکتا تھا جہاں تک میرا خیال ہے حضرت کے یہ الفاظ

قال خشيت ان اموت	مجھے اندیشہ ہوا کہ میں مر گیا اور یہ کتاب میرے پاس
وهي عندي فيكون	رہی (جس کا یہی مطلب ہے کہ اپنی وفات کے
فيها احاديث	بعد آئندہ نسلوں پر جو اس کا اثر پڑنے والا تھا
عن رجل قد ائتمنته	اب اس کا خیال ان کے سامنے آیا) اور اس میں ایک
ووثقت ولم يكن	آدمی کی روایتیں ہوں (جو دلیل ہے کہ خبر احاد کا
كما حدثني	مجموعہ تھا) اور یہ ایک آدمی ایسا ہو کہ میں نے اس
فاكون قد	پر بھروسہ کیا، لیکن بات وہ نہ ہو جو اس نے بیان
نقلت ذالك.	کی اور میں نے اسے نقل کر دیا

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں بہ ظاہر اس کا مطلب وہی ہے کہ ایک دو آدمی تک اسی لیے ایسی حدیثیں پہنچائی گئی تھیں تاکہ ان میں قطعیت کا وہ رنگ پیدا نہ ہو، جو وجوبی مطالبات کی خصوصیت ہے کہ شک و شبہ کی ان میں گنجائش ہی نہیں ہوتی، لیکن صحیفہ صدیقی میں داخل ہو جانے کے بعد یہی کیفیت ان میں پیدا ہو جائے گی اسی لیے آگے آپ نے فرمایا۔

هذا لا يصح	اور ایسا کرنا درست نہ ہوگا۔

کہ جو پیغمبر کا منشاء مبارک ہے وہی غائب ہوا جاتا ہے۔ اگر یہ مطلب نہیں ہے تو کیا العیاذ باللہ صحابہ کی عدالت پر حضرت ابوبکر صدیق کو بدگمانی ہو سکتی تھی، بلکہ بات وہی ہے کہ ایک دو آدمی کی خبر میں ظاہر ہے کہ قطعیت کا رنگ قدرتاً نہیں پیدا ہوتا۔ اور ان کے اس طرزِ عمل سے اسی رنگ کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ ورنہ شک و شبہ کی طرف گنجائش

Marfat.com

کی وجہ سے انھوں نے اس مجموعہ کو اگر ضائع فرما دیا تو سوال پیغمبر ہی کے متعلق پیدا ہوتا ہے کہ بجائے عام تبلیغ کے خبر الخاصہ کا طریقہ اختیار کر کے شک وشبہ کی گنجائش کیوں پیدا کی، آخر میں جس پیغمبر نے قرآن اور قرآن کے مجمل مطالبات کے ان تفصیلات و عملی تشکیلات کو جن کی تعمیل واجب تھی عام تبلیغ کے ذریعہ سے قطعی بنا دیا وہی کیا اس کا بندوبست نہیں کر سکتے تھے کہ خبر احاد کی راہوں سے روایت ہونے والی حدیثوں میں بھی وہی رنگ پیدا ہو جاتا اور میں تو سمجھتا ہوں کہ عہد صدیقی کے بعد جب عہد فاروقی میں ان ہی حدیثوں کو پھر کتاب کی شکل میں جمع کرنے کا ارادہ کیا گیا جیسا کہ بیہقی کی مدخل سے یہ روایت نقل کی جاتی ہے کہ

اراد ان یکتب السنن	حضرت عمر نے چاہا کہ السنن یعنی وہی خبر الخاصہ
فاستشار فی ذلک اصحاب	عن الخاصہ کو لکھیں تب آپ نے رسول صلی اللہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	علیہ وسلم کے صحابیوں سے مشورہ فرمایا۔ ان
وسلم فاشاروا علیہ ان	بزرگوں نے یہی مشورہ دیا کہ لکھا جائے۔
یکتبھا	

مگر دوسروں پر اس مسئلہ کی اہمیت اتنی کیسے روشن ہو سکتی ہے جتنی اسلام کے فاروقِ اعظم رض کی دوررس نگاہ لے سے پا سکتی تھی، اولاً تو مسئلہ کی اہمیت کا تقاضا ہی تھا جو استشارہ کیا گیا، ورنہ پیغمبر کی حدیثوں کا جمع کرنا اور وہ بھی صحابہ کے لیے جو شمع محمدی کی ہر کرن کے پروانے تھے کیا کوئی مشورہ طلب بات ہو سکتی تھی؟ بہرحال استشارہ پر عمر فاروق کے دل کو اطمینان نہ ہوا، ان کا ضمیر محسوس کر رہا تھا کہ پیغمبر کی منشاء میں غالباً اس سے کچھ ترمیم ہوتی ہے، لیکن جن اقوال واعمال سے ان بزرگوں کو زندگی ملی تھی، دکھ ہوتا تھا کہ اگر قیدِ کتابت میں ان کو نہ لایا گیا تو ان کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، یہی دوگونہ کشمکش تھی جس نے بالآخر ان کو اس عمل کی طرف متوجہ کیا جو اس قسم کے متخالف

Marfat.com

پہلو رکھنے والے مسائل میں فیصلہ تک پہنچنے اور دل کو مطمئن کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا، یعنی استشارہ کے بعد حضرت عمر نے استخارہ کی راہ اختیار کی، اور کیسا استخارہ ایک دن دو دن کا نہیں، اسی کتاب میں ہے،

فطفق عمر یستخیر فیها شهرا — کامل ایک مہینہ تک حضرت عمر استخارہ فرماتے رہے

کیسی سخت کش مکش اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو اس مسئلہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اندر پا رہے تھے۔ جب کامل ایک مہینہ مسلسل دعا کرنے میں گزر گیا، تب دل میں جس پہلو کے متعلق انھوں نے آخری فیصلے کو پایا اس کا اعلان جن لفظوں میں آپ نے کیا ہے میں بجنسہ اسی کو نقل کرتا ہوں، اسی کتاب میں ہے۔

فاصبح یوما وقد عزم اللہ له	تو ایک دن جب صبح ہوئی اور حق تعالے ان کے اندر
فقال انی کنت اردت ان	عزم کو پختہ فرما چکے تھے حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے
اکتب السنن وانی ذکرت	چاہا تھا کہ "السنن" کو لکھوں، تو مجھے یاد پڑے وہ لوگ
قوما کانوا قبلکم کتبوا کتبا	جو تم سے پہلے تھے انھوں نے کتابیں لکھیں اور ان
فاکبوا علیها وترکوا کتاب اللہ	پر ٹوٹ پڑے اور اللہ کی کتاب کو انھوں نے چھوڑ
وانی واللہ لا البس کتاب اللہ	دیا قسم ہے اللہ کی میں اللہ کی کتاب کو کسی دوسری
بشیئ ۱۲۶	چیز کے ساتھ گڈمڈ ہونے نہ دوں گا۔

لیکن یہ بات کہ

واللہ لا البس کتاب اللہ	خدا کی قسم اللہ کی کتاب کے ساتھ کسی چیز کو گڈمڈ
بشیئ	ہونے نہ دوں گا۔

کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خیال فرماتے تھے کہ دنیا جہان میں تا بقیام قیامت جو مسلمان بھی جو کتاب لکھے گا وہ قرآن کے برابر ہو کر اسی قدر اہمیت حاصل کرلے گی، ظاہر ہے کہ ایسی بات جو خلاف واقعہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

جیسے صائب رائے رکھنے والے آدمی کیسے سوچ سکتے تھے، کروڑہا کروڑ کتابیں مسلمان اب تک لکھ چکے ہیں جن میں سینکڑوں کتابیں وہی ہیں جن کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف حدیثیں جمع کی گئی ہیں لیکن آج تک کسی مسلمان کو ایک لمحہ کے لیے بھی یہ مغالطہ نہیں ہوا کہ حدیثوں ہی کا مجموعہ کیوں نہ ہو حتی کہ بخاری تک کو قرآن کی قطعیت و اہمیت سے مسلمانوں کے نزدیک کوئی نسبت نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ خطرہ حضرت عمر کے سامنے بھی وہی تھا، جس کا احساس حضرت ابوبکر کو کتاب جمع کرنے کے بعد ہوا۔ یعنی آنحضرت کے بعد حکومت و خلافت کی جانب سے خلفاءِ رسول حدیث کی جو کتاب جمع کر کے مسلمانوں میں چھوڑ جائیں گے۔ قدرتاً جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا۔ کتاب کی اہمیت بڑھتی چلی جائے گی۔ خلیفۂ اول یا خلیفۂ ثانی کی لکھی یا لکھوائی ہوئی کتاب آج حدیثوں کی اگر موجود ہوتی تب اندازہ ہوتا کہ مسلمانوں کا شغف اس کے ساتھ کس حد تک پہنچ کر رہا ہے یہ دراصل اجتماعی نفسیات کا ایک دقیق ترین مسئلہ ہے اور اس پر وہی متنبہ ہو سکتا ہے جسے ہزار ہا ہزار سال بعد پیش آنے والے خطرات کا احساس پیش آنے سے پہلے ہو جائے اور سچ پوچھئے تو فتنۂ انکار حدیث کے پنساری، ہلدی کی چند سڑی گانٹھوں کو لے کر اپنی دکان جمانے کی فکر میں آج ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا رہے ہیں اگر وہ انصاف کرتے تو ان روایتوں سے جو زیادہ تر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف منسوب ہیں، وہی بات سمجھ میں آتی جو سلفاً عن خلفٍ مسلمان سمجھتے چلے آرہے ہیں

میرا اشارہ ان چند روایتوں کی طرف ہے جو اسی قسم کی آحاد خبروں کی روایت کے متعلق کتابوں میں پائی جاتی ہیں مثلاً الشعبی کے حوالے سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ قرظہ بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

لما سیرنا عمر الی العراق   حضرت عمر نے ہم لوگوں کو جب عراق (کوفہ) کی طرف

Marfat.com

مشى معنا عمر وقال أتدرون لم شيعتكم قالوا نعم مكرمة لنا قال ومع ذلك فانكم تاتون اهل قرية لهم دوي بالقران كدوي النحل فلا تصدوهم بالاحاديث فتشغلوهم، جودوا القران واقلوا الرواية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا شريككم

روانہ کیا تو ہمارے ساتھ تھوڑی دور تک آئے پھر فرمایا کہ میں تم لوگوں کو رخصت کرنے کیوں آیا؟ ہم نے کہا کہ ہماری عزت افزائی کے لیے آپ نے یہ کیا ہے، بولے ہاں یہ بھی، لیکن اسی کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم لوگ ایک ایسی آبادی میں پہنچو گے جہاں کے باشندوں میں تلاوتِ قرآن اس طریقہ سے مروج ہے، جیسے شہد کی مکھی بھنبھناتی ہو، تو ان لوگوں کو حدیثوں کے ذریعہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم الجھاؤ۔ قرآن کو خوب اچھی طرح سے مستحکم اور استوار کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم روایت کیا کرو اور میں تمہارا شریک ہوں۔

بڑی قوت کے ساتھ انکارِ حدیث کے حلقوں میں اس روایت کا چرچا کیا جاتا ہے، میں نے جب کبھی ان سے یہ سنا تو ان کی ذہنیت پر ہمیشہ تعجب ہوا کہ روایتوں کے اعتماد کو یہ لوگ ایک روایت ہی پر اعتماد کر کے کھونا چاہتے ہیں آخر یہ بھی تو روایت ہی ہے، بندگان خدا یہ نہیں سوچتے کہ جب روایت سے اعتماد نہیں پیدا ہوتا تو پھر اس روایت پر وہ کس بنیاد پر بھروسہ کرتے ہیں حال یہ ہے کہ خود یہ روایت منقطع ہے یعنی شعبی نے براہِ راست قرظہ سے نہیں سنا ہے ابن حزم نے لکھا ہے

انہ لم يلق قرظة قط ۶۸

قرظہ سے شعبی نے کبھی ملاقات نہیں کی۔

جسکا یہی مطلب ہوا کہ شعبی اور قرظہ کے درمیان کوئی اور آدمی بھی ہے، جسکا حال نہ حال نام بھی معلوم نہیں اسی لیے ابن حزم نے دعویٰ کیا ہے کہ

فسقط الخبر

خبر پایۂ اعتبار سے گر گئی۔

Marfat.com

اب ان مسکینوں کو خود سوچنا چاہیے کہ ایسی روایت جس کا ایک درمیانی راوی لاپتہ ہے آخر یہ کونسی منطق ہے کہ اسی روایت سے آپ روایتوں کے اس سارے مجموعہ کو بے اعتنا ٹھہرانا چاہتے ہیں، جس کی ایک بڑی مقدار کے روایت کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کے تقوی، دیانت، عدل و ضبط پہ بھروسہ کیا گیا، اور بغیر کسی انقطاع کے مسلسل ایک نے دوسرے تک اسے پہنچایا ہے، یعنی صحاح کی عام حدیثوں کا جو حال ہے

اور ابن حزم بیچارے کی اس جرح سے قطع نظر بھی اگر کر لیا جائے تو سوال ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کب فرمایا ہے کہ حدیثوں پہ اعتبار نہ کرو، حضرت کا ارشاد جو کچھ بھی ہے وہ صرف یہی ہے کہ

اقلوا الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — آنحضرت صلی اللہ وسلم سے حدیثیں کم روایت کیا کرو۔

اگر حدیث اسی قدر ناقابلِ اعتبار بات ہوتی جو منکرینِ حدیث کا خیال ہے تو کم کیا معنی حکم دینا چاہیے تھا کہ قطعاً نہ روایت کیا کرو، بلکہ اس سے تو حدیثوں کی روایت کرنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے، البتہ ذرا اس کا خیال کرتے ہوئے کہ کثرتِ روایت سے ان میں وہ کیفیت نہ پیدا ہو جائے جسے قصداً چاہا جاتا تھا کہ نہ پیدا ہو، حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ نبوت سے قریب ترین عہد میں کثرتِ روایت کی وجہ سے ان میں عمومیت کی کیفیت اگر آج ہی پیدا کر دی گئی تو آئندہ ان مطالبات میں بھی وہی شدت پیدا ہو جائے گی جو تبلیغ عام کی راہ سے پہنچائے ہوئے مطالبات کی ہے، بجنسہ وہی اندیشہ جو خلافت کی طرف سے تدوینِ حدیث کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کو ہوا تھا۔ عہدِ صحابہ میں کثرتِ روایت پر وہ خیال کرتے تھے کہ ممکن ہے وہی اثر مرتب ہو، ورنہ بجائے کم کرنے کے قطعاً روایت کرنے سے چاہیے تھا کہ لوگوں کو روک دیتے، ان کے متعلق اور بھی چند روایتیں اسی نوعیت کی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت ابوہریرہؓ فرماتے:

Marfat.com

ولکنت احدث فی زمان عمر مثل ما احدثکم لضربنی بمخفقته	اگر میں عمرؓ کے زمانہ میں اس طریقہ سے حدیث بیان کیا کرتا جیسے اب کرتا ہوں تو مجھے اپنے تازیانے سے عمرؓ مارتے۔

حضرت ابوہریرہؓ جس وقت اس روایت کو بیان کر رہے تھے، عہد صحابہ قریب قریب انقراض کے حدود تک پہنچ چکا تھا جیسے جیسے عہدِ نبوت سے بُعد ہوتا جاتا تھا۔ کثرتِ روایت سے مطالبہ میں جس شدت کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا وہ بتدریج کم ہوتا چلا جاتا تھا اس لیے روایتوں کے احتیاط کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی تھی کہ صحابہ تک پہنچتے پہنچتے بہ مشکل اس قسم کی چیزوں کی روایت ایک دو آدمی سے زیادہ متجاوز ہوتی تھی، اور یوں احادیث کے جس رنگ کو ان میں قصداً پیدا کیا گیا تھا وہ باقی رہ جاتا تھا اسی کی طرف ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اشارہ فرمایا کہ قربِ نبوت کے اس زمانہ میں اس کی بڑی نگرانی کی جاتی تھی کہ صحابی کی زیادہ تعداد اس قسم کی حدیثوں کی راوی نہ بن جائے اور وہ جو ذہبی نے حضرت عمرؓ ہی کے متعلق یہ روایت درج کی ہے

ان عمر حبس ثلاثۃ ابن مسعود وابا الدرداء وابا مسعود الانصاری فقال قد اکثرتم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۷۹	حضرت عمرؓ نے تین آدمیوں کو ایک دفعہ محبوس فرمایا یعنی ابن مسعود اور ابو درداء اور ابو مسعود انصاری کو اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو تم لوگ بکثرت بیان کرنے لگے۔

اگرچہ ابنِ حزم نے مختلف وجوہ واسباب کو پیش کرتے ہوئے اس اثر کے متعلق دعویٰ کیا ہے

ھو فی نفسہ ظاھر الکذب والتولید ۵۸۰	یہ بذاتِ خود کھلا ہوا جھوٹ اور دماغ کی پیدا کی ہوئی بات ہے۔

Marfat.com

انشاء اللہ تدوینِ حدیث والی کتاب میں ان تفصیلات کا تذکرہ کیا جائے گا، سرِدست فقہ کے مضمون سے جس حد تک ان روایتوں کا تعلق ہے صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ

قد اکثرتم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرنے میں تم لوگوں نے کثرت سے کام لیا۔

کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، منشا آپ کا کھلا ہوا ان الفاظ سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ جن روایتوں کو خبر الخاصہ عن الخاصہ سے مسلمانوں میں پیغمبر پہنچانا چاہتے تھے وہ خبر العامہ کی شکل اختیار کر لیں گے، یعنی اگر صحابہ ہی میں بکثرت روایت کرنیوالے ان حدیثوں کے پیدا ہو جائیں گے تو نبوت جن مطالبات میں خفت پیدا کرنا چاہتی ہے ان میں اسی قسم کی شدت آئندہ چل کر پیدا ہو جائے گی، جیسے صرف قرآنی مطالبات اور ان کے ان تفصیلات و عملی تشکیلات تک قصداً محدود رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، جن کی تعمیل عام حالات میں ہر مسلمان کے لیے ناگزیر اور ضروری ہے۔

روایتِ بالمعنی کی اجازت کی وجہ

بلکہ قصداً اسی فرق کو پیدا کرنے ہی کی ایک تدبیر وہ ہے جسے روایت بالمعنی کی اجازت کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ معنی کے ساتھ بجنسہ الفاظ کی حفاظت قرآن کے متعلق جہاں مسلمانوں کا اہم فریضہ قرار دیا گیا ہے، وہیں ان حدیثوں کے متعلق جو خبر الخاصہ یا خبر احاد کی راہ سے مروی ہیں بالاتفاق تمام ائمہ اسلام کا ان کے متعلق یہ فتویٰ ہے کہ معانی کو محفوظ کرتے ہوئے اگر لفظوں میں کچھ رد و بدل ہو جائے تو مضائقہ نہیں یعنی روایت بالمعنی کی ان میں اجازت ہے جیسا کہ کتابوں میں لکھتے ہیں کہ

Marfat.com

فجوزه الشافعی وابو — پس جائز رکھا ہے اس کو یعنی روایت بالمعنی کو امام
حنیفہ ومالک واحمد و — شافعیؒ وابوحنیفہؒ ومالکؒ واحمد وحسن بصری
الحسن البصری واکثر — نے اور اکثر فقہاءِ اسلام نے
الفقہاء — لے

گویا یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قسمیہ قول یعنی
وانی واللہ لا البس کتاب — اور میں قسم ہے خدا کی اللہ کی کتاب کو کسی چیز
اللہ بشیٔ ابدا — سے گڈمڈ نہ ہونے دوں گا

کی تکمیل کی ایک شکل ہے کہ جہاں معنی کے ساتھ قرآن کے بجنسہ الفاظ کی حفاظت کی ضرورت ہے وہیں آحاد خبروں میں ضرورت کے اس معیار کو قصداً ذرا ہلکا کر دیا گیا۔

مگر اس کے کیا یہ معنی ہیں، کہ کسی قسم کی حدیث ہو بغیر کسی انقطاع کے مسلسل ثقات نے ثقات سے بسند متصل اسے روایت کیا ہو، لیکن محض اس لیے کہ روایت بالمعنی کا اس میں احتمال ہے، اس لیے ہر قسم کے اعتماد سے وہ محروم ہو گئی۔

خبر احاد پر اعتماد کرنے کے وجوہ

پہلی بات تو یہی ہے کہ اجازت کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ ہر حدیث میں الفاظ بدل ہی دیے گئے ہیں، جہاں تک میں خیال کرتا ہوں ایسی حدیثیں جن کا تعلق ادعیہ و اوراد سے ہے عموماً ان میں معانی کے ساتھ الفاظ کے محفوظ رکھنے کی بھی کوشش اس لیے کی گئی ہے کہ بالخاصیت سمجھا جاتا ہے کہ ان الفاظ میں بھی خاص اثر و کیفیت ہے ماسوا اس کے محدثین نے "اعتبار" کا جو طریقہ ایجاد کیا ہے یعنی ایک ہی حدیث مختلف طریقوں سے اگر مروی ہوئی ہے اور پچھلے زمانہ میں کثرتِ طرق کے پیدا کرنے کی خاص کوشش کی گئی ہے کہ جیسے جیسے عہدِ نبوت سے زمانہ کو بعد ہوتا

Marfat.com

گیا۔ التباس بالقرآن کا خطرہ بھی اسی نسبت سے کم ہوتا گیا۔ اس وقت کثرتِ طرق میں بزرگوں نے بجائے نقصان کے محسوس کیا کہ آثارِ نبوت کی حفاظت میں مدد ملے گی۔

بہرحال جن جن طریقوں سے وہ حدیث مروی ہوتی ہے ان سب کو جمع کر کے باہم مقابلہ کے ذریعہ سے بآسانی اس کا پتہ چلتا ہے کہ پچھلے راویوں نے کس حد تک الفاظ میں رد و بدل کیا ہے یعنی تمام طریقوں میں جو الفاظ مشترک ہوتے ہیں، سمجھا جاتا تھا کہ ان میں تبدیلی نہیں ہوئی ہے، البتہ جہاں مقصد کی وحدت کے ساتھ الفاظ بدل گئے ہیں اس کو روایت بالمعنی کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے اور یہ عام عقلی دستور ہے ایک ہی بات کو چند آدمی اگر اس طور پر بیان کریں کہ سب کے الفاظ ایک ہوں تو ایسی صورت میں یہ ماننا پڑتا ہے کہ بیان کرنے والوں نے الفاظ کو بھی باقی رکھنے کی کوشش کی ہے، یہ ناممکن ہے کہ کسی مقصد کی تعبیر میں اتفاقاً ہر بیان کرنے والے کے الفاظ ایک ہی ہوں۔

بہرحال شواہد و توابع کے ذریعہ سے طریقۂ اعتبار کو کام میں لا کر جب کبھی تجربہ کیا گیا ہے اور جس کا جی چاہے اب بھی تجربہ کر سکتا ہے تو یہی نظر آتا ہے کہ معانی ہی نہیں بلکہ الفاظ بھی بڑی حد تک ان حدیثوں میں محفوظ ہیں، اگرچہ ہر حدیث کے متعلق نہ ایسا ہوا ہے نہ اس کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور جیسا کہ آپ سن چکے ہیں کہ نہ اس کا ارادہ کیا گیا ہے، لیکن کیا محض اس لیے کہ اصل مقصد کو محفوظ کرتے ہوئے بیان کرنے والے اگر اسی مقصد کو سنے ہوئے الفاظ میں نہیں بلکہ اپنے الفاظ میں ادا کریں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ان روایتوں پر اعتماد کے سارے دروازے بند ہو گئے اگر یہی کلیہ بنایا جائے گا تو آج دنیا میں علوم معارف کی نشر و اشاعت کا ایک بڑا اہم ذریعہ جو ترجمہ ہے، ایک لمحہ کے لیے بھی افادہ کا پہلو اس میں کیا باقی

Marfat.com

رہ سکتا ہے؟ آخر ترجمہ میں کیا ہوتا ہے؟ یہی نا کہ ان ہی مقاصد و معنی کو جو دوسری زبان کی تعبیر میں ادا کیے گئے تھے، مترجم اپنی زبان کے الفاظ میں انھیں ادا کرتا ہے، لیکن لفظوں کے بدل جانے سے اگر معنی بھی ہمیشہ بدل ہی جاتا ہے تو آپ ہی بتائیے کہ ترجمہ کے جواز کی راہ کیا باقی رہ سکتی ہے؟ اور تو اور میں پوچھتا ہوں کہ قرآن مجید میں مختلف اقوام اور ممالک کے باشندوں کے اقوال درج ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان سب کی زبان عربی تو تھی نہیں، یقیناً ترجمہ ہی کر کے ان کے اقوال قرآن میں شریک کیے گئے ہیں، یعنی الفاظ بدل دیے گئے ہیں پھر جو لوگ حدیثوں کا انکار محض روایت بالمعنی کو عذر بنا کر کرنا چاہتے ہیں وہ قرآن کی ان تمام روایتوں کو العیاذ باللہ کیا ناقابلِ اعتبار قرار دینے کی جرأت کریں گے؟

واقعہ یہ ہے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ نے "رسالہ" میں فرمایا ہے کہ دنیا کے اکثر کاروبار کا دار و مدار روایت بالمعنی ہی کے فطری اعتماد پر قائم ہے اور دنیا ہی نہیں انھوں نے پوچھا ہے کہ پیغمبر جب کسی کو عامل بنا کر قبائل کے پاس بھیجتے تھے، اور قبائل کے نام ان ہی عاملوں کے ذریعہ سے مختلف پیغام جو بھیجے جاتے تھے تو کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ کسی قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نمائندوں کو اس بنیاد پر واپس کر دیا ہو کہ تم ایک واحد آدمی ہو اور واحد آدمی کی خبروں کا کیا اعتبار، وہ فرماتے ہیں کہ آج تک سننے میں نہیں آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان عاملوں کو کسی نے یہ کہا ہو کہ

انت واحد فليس لك ان تاخذ	تم ایک ایک آدمی ہو تم کو کوئی حق نہیں ہے کہ ہم
منا مالم نسمع رسول الله	سے کچھ لو جب تک براہ راست رسول اللہ صلی
صلى الله عليه وسلم يقول انه	اللہ علیہ وسلم سے ہم نہ سن لیں کہ آپ نے
علينا۔ ـه٢	فلاں چیز (مثلاً زکوٰۃ عشر) کا مطالبہ کیا ہے

Marfat.com

اور سچی بات یہی ہے کہ دفتر کا کوئی افسر اپنے چپراسی کے ہاتھ کسی ماتحت کلرک کو اگر کہلا بھیجے، مثلاً یہی کہ صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ اگر کلرک اس کے جواب میں کہے کہ تمہاری خبر چونکہ واحد ہے اور خبرِ واحد میں روایت بالمعنیٰ کا چونکا احتمال ہے اس لیے میں حکم کی تعمیل نہیں کروں گا۔ بتائیے کہ ان موشگافیوں کو جنون کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے، میں نے جیسا کہ ابھی کہا کہ انکارِ حدیث والے بیچارے جب حضرت عمرؓ کی ان چند مشتبہ مشکل فیہا روایتوں سے عام حدیثوں کے افادہ کا انکار کرتے ہیں تو ان کا یہی انکار سچ پوچھئے تو افادۂ حدیث کا اقرار بن جاتا ہے لیکن اس طور پر کہ اس اقرار کا ان کو شعور بھی نہیں ہوتا[۱]۔ اور یہی دلیل ہے اس بات کی کہ خبر الخاصہ عن الخاصہ کے متعلق جس قسم کا اعتماد مطلوب ہے۔ اعتماد کی اس کیفیت پر انسانی فطرت مجبول و مضطر ہے، آخر یہ تو کسی کا بھی مقصد نہیں کہ خبرِ آحاد والی روایتوں کو اعتماد و یقین کا وہی لازوال حصہ دیا جائے جو ہر مومن کو قرآن اور ان چیزوں کے متعلق اپنے اندر پانا چاہیے جو مسلمانوں میں اسی راہ سے منتقل ہوتی ہوئی پہنچی ہیں جس راہ سے قرآن پہنچا ہے، بار بار مختلف طریقوں سے یہ بات گزر چکی کہ مطالبہ کی شدت کو قصداً کم کرنے اور ہم جیسے عام کاہل الوجودوں کے لیے گنجائش پیدا کرنے کے لیے ابتدا ہی سے اس کی پوری نگرانی پیغمبر اور ان کے جانشینوں نے بڑی طاقت سے کی کہ ان میں اعتماد کی وہ کیفیت نہ پیدا ہونے پائے جس کے بعد ان سے تجاوز مسلمانوں کے لیے وبال الدنیا والآخرۃ کا سبب بن جاتا ہے، لیکن مسلمانوں کا جو طبقہ پیغمبر کے ہر نقشِ قدم پر مرمٹتا، شمعِ محمدی کی چھوٹی سے چھوٹی

---

[۱] آخر حضرت عمرؓ کی طرف یہ منسوبہ روایتیں خبرِ آحاد کے سوا اور کیا ہیں اور وہ بھی کیسی خبرِ آحاد؟ تنقیدِ روایات کے معیار پر ان کا صحیح ثابت نہ ہونا صرف مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ ۱۲

Marfat.com

کرن کا اپنی زندگی میں جذب کرنا اپنے وجود کا واحد نصب العین بنانے والا تھا اور بحمد اللہ تا بقیامِ قیامت تعداد کی کمی بیشی کے ساتھ ایسوں کی نہ پہلے کمی تھی اور مغلوبیت و اسر و تبعید کے اس دور میں بھی ان کا بالکلیہ فقدان نہیں ہوا ہے ان کے لیے بھی خبر الخاصہ عن الخاصہ کی راہ کھلی رکھی گئی، محدثین کرام نے ان ہی کے سمیٹنے اور تلاش کرنے میں جیسا کہ سب جانتے ہیں اپنی جانیں لڑا دیں۔ وہ اولوالعزمیاں دکھائیں جس کی نظیر نہ ان سے پہلے دنیا کی کوئی قوم اپنے اپنے پیغمبروں کے متعلق پیش کر سکی ہے اور نہ ان کے بعد لیڈروں اور آمروں یا پیشواؤں کے ساتھ ان کے ماننے والوں نے اس فقید المثال دلچسپی کا ثبوت پیش کیا ہے۔

اور جو حال ان کا تھا، یہی کیفیت فقہاءِ اسلام کی ہے، یہ جانتے ہوئے کہ خبر الخاصہ کی راہ سے آنے والی چیزوں کا تارک یقیناً اس مواخذہ سے بری ہے جس کا خطرہ فرائض و واجبات کے ترک کرنے والوں کے سامنے ہے، بلکہ ان کا ترک عموماً ایسی چیزوں کا چھوڑنا ہے جن کا کرنا نہ کرنے سے اور تعمیل عدم تعمیل سے افضل اور بہتر ہے، مگر ان ہی لوگوں کے لیے جن کے متعلق گزر چکا کہ موجودہ زندگی کی قیمت جس حد تک بڑھ سکتی ہے بڑھانے میں کمی نہ کی جائے، ان کی راہنمائی کے لیے روایتوں کے اس مجموعہ کو پیشِ نظر رکھ کر ممکنہ حد تک ائمہ فقہ نے اس کی جان توڑ بلیغ سعی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا کہ قرائن و قیاسات اور جس ذریعہ سے ممکن ہو ان کی بہتر سے بہتر شکلوں کو متعین کرنے کی کوشش کی جائے اور جہاں تک واقعہ کا تعلق ہے جیسا کہ انشاء اللہ آئندہ معلوم ہوگا۔ بحمد اللہ اس باب میں ان کی سعی مشکور ہوئی ان کے مساعی کا وہ ذخیرہ جو ان روایات کی ترجیح و توفیق و تطبیق کی کوششوں سے جمع ہو گیا ہے، ایک ایسے عجیب و غریب قیمتی سرمایہ کی شکل اختیار کر چکا ہے کہ اقوامِ عالم کے مقابلہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتِ مرحومہ ان پر

Marfat.com

نازاور بجا ناز کر سکتی ہے، آج بھی ایک قوم زمین کے اس کرہ پہ آباد ہے جس نے اپنے پیغمبر کی نہ صرف دی ہوئی کتاب، اور کتاب کے ضروری تفصیلات کی ہی حفاظت میں غیر معمولی اولوالعزمی کا ثبوت بہم پہنچایا ہے بلکہ پیغمبر کی زندگی کے ایک ایک گوشہ اور ہر گوشہ کے ہر پہلو کو، ان کو بھی جو پیغمبر کی نگاہوں میں زیادہ وزنی تھے اور ان کو بھی جن کا اظہار محض بیان جواز کے لیے فرمایا گیا ہے۔ سب کو تمام تفصیلات کے ساتھ بغل میں دبائے اور سینے سے لگائے بیٹھی ہے۔ حوادث واتفاقات کے کن کن جھکولوں سے اسے گزرنا پڑا اور آج بھی گزر رہی ہے۔

اسی جرم میں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ اقدس کے ساتھ اس کی وارفتگیوں کا یہ حال کیوں ہے، مجرم ٹھہرانے والوں نے جو کچھ چاہا کیا، اور آج بھی کر رہے ہیں رزق کے دروازے اس پہ بند کیے گئے، عام انسانی بلکہ شاید ان حیوانی حقوق سے بھی جن کی حقدار زمین کی غالباً ہر زندگی رکھنے والی ہستی ہے ان سے بھی محروم کرنے کی کوششیں کی گئیں ان کا مضحکہ اڑایا گیا، ان پہ تالیاں پیٹی گئیں کہ دنیا کی قومیں تو ہوائی جہاز اور ریڈیو بنا رہی ہیں اور مسلمان اسی میں مصروف ہیں کہ نماز میں پیغمبرؐ آمین جو کہتے تھے تو وہ زور سے کہتے تھے یا آہستہ سے رکوع سے اُٹھنے کے وقت ہاتھ اٹھا کر کانوں تک لے جاتے تھے یا نہیں، رسالوں پر رسالے لکھے جا رہے ہیں، کتابوں پر کتابیں شائع ہو رہی ہیں، استہزاء کا کوئی طریقہ نہیں تھا جسے محمدؐ کے ان وفادار جاں باز غلاموں کے لیے باقی چھوڑا گیا ہو، طنز وطعن کا کوئی تیر باقی نہ رہا جس سے ان کے دل گھائل نہ کیے گئے ہوں، غیروں سے گزر کر اپنوں سے ان کی توہین کرائی گئی بہ سرِ بازار و بر صحائف اخبار ان کو ذلیل و رسوا کیا گیا اور کیا جا رہا ہے لیکن دیوانوں کا ایک گروہ ہے، مجنونوں کی ایک ٹولی ہے۔

Marfat.com

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے   آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا

کہتا ہوا اٹھتا ہے تو اسی نشہ کی مستی میں اٹھتا ہے اور گرتا ہے تو ان ہی قدموں پہ گرتا ہے، اسی پر جینا اور ان ہی قدموں پہ لوٹ لوٹ کر مرجانا، یہی اور صرف یہی ان کی زندگی کی قیمت ہے۔

نہ ہم ہی تو مرا راہ خویش گیرد برو   ترا سعادت و باد امرا نگوں ساری

کہتے ہوئے گزر رہا ہے اور انشاء اللہ گزرتا رہے گا تا آیں کہ وصیت کرنے والے نے

حتی تلقانی علی الحوض   یہاں تک کہ حوض پر پہنچ کر مجھ سے ملاقات کرو

کی جو وصیت فرمائی تھی وہ پوری ہو، اور جن کے لیے جی رہے ہیں، مرنے کے بعد وہی سامنے آجائیں۔ اس وقت کھلے گا کہ پیغمبر کی سنتوں اور عمل کرنے کے لیے ان کی پسندیدہ ترین شکلوں کی تلاش میں جنہیں دیکھا گیا کہ کھوتے گئے تھے وہ کتنا پا رہے ہیں اور ریسرچ کرنے والوں میں ایسے کتنے ہیں جو سمجھتے تھے کہ ہم نے بہت کچھ پایا وہ کتنا کھو بیٹھے اور یہ تو کل ہوگا، آج بھی

غدا القی الاحبہ   کل دوستوں سے میں ملوں گا،

محمدا وحزبہ   محمد سے اور ان کے گروہ سے

کا رجزی ترانہ ان کے دلوں کی قوت، روح کا نشاط بنا ہوا ہے

خیر میں کیا کہنے لگا، کدھر نکل گیا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ خبر الخاصہ والی حدیثوں کے متعلق پیغمبر اور پیغمبر کے جانشینوں نے جو حکیمانہ رویہ اختیار کیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک طرف مطالبہ میں ان کے وہ زور نہ پیدا ہو سکا جس کے پیدا ہو جانے کا اس وقت خطرہ تھا اور یقیناً خطرہ تھا، اگر اسی راہ سے امت میں یہ چیزیں بھی پھیل جاتیں جس راہ سے قرآن پہنچا ہے۔ حالانکہ ساز و سامان کی اب کیا کمی تھی، ان حدیثوں کی تعداد

Marfat.com

ہی کیا تھی، جو مصر کے ایران کے شام کے عراق کے اور کیا بتاؤں کہ دنیا کے کس کس خطہ اور اس کی ساری پیداواروں کے مالک بنائے جا چکے تھے، خود ہی سوچنا چاہیے کہ وہ کیا کچھ نہ کر سکتے تھے مگر عہد صدیقی میں صرف قرآنی سورتیں جن کی حیثیت اب تک کسی مصنف کے الگ الگ تصنیف کردہ رسائل کی تھی محض ان کو ایک تقطیع کے اوراق پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں سب کی شیرازہ بندی کرا دی گئی اور اسی نسخہ کی نقلیں عہدِ عثمانی میں مسلمانوں کے اندر پھیلا دی گئیں۔

تقریباً سو سال تک حکومت نے تدوین کے کام کو صرف قرآن کی حد تک محدود رکھا، اور جیسا کہ گزر چکا، نبوت سے جو زمانہ جتنا زیادہ قریب تھا اسی حد تک زبانی بیان کرنے والوں کی بھی پوری نگرانی کی گئی، کہ ان کی روایتوں میں استفاضہ اور شیوعِ عام کا رنگ نہ پیدا ہو جاتے۔ مگر بتا چکا ہوں کہ اس نگرانی و احتیاط کا تعلق صرف کثرتِ روایت تک محدود تھا، ورنہ مطلقاً روایت کرنے کی قطعاً کسی نے کسی زمانہ میں کبھی مخالفت نہیں کی، یہی حضرات یعنی خلیفہ اول اور خلیفہ دوم جن کے اقوال اور روایتِ حدیث کے متعلق ان کے طرز عمل کو تقریباً تیس چالیس سال سے منکرینِ حدیث پیش کر رہے ہیں، خود ان بزرگوں کا اپنا ذاتی حال یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہنے کا بہت کم وقت ملا، حکومت کے مشاغل میں الجھے رہنے کے باوجود گننے والوں نے گنا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے	اسند عن رسول الله
سو حدیثیں انھوں نے روایت کی ہیں یہ تعداد صرف	صلى الله عليه وسلم من
متون کی ہے، ورنہ طرق کے اعتبار سے اور زیادہ ہو	المتون سوی الطرق

Marfat.com

مائۃ حدیث بمراسیلها   جائیں گی نیز اسی تعداد میں وہ مرسل حدیثیں بھی

ششہ   شریک ہیں، جو ان سے مروی ہیں۔

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایتوں کی تعداد جیسا کہ الاصبہانی وغیرہ کے حوالہ سے ابن جوزی نے نقل کیا ہے دو سو سے اوپر ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:-

اسند عن رسول اللہ صلی اللہ   طرق کے سوا متون کی حد تک حضرت عمر رضی نے رسول

علیہ وسلم من المتون سوی   اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے جو روایتیں

الطرق مائتی حدیث وینفا۔   بیان کی ہیں، ان کی تعداد دو سو اور کچھ ہے۔

پھر اگر کثرتِ روایت نہیں بلکہ مطلقاً روایتِ حدیث کے یہ حضرات مخالف تھے تو سمجھ میں آنے کی بات ہے کہ خود ہی اتنی حدیثیں وہ بیان کر سکتے تھے، پس واقعہ وہی ہے کہ وہ صرف اس بات کو روکنا چاہتے تھے کہ قرب نبوت کے زمانہ میں ان حدیثوں کے متعلق کوئی ایسی صورت نہ پیدا ہو جائے جو آئندہ چل کر اس کیفیت کے پیدا ہو جانے کا سبب بن جائے جسے قصداً پیغمبر ان چیزوں میں پیدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے کثرتِ روایت سے بھی لوگوں کو ابتدا میں روکا گیا اور باوجود ارادہ کے حکومت کی جانب سے خبر الخاصہ والی حدیثوں کو لکھوا کر جمع کرانے کا خیال بھی خلافِ مصلحت قرار دیا گیا۔

ورنہ یوں، صرف روایت ہی نہیں بلکہ انفرادی طور پر کتنے صحابہ ہیں جنہوں نے منتشر طور پر اپنی اپنی حدیثوں کو لکھ بھی لیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی نہیں، بخاری وغیرہ سے ثابت ہے کہ عہد نبوت ہی میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے بعض صحابیوں نے چند حدیثیں نہیں بلکہ میں نے اپنی کتاب تدوینِ حدیث میں ثابت کیا ہے کہ کافی تعداد ہزاروں ہزار تک پہنچنے

Marfat.com

والی اسی قسم کی حدیثوں کو لکھ کر وہ جمع کر چکے تھے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب جو کچھ تھا، اس کی حیثیت انفرادی کام کی تھی، انفرادی کام خواہ بیان کی شکل میں ہو یا کتابت کی صورت میں بہرحال وہ انفرادی ہی کام ہے اس اہمیت وکیفیت زور وقوت کے پیدا ہونے کا خطرہ اس کے متعلق کبھی پیدا نہیں ہو سکتا، جو عہدِ نبوت اور اس کے قریب ترین زمانوں میں استفاضہ وشیوعِ عام کی وجہ سے یا حکومت کی جانب سے ان حدیثوں کے مدون کرانے کی وجہ سے پیدا ہو سکتا تھا۔[1]

---

[1] یہی وجہ ہے کہ کثرت روایت کی ممانعت کا ثبوت تو عموماً ملتا ہے لیکن مطلقاً روایت حدیث یا انفرادی طور پر کتابتِ حدیث کی ممانعت نہ خلفا سے ثابت ہے اور نہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے، صرف ایک حدیث "قرآن کے سوا مجھ سے کسی نے کچھ لکھا ہو تو مٹا دے" اس سے بعضوں کو خیال گزرا ہے کہ عہد نبوت میں کتابتِ حدیث کی ممانعت تھی، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جس چیز کے بیان کرنے کی ممانعت نہ تھی اسی چیز کے لکھنے سے منع کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی، پھر یہ بھی تو غور کرنا چاہیے کہ جب بخاری وغیرہ میں کتابت حدیث کی اجازت کی روایت بھی موجود ہے۔ تو دونوں میں تطبیق کی کیا شکل ہو گی کیسے لوگ ہیں۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بکثرت صحابہ سے قرآن کے علاوہ خطوط معاہدہ نامے اور بیسیوں چیزیں لکھوایا کرتے تھے جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے، پس لا تکتبوا عنی غیر القران۔ (مت لکھا کرو میری طرف سے قرآن کے سوا) کا اگر وہی مطلب ہوتا جو یہ لوگ اس حدیث سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ تو پھر صحابہ یہ خطوط وغیرہ کیوں لکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے جو میں اس حدیث کو صرف قرآنی اوراق کی حد تک محدود خیال کرتا ہوں۔ اور یہ میرا ذاتی خیال نہیں ہے۔ شرح بخاری اٹھا کر دیکھیے علما کی ایک جماعت یہی سمجھتی چلی آئی ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

Marfat.com

لیکن جوں جوں زمانہ آگے کی طرف بڑھتا چلا گیا، خطرہ کی شدت بھی گھٹتی چلی گئی، اور روایت کا دائرہ بھی اسی نسبت سے وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اگر عمرؓ کے زمانہ میں ہم حدیثوں کو اسی طرح بیان کرتے جیسے اب بیان کرتے ہیں تو وہ اپنے تازیانے سے ہماری خبر لیتے، اگر یہ قول واقعہ میں ان کا ہو بھی تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت عمرؓ کے منشاء کے خلاف موقعہ پا کر ابوہریرہؓ یہ عمل کر رہے تھے، اب سوچنے والوں کو کیا کہیے، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی جلالت قدر سے جو واقف ہیں کیا ایک لمحہ کے لیے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) یعنی بطور تفسیر کے بعض دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی لفظ یا فقرہ فرماتے تو بعض لوگ اپنے قرآن میں اسی آیت کے آس پاس ان تفسیری الفاظ و فقرات کو لکھ لیتے، جیسے الصلوٰۃ الوسطیٰ کی تفسیر میں العصر کا لفظ فرمایا گیا، بعضوں نے اپنے اپنے قرآن میں لکھ لیا حتیٰ کہ ایک بحث پیدا ہو گئی کہ ان کے قرآن کا یہ لفظ تفسیری ہے یا قرآن کا جز ہے، ظاہر ہے کہ ایک کے سوا جب کسی دوسرے کے نسخے میں یہ لفظ نہ تھا تو یقین کیا گیا کہ یہ تفسیری اضافہ ہے خدا نخواستہ اگر شروع ہی میں پیغمبر اس سے منع نہ کر دیتے تو آج صرف ایک والعصر کا قصہ ہے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کیا حال ہوتا خصوصاً جب پریس کا زمانہ نہ تھا۔ اصل کو تفسیر سے جدا کرنا آسان نہ تھا، تورات و انجیل وغیرہ میں تحریفات کا ایک سلسلہ اس راہ سے بھی داخل ہوا، پس کھلا ہوا مطلب اس کا یہی ہے کہ قرآنی اوراق پر میرے تفسیری اضافوں کو نہ لکھا کرو۔ آگے کا فقرہ کسی نے لکھا ہو تو مٹا دے“ اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ورنہ حکم کا تعلق اگر حدیث سے ہوتا تو صرف لکھنے کی ممانعت ہوتی۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان سے اس کی توثیق ہوتی ہے، تدوین حدیث کی کتاب میں آپ کو اس کی مفصل بحث ملے گی۔

Marfat.com

اس کا خیال کر سکتے ہیں، بلکہ بات وہی تھی کہ نبوت سے بُعد کافی ہو چکا تھا جس چیز کا اندیشہ تھا وہ گھٹ رہا تھا تو اب اس پیمانہ پر پرہیز کی ضرورت ہی کیا باقی رہی تھی، اور یہی وہ راز ہے کہ کامل ایک صدی کا فاصلہ درمیان میں جب حائل ہو گیا تب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ حکومت میں مرکزی شہروں کے علماء کے نام فرمان جاری کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن و آثار کو اب جمع کیا جائے [له]۔ اور اس کے بعد تو خدمتِ حدیث کا جو بازار

له کچھ عجیب قصہ ہے قرآن و حدیث دونوں کے جمع و تدوین کے متعلق روایتوں کے باب میں ایک نکتہ لوگوں کی نگاہ سے کچھ ایسا اوجھل ہو گیا کہ روایتوں میں تطبیق سخت دشوار ہو گئی یعنی انفرادی کام اور حکومت کی جانب سے جو خدمت انجام دلائی گئی دونوں میں جو آسمان و زمین کا فرق ہے اس فرق کو نہ معلوم کیوں پیشِ نظر نہ رکھا گیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ قرآنی سورتوں کو ایک ہی تقطیع کے اوراق پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں جمع کرانے کا کام پہلی دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے زید بن ثابتؓ نے انجام دیا۔ بخاری وغیرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے لیکن صحیح روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس سے پہلے ایک نہیں متعدد صحابہ اس کام کو انجام دے چکے تھے۔ اسی طرح حدیثوں کے متعلق عام طور پر لکھتے ہیں کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام پر زہری وغیرہ محدثین نے عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے حدیث کی تدوین کا کام پہلی دفعہ انجام دیا اور پھر یہ روایتیں بھی بیان کی جاتی ہیں کہ عہد صحابہ بلکہ عہد نبوت ہی میں مختلف صحابیوں نے انفرادی طور پر اپنی اپنی حدیثوں کے لکھنے کے کام انجام دیا تھا دونوں میں تطبیق کا مسئلہ لوگوں کے لیے معمہ بنا ہوا ہے حالانکہ اگر مذکورہ بالا فرق کو سامنے رکھ لیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے یعنی حکومت کی جانب سے پہلی دفعہ قرآنی سورتوں کو جمع کرانے کا کام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں انجام پایا، یونہی حکومت کی جانب سے سو سال بعد عمر بن عبدالعزیز کے فرمان سے حدیثوں کو مدون کرانے کا کام کیا گیا اور اس سے پہلے جو کام ہوا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

گرم ہوا، اس کا کیا ٹھکانا ہے جس کی تفصیل کا حقیقی مقام تدوین حدیث کی کتاب ہے۔ یہاں اتنا اشارہ کافی ہے۔

"پس مطالبہ کی قوت کے کم کرانے کا جو منشا تھا وہ بھی اس طریقہ سے پورا ہوا اور قدرتی طور پر ہر زمانہ میں کچھ ایسے اسباب بھی مہیا ہوتے رہے جنھوں نے ضائع ہونے سے اس عظیم سرمایہ کو بھی بچالیا جس کی بدولت اتباع سنت کے تشنہ کاموں کی سیرابی کا ایسا سامان بہم پہنچ گیا کہ محمدی رنگ کو جس پیمانہ پر جس حد تک جس وقت چاہے اپنے ظاہر میں اپنے باطن میں بھرتا چلا جا سکتا ہے وہ کھا سکتا ہے، پی سکتا ہے چل سکتا ہے پھر سکتا ہے۔ اُٹھ سکتا ہے، بیٹھ سکتا ہے۔ سو سکتا ہے، جاگ سکتا ہے، ہنس سکتا ہے، رو سکتا ہے، اور کیا بتاؤں کہ اور کیا کیا کر سکتا ہے جس طرح اس کے محبوب پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے وہی جن کا اسوہ اور نمونہ الحمدللہ کہ انسانی زندگی کے تمام ممکنہ شعبوں میں رہنمائی کرنے کے لیے آج دنیا میں ایسی اعتمادی کیفیتوں کو اپنے اندر جذب کیے ہوئے محفوظ ہے کہ جنھیں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتماد ہے وہی نہیں بلکہ جو اس اعتماد سے محروم ہیں

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) اس کی حیثیت انفرادی کام کی تھی۔ خاکسار نے تدوینِ قرآن اور تدوینِ حدیث کے متعلق جو دو الگ الگ کتابیں لکھی ہیں ان میں آپ کو تفصیلات ملیں گی۔ افسوس ہے کہ پہلی کتاب تو بحمداللہ مرتب ہو چکی ہے مگر طبع نہیں ہوئی اور دوسری کا صرف ایک حصہ مرتب ہو کر شائع ہو سکا۔ باقی اجزاء غیر مرتب حال میں ہیں، اسی لیے ضمناً بعض اہم چیزوں کا میں نے تدوینِ فقہ ہی کے ذیل میں اسی لیے تذکرہ کر دیا کہ کلی حیثیت سے اجمالاً اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا تو دوں۔ آئندہ اگر حیاتِ مستعار میں کچھ اور مہلت ہوئی، توفیق بخشی گئی تو اصل کتاب میں ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

Marfat.com

وہ بھی جانتے ہیں کہ گزرے ہوئے انسانوں میں آج کوئی نہیں ہے جس کے حال پر اتنا اعتماد کیا جا سکتا جتنا اعتماد آنحضرتؐ کی زندگی اور زندگی کے حالات دلوں میں اپنے روایتی خصوصیات کی بنیاد پر پیدا کیے ہوتے ہیں، قوموں اور امتوں کے درمیان مسلمانوں کے محدثین وارباب روایات وآثار اور ائمہ فقہ واجتہاد کا یہی وہ بے نظیر کارنامہ ہے جس کی مثال جیسا کہ عرض کر چکا ہوں نہ اگلوں کی تاریخ میں ملتی ہے اور نہ پچھلوں سے اس کی امید ہے۔

بلکہ ایسی چیزیں جن کے متعلق خبر الخاصہ والی حدیثوں کی راہ سے یا مختلف اجتہادی نقاط نظر کی خصوصیتوں کے زیر اثر بجائے ایک کے متعدد پہلو پیدا ہوتے تھے بتا چکا ہوں کہ ان پہلوؤں میں بھی پسندیدہ ترین شکلوں کو متعین کرنے میں کوشش و کاوش ریسرچ و تحقیق کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا جس میں ظاہر ہے کہ نتیجہ کے لحاظ سے ہر ایک کا ایک ہی نتیجہ تک پہنچنا ضروری نہ تھا اور یہی بنیاد ہے ان اختلافات کی جو اسلامی فقہ کے مختلف مکاتب خیال میں پائے جاتے ہیں۔

فقہی اختلافات کی نوعیت

لیکن اختلافات جس نے دنیا میں ہمیشہ شر کو پیدا کیا ارحم الراحمین کی رافت رحمت کے سوا اسے اور جس چیز کا نتیجہ ٹھہرایا جائے کہ بجائے شر کی پیدائش کے اسلام میں اسی اختلاف کا وجود خیر اور عظیم خیر کی بنیاد بنا ہوا ہے اور اب اسی مسئلے کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلی بات تو یہی ہے کہ خبر الخاصہ یعنی خبر احاد کی حدیثوں سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں، یا جن مسائل واحکام کا تعلق اجتہاد وقیاس سے ہے دونوں ہی کے مطالبہ میں قدرۃً نرمی اور خفت کا رنگ ان کے خاص حالات کی وجہ سے جو پیدا ہو گیا ہے وہ تو خیر بجائے خود ہے، لیکن اسی کے ساتھ بجائے اتفاق کے

Marfat.com

جن مسائل میں اختلاف پیدا ہوا، سب جانتے ہیں کہ اس اختلاف کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی "نظریہ مراعاۃ الخلاف" کے مشہور قانون کی بنیاد پر گرفت کی نوعیت خود بخود ڈھیلی پڑ جاتی ہے اور یہ کھلی ہوئی فطری بات ہے یعنی ایسا مسئلہ جس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہو۔ یقیناً اس کے مطالبہ کی قوت کا وہ مسئلہ مقابلہ نہیں کر سکتا جس میں ان ائمہ کی رائیں مختلف ہیں، فقہی کاروبار سے جنہیں تعلق نہیں ہے۔ وہ اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں کر سکتے، لیکن مشکلات میں مبتلا ہونے والوں کی جو دستگیریاں "مراعات الخلاف" کے اس نظریہ سے آئے دن ہوتی رہتی ہیں، انھیں آج کون گن سکتا ہے، مالکی مذہب کی کتاب "الموافقات" میرے سامنے ہے۔ صفحہ ۲۰۲ جلد چہارم میں ایک نہیں متعدد مثالیں اس مالکی عالم نے اس بات کی پیش کی ہیں کہ ایک عورت مہر سے یا شوہر کی میراث سے مالکی فتویٰ کی رو سے محروم ہو رہی تھی، لیکن صرف اس لیے کہ محرومی کی بنیاد جس مسئلہ پر قائم ہے وہ اتفاقی نہیں بلکہ امام ابوحنیفہؒ کا اس میں اختلاف ہے اس لیے مالکیوں کو بھی . . . .

. . . امام ابوحنیفہؒ کے اس اختلاف کی رعایت کرنی پڑی اور جو حق اس عورت کا کھو یا گیا تھا محض اسی نظریہ مراعاۃ الخلاف کی بنیاد پر اسے دلا دیا گیا اور ایک نکاح ہی نہیں بیع و فروخت، اجارہ حتیٰ کہ عبادات تک میں اس اختلاف کا فائدہ مسلمانوں کو ہمیشہ پہنچتا رہا، الشاطبی لکھتے ہیں۔

ومثلہ جار فی عقد البیع	اور مراعاۃ الاختلافات کا یہ قاعدہ خرید و فروخت کے
وغیرھا فلا یعاملون	معاملات اور اس کے سوا دوسرے ابواب میں بھی جاری
الفاسد المختلف فی فسادہ	ہوتا ہے، علماء کا قاعدہ ہے کہ ایسا معاملہ جس کے فساد
معاملۃ المتفق علی فسادہ	میں اختلاف ہو اس کے ساتھ وہ طریقہ عمل اختیار
؎	نہیں کرتے جس کے فساد پر اتفاق ہو۔

Marfat.com

اور یہ پہلی برکت ہے جو مسلمانوں کو ان مسائل کے اختلافات سے برابر پہنچتی رہی ہے، کتنے نمازیوں کی نمازیں اور کتنے روزہ داروں کے روزے آئے دن اسی قاعدے کے تحت درست ہوتے رہتے ہیں۔

پھر اسی کے ساتھ اگر اس پر بھی غور کیا جائے کہ ائمہ کے ان ہی اختلافات کا نتیجہ ہے کہ اپنے عالمگیر پیغام، ایسے عالمگیر پیغام ہونے میں اسلام کو جو اپنے سامنے کھلا ہوا وسیع میدان ملا کہ وہ بآسانی ان پر بھی منطبق ہو رہا ہے جو منطقہ حارہ کے نیچے رہتے اور ان کی زندگیوں پر بھی وہ بخوبی چسپاں ہو گیا جو منطقہ باردہ کے متوطن ہیں، وہ ان لوگوں کا بھی دینی آئین بنا ہوا ہے جو مشرق کے آخری کناروں میں آباد ہیں اور ان لوگوں کے لیے بھی مذہبی دستورالعمل بننے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی جو مغربی برفستانوں کے باشندے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اپنے اس لچک میں اسلام کی دوسری خصوصیتوں کو بھی دخل ہے لیکن جہاں تک میں خیال کرتا ہوں، اس سلسلہ میں ان اختلافات سے بھی فائدہ پہنچا اور پہنچایا جا سکتا ہے، جو مختلف مسائل کے متعلق ہم ائمہ فقہ میں پاتے ہیں۔

یہی کھانے پینے کا مسئلہ سب کو معلوم ہے کہ قرآن نے انسانی زندگی کے اس شعبہ کے متعلق بھی بعض قوانین نافذ کیے ہیں، بعض چیزوں کا کھانا اور بعض چیزوں کا پینا مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے، لیکن حسب دستور چند اہم چیزوں کی تفصیل کے بعد قرآن ہی میں پیغمبر کے صفات کو گناتے ہوئے ان ہی کی ایک اہم امتیازی صفت

ویحل لھم الطیبٰت — خبیث (گندی) چیزوں کو ان پر وہ حرام کرتے ہیں

ویحرم علیھم الخبائث — اور پاکیزہ ستھری چیزوں کو حلال کرتے ہیں۔

(اعراف، ۱۵۷)

کو بتا کر اس کا فیصلہ یعنی کن کن چیزوں میں خبث ہے تاکہ وہ حرام کی جائیں اور کون

Marfat.com

کونسی چیزیں صاف و پاک و ستھری ہیں تاکہ انھیں حلال کیا جائے، اس کو نبوتِ کبریٰ کے معیاری مذاق کے سپرد کر دیا گیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھی اس اجمال کی تفصیل میں کچھ جزئیاتی تصریحات اور کچھ کلیاتی اشاروں سے کام لیا، پھر جن کے متعلق جزئیاتی تفصیل کی گئی۔ عموماً خبر الخاصہ ہی کی راہ سے مسلمانوں میں وہ منتقل ہوئیں اور کلیاتی اشاروں کو سامنے رکھ کر ائمۂ اجتہاد نے جو احکام پیدا کیے ان میں جیسا کہ ہونا ہی چاہیے تھا، کچھ اختلافات پیدا ہوئے اور آج وہی اختلافات مختلف مکاتبِ خیال والی کتابوں میں موجود ہیں، میں مثالاً دو مسئلوں کا پہلے ذکر کرتا ہوں یعنی ماکولات (وہ چیزیں جو کھائی جاتی ہیں) ان کے متعلق شاید عوام کو معلوم نہ ہو۔ لیکن علما جانتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر اس باب میں کتنا فراخ اور وسیع ہے۔ خصوصاً آبی حیوانات کے متعلق ان کا مشہور فتویٰ ہے کہ

لا باس باکل جمیع حیوان البحر ؎ — دریا اور سمندر کے جتنے حیوانات ہیں ان کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے

انتہا یہ ہے کہ پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا بحری خنزیر بھی؟ جواب میں امام نے ارشاد فرمایا۔

انتم تسمونہ خنزیرا — تم لوگوں نے اس کا خنزیر نام رکھ دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن میں جس خنزیر کو حرام کیا گیا ہے وہ تو وہی ہے جو خشکی میں بود و باش رکھتا ہے، باقی لوگوں نے دریا کے کسی جانور کا نام اگر خنزیر رکھ دیا ہو تو نام رکھنے سے وہ واقع میں خنزیر نہیں ہو جائے گا۔ بہر حال اسی بنیاد پر مالکیوں کے یہاں بحری خنزیر کا کھانا زیادہ سے زیادہ مکروہ ہے۔

یہ فتویٰ تو آبی حیوانات کے متعلق ہوا، ان کے سوا ایسی تمام چیزیں جنھیں عموماً حشرات الارض کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے یا اسی طرز کے دوسرے جانور،

Marfat.com

ان کے متعلق ابنِ رشد مالکی اپنی اسی کتاب بدایہ میں ناقل ہیں۔

الحشرات والضفادع والسرطانات والسلحفات وما فی معناھا فان الشافعی حرمھا واباحھا الغیر ومنھم من کرھھا

عام حشرات (کیڑے مکوڑے)، مینڈکوں، کیکڑوں، اور کچھوے اور جو چیزیں اسی طرز کی ہوں تو امام شافعیؒ نے انکی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور بعضوں نے سب کو مباح اور جائز ٹھیرایا ہے بعض کراہت کے قائل ہیں۔

اور ٹھیک اس کے مقابلہ میں یعنی ماکولات میں حنفی مذہب کا دائرہ مالکیوں کے اعتبار سے جہاں تنگ ہے، مشروبات (پینے کی چیزوں) کے سلسلہ میں اگرچہ عام طور پر حنفی مذہب **کا** تحقیقی فتویٰ یہی ہے کہ

کل مسکر حرام قلیلہٗ وکثیرہٗ (عام کتبِ فقہ)

تمام نشہ پیدا کرنے والی چیزیں حرام ہیں خواہ ان کی تھوڑی مقدار ہو یا بڑی۔

لیکن بایں ہمہ ہماری کتابوں میں الخمر (انگور کے خام افشردہ سے بغیر آگ پر پکانے کے جو شراب تیار ہوتی ہے) اس میں اور دیگر نشہ اور مشروبات کے متعلق خصوصیت کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعی وغیرہ ائمہ کے جو توسیعی نقاطِ نظر پائے جاتے ہیں خصوصاً حنفی مذہب میں عام نشہ آور عرقیات یا غیر خمری مسکرات کی نجاستِ غلیظہ وخفیفہ ہونے میں جو فرق کیا جاتا ہے، نیز ان کی تجارت کی حرمت وکراہیت میں جو اختلاف ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ خمر کی حرمت کا منکر کافر اور مرتد قرار دیا جائے گا کہ قرآن کے نص قطعی کا منکر ہے، لیکن دوسرے مسکرات کے متعلق اتنی شدت نہیں پائی جاتی، یا خمر کا پینے والا حد (شرعی سزا تازیانہ) کا مستحق ہے، لیکن غیر خمریات کا حکم یہ نہیں ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ کہ طبیبِ حاذق جب تک شفا کو اسی میں منحصر نہ کر دے دواءً بھی ان کا استعمال جائز نہ ہوگا، اور اسی کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کی طرف تدویۃً ہی نہیں بلکہ تقویۃً غیر مسکر مقدار کے متعلق جو مسئلہ پایا جاتا ہے، یا غیر مسلم

Marfat.com

اقوام سے ان مسکرات کی تجارت کی صورت میں عشر (کسٹم ڈیوٹی) کے لینے نہ لینے کی جو بحث ہے، یا یہ مسئلہ کہ کسی غیر مسلم آدمی کی شراب کے مٹکوں کو دھو کر کوئی مسلمان مزدوری حاصل کرے یہ آمدنی اس کی حلال اور طیب ہوگی یا حرام وخبیث؟

حنفی مذہب کی عام کتابوں میں مذکورہ بالا امور اور ان کے سوا بھی اسی کے دیگر متعلقات کے باب میں جو متفرق چیزیں نشہ آور عرقیات ومشروبات کے متعلق ملتی ہیں اور مالکی مذہب کا جو توسیعی نقطۂ نظر ماکولات کے متعلق ہے، اگر ان کو سامنے رکھ لیا جائے جو ظاہر ہے کہ انسانی زندگی کا ایک جزئی در جزئی مسئلہ ہے لیکن ایسے ممالک جیسے شمالی وجنوبی قطب کا حال ہے، سُنا جاتا ہے کہ وہاں کے باشندوں کی گزر اوقات صرف مچھلیوں یا مچھلی اگر نہ ملی تو دوسرے بحری جانوروں کے کھانے پر وہ مجبور ہیں، اگر یہ قوم مسلمان ہونا چاہے تو کیا غذائی حیثیت سے وہ مالکی مذہب کی ماکولاتی وسعتوں سے نفع اُٹھا کر اسلام کے دائرہ میں اپنے آپ کو باقی نہیں رکھ سکتی، یا نشہ آور عرقیات کے سلسلہ میں آج مغربی تمدن کے تسلط کی بدولت دواؤں میں، رنگوں میں، وارنش میں، اور بھی مختلف چیزوں میں الکوحل کے استعمال کا عمومی ابتلاء جو پایا جاتا ہے، جن میں غیروں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے عوام کی بھی ایک بڑی تعداد دنیا کے اکثر حصوں میں شریک ہے، جیسا کہ سُنا جاتا ہے کہ الکوحل کا یہ جوہر عموماً غیر خمری عرقوں سے نکالا جاتا ہے۔ اور کلیتہً یہ نہ بھی صحیح ہو، جب بھی ہر قسم کے الکوحل کا خالص خمری عرقیات ہی سے تیار ہونا یقیناً غیر ضروری ہے۔ ایسی صورت میں یہ جانتے ہوئے کہ ہمارے مذہب میں الکوحل قطعاً حرام ونجس ہے، مسلمانوں میں جو لوگ اس کے استعمال میں لاپروائیوں بلکہ بسا اوقات مخالفانہ اصرار وتمرد سے کام لے کر جس عصیاں بلکہ بغاوت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ کیا خمر کے متعلق امام ابوحنیفہ

لہ حنفی مذہب میں خمر کے متعلق مذکورہ بالا سوالات کے سلسلہ میں جو جوابات پائے جاتے ہیں

Marfat.com

کا نقطۂ نظر ہے اور حنفی مذہب میں اس کے متعلق جو تفصیلات پائے جاتے ہیں، ان کو پیشِ نظر رکھ کر ان مسلمانوں کے جرم کو کیا ہلکا نہیں بنایا جا سکتا ؟ قطعاً حرام و نجس جانتے ہوئے اسی چیز کو استعمال کرنا اور مختلف طریقوں سے اس کو برتنا یقیناً اس جرم کے برابر ان لوگوں کا فعل نہیں ہو سکتا جو اپنے آپ کو حنفی مذہب کی وسعتوں سے فائدہ اٹھانے والوں میں شمار کرتے ہوں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس کی بنیاد علاوہ دوسری چیزوں کے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خاص اجتہادی اصول پر مبنی ہے۔ تفصیل کا موقع تو انشاء اللہ آگے آئے گا۔ جہاں امام کے خصوصی اصول اجتہاد کو بیان کیا جائے گا۔ لیکن اجمالاً اتنا یہاں بھی گوش گزار کر دینا مناسب ہو گا کہ امام کو فرقۂ ظاہریہ سے اس پر تو اتفاق ہے کہ نصِ صریح میں جو لفظ آیا ہے اس پر اصرار کیا جائے گا۔ اتنا اصرار کہ غیر منصوص منصوص کا ہم رتبہ اور ہم وزن نہ ہو جائے اسی لیے عربی زبان میں خمر کا اطلاق واقع میں جس شراب پر ہوتا ہے یعنی انگور کا وہی خام افشردہ جس میں آگ پر چڑھائے بغیر اشتداد اور تیزی پیدا ہو جائے اور "قذف زبد" کر دے۔ یعنی کف اور پھین پھینک دے فقہ کے الفاظ میں اذا غلی وتقذف بالزبد کی کیفیت جب اس افشردہ پر طاری ہو جائے عربی لغت میں خمر اسی نشہ اور عرق کا نام تھا۔ اس زمانہ میں شمپین، برانڈی، وسکی جیسے الگ الگ الفاظ ہیں ان کے معنی اور مصادیق بھی مختلف ہیں، ہر شراب کو شمپین نہیں کہہ سکتے۔ گویا اس حد تک امام ابوحنیفہؒ ایک طرح سے انتہائی ظاہریت پسند ہیں لیکن ظاہریہ سے امام جہاں سے مختلف ہو جاتے ہیں وہ یہ مسئلہ ہے کہ غیر منصوص چیزیں میں اگر وہی سبب پایا جاتا ہو جس کی وجہ سے منصوص شئے پر شریعت نے حکم لگایا ہے تو حضرت امام اس سے بھی چشم پوشی روا نہیں رکھتے مثلاً یہی خمر ہے کہ اس کا پینا نشہ پیدا کرنے کی وجہ ہی سے حرام ہوا ہے اسی لیے امام یہ جائز قرار نہیں دیتے کہ حکم کو صرف خمر تک محدود کر دیا جائے بلکہ جن جن چیزوں میں نشہ آوری کی کیفیت پائی جائے گی ان پر بھی حرمت کا حکم لگایا جائے گا۔ لیکن منصوص غیر منصوص کے برابر نہ ہو جائے۔ اسی لیے خمر کے تمام متعلقہ احکام غیر خمری مسکرات پر وہ عائد نہیں کرتے

Marfat.com

اور یہ تو میں نے بطور مثال کے فقہی اختلافات کے ایسے دو مسئلوں کا ذکر کیا ہے۔ جن سے اندازہ لگانے والے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان اختلافات کی بدولت اسلامی قانون اور اس قانون کے دائرہ میں کتنی عظیم وسعت پیدا ہو گئی ہے سچ تو یہ ہے کہ بیضہ اسلام سے قصداً و اختیاراً ہی نکلنے کا جنون کسی پر سوار ہو جائے تو خیر الگ بات ہے، ان کوتاہ نصیبوں کا تو کوئی علاج نہیں، ورنہ یہ کہنا شاید غلط نہ ہو گا کہ جو اسلام ہی کے دائرہ میں جینا اور مرنا چاہتا ہے وہ پائے گا کہ گنجائشوں کے پیدا کرنے میں اسلام نے کوئی کمی نہیں کی ہے۔ یقیناً ان گنجائشوں کا ایک بڑا باب ان فقہی اختلافات ہی کی بدولت کھلا ہے اور اسی لیے بجائے شر کے میں ان اختلافات کو اسلام اور مسلمان دونوں ہی کے لیے خیر عظیم خیال کرتا ہوں۔

بطور نکتہ بعد الوقوع کے اسلامی اختلافات کے متعلق میری یہ کوئی ذاتی توجیہ اور تاویل نہیں ہے۔ یعنی اختلافات چونکہ واقع ہو چکے اس لیے خواہ مخواہ اپنی طرف سے افادہ کا پہلو ان میں پیدا کرنا چاہتا ہوں، بلکہ خلفاً عن سلف مسلمانوں میں ان اختلافات کے متعلق یہی خیال ہمیشہ پایا گیا ہے، نہ صرف پچھلے دنوں میں بلکہ اسلام کی پہلی صدی تک کو اسی خیال سے ہم لبریز پاتے ہیں۔

عام مسلمانوں کو شاید اس کا علم نہ ہو، مگر اہل علم پر تو یہ بات مخفی نہیں ہے کہ جو اختلافات آج بظاہر ائمہ مجتہدین کی طرف منسوب ہیں، ان اختلافات کا ایک بڑا حصہ دراصل صحابہ ہی کے اختلافات پر مبنی ہے، اور ان ہی سے منتقل ہو کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حنفی مذہب کی دیگر خصوصیتوں میں ایک بڑی خصوصیت ظاہریت اور تبایت کا یہ ایسا حکیمانہ میل ہے جس کی گہرائیوں تک ہر شخص کا پہنچنا آسان نہیں ہے۔ اپنے محل پر انشاء اللہ اس پر مفصل بحث کی جائے گی۔

مسلسل منتظر۔

Marfat.com

اختلافات کا یہ قصہ تابعین و تبع تابعین اور ان کے بعد کے طبقات میں پہنچا، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ان اختلافات کے متعلق سوال ابتدا ہی میں اٹھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھتیجے حضرت قاسم بن محمد ابن ابی بکرؓ جو بچپن میں یتیم ہو جانے کی وجہ سے حضرت عائشہ اپنی پھوپھی کے زیر تربیت آ گئے تھے ام المومنین ہی کے آغوشِ شفقت میں انہوں نے ہوش سنبھالا، انھیں سے علم و عمل کی پختگی ان کے حصہ میں آئی، حتیٰ کہ اپنے عہد میں ان کا شمار ان سات آدمیوں میں تھا جو فقہ و حدیث کی تاریخ میں فقہاء سبعہ کے نام سے مشہور ہیں۔ بہر حال ان ہی کا قول کتابوں میں یہ نقل کیا جاتا ہے کہ

لقد نفع اللہ باختلاف	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے جو اختلافات
اصحاب النبی علیہ السلام	ان کے اعمال میں تھے، خدا نے اس سے یہ نفع
..... فی اعمالھم لا یعمل	پہنچا دیا کہ مسلمانوں میں سے جو کوئی صحابیوں میں سے
العامل بعمل رجل منھم	کسی صحابی کے طرزِ عمل کے مطابق عمل کرتا ہے، وہ
الا رأی انہ فی سعۃ ورأی	اپنے آپ کو گنجائش میں پاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ
ان خیرا منہ قد عملہ۔	اس نے جو کام کیا ہے وہ ایسا کام ہے جسے اس سے زیادہ بہتر آدمی نے کیا تھا۔ لہ

آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں نے تو صرف یہ دعویٰ کیا تھا کہ میرا خیال کوئی نیا خیال نہیں ہے، لیکن حضرت قاسمؒ نے صرف خیال ہی نہیں ظاہر کیا ہے، بلکہ ان اختلافات میں خدا نے افادہ کا جو پہلو پیدا کر دیا اس کی کتنی بہترین پاکیزہ منطقی توجیہ بھی انھوں نے فرمائی ہے یعنی صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے اس اختلافی مسئلے میں ہر مسلمان ان بزرگوں کے نمونوں کو پا رہا ہے جو بہر حال اس سے بہتر تھے۔ صحابہ کے اختلافات پر تو خیر یہ بات صادق ہی آتی ہے ہم عامیوں کے لیے یہی حال ائمہ کے اختلافات کا بھی ہے کہ

Marfat.com

امام مالکؒ کا نہ سہی، امام ابو حنیفہؒ کا تو یہ عمل ہے، یا امام شافعیؒ کا نہ سہی امام احمدؒ کا تو عمل ہے، اور ہم سے تو بہر حال سب ہی بہتر اور خیر ہیں، اس احساس کے بعد آدمی اپنے آپ کو اگر اس گنجائش میں پائے جس کی طرف حضرت قاسم نے اشارہ فرمایا تو آپ ہی بتائیے کہ اس کے سوا اس کا دوسرا احساس اور ہو ہی کیا سکتا ہے اسی کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا

أيّ ذلك اخذت بہ لم — ان اختلافات میں سے جسے بھی تم اختیار کرو تو چاہیے

یکن فی نفسك منہ شئی — کہ پھر تمہارے جی میں کھٹکا نہ رہے۔

اسی زمانہ میں خدا نے مسلمانوں کو ایک بادشاہ جو فقیروں کا فقیر اور "معلم العلماء" کا خطاب تو اس کو اپنے عصر کے سارے علماء ہی کی طرف سے ملا ہوا تھا، میرا اشارہ حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ کی طرف ہے، اس باب میں ان کا نقطہ نظر تو اتنا بلند تھا کہ علانیہ فرماتے تھے

ما احب ان رسول اللہ صلی — اگر صحابہ مختلف نہ ہوتے تو میرے لیے یہ پسندیدہ

اللہ علیہ وسلم لم یختلفوا (دارمی) — بات نہ ہوتی۔

اسی قدر نہیں وہی یہ بھی فرماتے تھے

مایسرنی ان لی باختلافهم — سرخ اونٹ مجھے اتنا مسرور نہیں کر سکتا جتنا کہ ان

حمر النعم — کے یعنی صحابہ اختلاف سے میں مسرور ہوں۔

"سرخ اونٹ" عرب کا ایک محاورہ تھا مراد اس سے ایسی چیز لیتے تھے جس سے زیادہ بہتر اور قیمتی سے دنیا میں دوسری چیز نہ ہو، اپنے اس خیال کی توجیہ وہ بھی یہی کیا کرتے تھے۔

لانه لو كان قولا واحدا — اگر ان امور میں ایک ہی فتویٰ ہوتا لوگ

كان الناس في ضيق۔ — تنگی میں پڑ جاتے۔

Marfat.com

اور یہ وہی بات ہے جو میں نے عرض کی تھی کہ اسلام نے مختلف اقوام و امم، ممالک و اقالیم پر اپنے آپ کو ہر عہد اور زمانے میں جن وجوہ سے منطبق پایا اور اس وقت تک پا رہا ہے، ان میں ایک بڑا اہم عنصر مسائل کے یہ اختلافات بھی ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے یہ بھی منقول ہے آپ فرماتے تھے۔ دارمی میں ہے۔

راجتمعوا علی شئ فترکہ	اگر ایک ہی بات پر وہ (صحابہ) متفق ہو جاتے تو اس
ترك السنۃ ولو اختلفوا	بات کا چھوڑنے والا سنت کا چھوڑنے والا بن جاتا
فاخذ رجل بقول احد	اور جب وہ مختلف ہوئے تو ان میں سے جس
اخذ السنۃ۔ ؎	کسی کے قول کو کوئی اختیار کرلے گا سمجھا جائے گا کہ
	سنت ہی کو اس نے اختیار کیا؟

آپ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ

هو ائمۃ یقتدی بهم فلو	وے لوگ (صحابہ) ایسے پیشوا ہیں جن کی اقتدا کی جاتی
اخذ احد بقول رجل منهم	ہے۔ پس ان میں سے جس کے قول کو بھی جو اختیار کر
کان فی سعۃ	لے گا وہ گنجائش میں رہا۔

(شاطبی)

تقریباً یہ اسی قول کی تصدیق و توثیق ہے جسے قاسم بن محمد اپنے خیال کی تائید و توجیہ میں فرمایا کرتے تھے اس کے متعلق بھی میں نے یہی کہا تھا اور یہاں بھی یہی کہتا ہوں کہ ان تابعین کو جو نسبت صحابہ سے تھی کہ وہ ان کے پیشوا تھے، ایسے پیشوا جن کی اقتداء اور اتباع ہی میں وہ روشنی پاتے تھے یہی نسبت ائمہ مجتہدین سے ہم عام مسلمانوں کو ہے ان پر عمل کرنے والا اگر شریعت کی قصداً پیدا کی ہوئی گنجائش سے نکلتا تو ائمہ کی پیروی کرنے والوں پر بھی تو یہی بات صادق آتی ہے اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تو اس خیال کو بھی اپنی ذات کی حد تک محدود بھی نہیں رکھا دارمی جیسی مستند

Marfat.com

کتاب میں ہے۔

قیل لعمر بن عبدالعزیز — عمر بن عبدالعزیزؒ سے کہا گیا کہ کاش آپ لوگوں کو
وجمعت الناس علی شئ — ایک ہی مسلک پر (بزور حکومت) جمع کر دیتے۔

جن کی نگاہوں میں گہرائی نہ تھی، دین کی بہی خواہی ان کو اتفاق میں نظر آئی، اور بظاہر ایک عامی آدمی اس کے سوا اور کیا سوچ سکتا ہے، لیکن جو مسلمانوں کا امیرو قائد تھا، اور تاریخ نے پیغمبر کے سچے جانشینوں میں جسے شمار کیا ہے، جانتے ہو اتفاق کے اس میموریل کے جواب میں مسلمانوں کو کیا کہا تھا،

ما یسرنی انهم — وہ (یعنی مسلمان) اگر مختلف نہ ہوتے تو یہ بات مجھے
لم یختلفوا۔ — اچھی نہیں لگتی۔

یہ تو جواب دیا گیا، اس کے بعد اسی شخص نے جو اگر چاہتا تو وہ بھی کر سکتا تھا جو دوسروں نے چاہا تھا، یعنی مسلمانوں کو ایک ہی مسلک کا تابع بزور حکومت بنا لیا جائے لیکن مذکورہ بالا جواب کے بعد کہا تو یہ کہا کہ سارے ممالک محروسہ اسلامیہ میں یہ شاہی فرمان آپ کی طرف سے گشت کرایا گیا، الدارمی میں جس کے متعلق یہ روایت پائی جاتی ہے:

ثم کتب الی الآفاق والی — پھر انھوں نے اپنے تمام محروسہ ممالک کے ارباب
الامصار لیقضی کل — بینش و دانش کے نام یہ فرمان لکھوا بھیجا چاہیے کہ ہر
قوم بما اجتمع علیہ فقہاءہم — ملک کے باشندے ان ہی مسائل کی روشنی میں باہم
(ص ۸۰) — فیصلے کیا کریں جن پر ان کے فقہا کا اتفاق ہو چکا ہے

مطلب اس کا جیسا کہ ظاہر ہے یہی ہے کہ مختلف علاقوں کے فقہا میں جو اختلافات تھے ان ہی کو باقی رکھنے اور ان ہی کے اختلافی مسائل کی روشنی میں فیصلہ کرنے کا فرمان عمر بن عبدالعزیزؒ نے نافذ فرما دیا قاسم بن محمد کا جو یہ قول نقل کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

یعنی حضرت قاسم فرمایا کرتے تھے کہ

لقد اعجبنی قول عمر بن عبد العزیز ما احب ان لم یختلفوا — عمر بن عبد العزیز کی یہ بات مجھے بہت پسند آئی یعنی ان کا یہ کہنا کہ صحابہ میں اختلاف پیدا نہ ہوتا تو میرے لیے یہ پسندیدہ بات نہ ہوتی۔

غالباً یہ اسی فرمان کے بعد کا قول ہے جو پہنچنے کے بعد آپ نے فرمایا اور میں تو خیال کرتا ہوں کہ اس قسم کے اقوال سے مثلاً

من لم یعرف الاختلاف لم یشم انفہ الفقہ [۷۹] — جو اختلاف کا عالم نہیں اس کی ناک نے فقہ کی بو بھی نہیں سونگھی۔

جو قتادہ کی طرف منسوب ہے یا سعید بن عروبہ کہتے تھے۔

من لم یسمع الاختلاف فلا تعدہ عالما [۸۰] — جسے اختلافات کی خبر نہیں ہے، اسے تم عالم نہ شمار کرو۔

یا قبیصہ بن عقبہ بیان کرتے تھے۔

لا یفلح من لا یعرف اختلاف الناس [۸۱] — وہ کامیاب نہیں ہو سکتا جو اختلافات سے واقف نہیں ہے۔

ان سب میں اختلاف کی وہی اہمیت جتائی گئی ہے جس نے ایک بڑے عظیم نفع کے دروازہ کو مسلمانوں پر وا کر دیا، اسی لیے بزرگوں سے منقول ہے جیسا کہ ایوب سختیانی کا بیان تھا۔

امسک الناس عن الفتیاء اعلمھم باختلاف العلماء [۸۲] — حکم لگانے میں جلدی نہ کرنے والا وہی ہو سکتا ہے جو علما کے اختلاف سے زیادہ واقف ہے۔

وہ کہتے تھے کہ ان کے استاد ابن عیینہ کا قول تھا۔

اجسر الناس علی — فتویٰ دینے میں زیادہ جری وہی ہو سکتا ہے (یعنی کسی چیز

Marfat.com

الفتیا اقلھم علما   کے متعلق قطعی حکم لگا دینا کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے)

باختلاف العلماء[۸۳]   جو لوگوں کے اختلاف سے ناواقف ہوگا۔

مطلب ان حضرات کا بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اختلافات سے جو ناواقف ہوتے ہیں، وہ مسلمانوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہنکانے لگتے ہیں۔ لیکن جو اختلافات سے واقف ہیں وہ کسی قطعی رائے کے قائم کرنے میں جلدی نہیں کرتے، ان کے فیصلے حالات کو پیشِ نظر رکھ کر صادر ہوتے ہیں۔

اور یہ چند اقوال دارمی اور شاطبی کی کتابوں سے میں نے بطور نمونہ نقل کیے ہیں ورنہ سچ یہ ہے جیسا کہ شاطبی نے لکھا ہے۔

کلام الناس ھھنا کثیر[۸۴]   لوگوں کے اقوال اس باب میں بہت زیادہ ہیں۔

میری غرض تو فقط اسی قدر تھی کہ ان اختلافات کی جو توجیہ میں نے پیش کی ہے، اسے میری کوئی ذاتی اپچ یا ذاتی خیال نہ قرار دیا جائے غالباً اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے اتنی شہادتیں کافی ہیں۔

اور سچ تو یہ ہے کہ جن بزرگوں کی تربیت و پرداخت نبوت کبری کی براہ راست صحبت و نگرانی میں ہوئی تھی انھوں نے اپنے ان اختلافات میں بھی اتفاق کا ایک ایسا رنگ شروع ہی میں پیدا کر دیا تھا کہ بجز نفع کے ان اختلافات پر کوئی دوسرا نتیجہ ہی کیا مرتب ہو سکتا تھا۔ صحابہ کے اختلافات کا ذکر کر کے شاطبی نے بالکل صحیح لکھا ہے وہ فرماتے ہیں۔

انما اختلفوا فیما اذن لھم من	وہ انھیں باتوں میں مختلف ہوئے جن میں اپنی رائے سے اجتہاد کرنے کا انھیں حکم ملا ہوا تھا یعنی جن حوادث
اجتھاد الرای والاستنباط	کے متعلق نص میں کوئی صراحت نہ ملے تو کتاب و سنت
من الکتاب والسنۃ فیما لم	سے استنباط کریں اور اسی میں ان کے اقوال و آرا
یجدوا فیہ نصا واختلاف	مختلف ہو گئے اور وہ اپنے اس اختلاف میں

Marfat.com

فی ذلک اقوالھم تصاروا | تحسین و مدح کے مستحق ہیں کیونکہ جس باب میں اجتہاد کا
محمودین لانھم اجتہدوا | ان کو حکم دیا گیا اسی میں حکم کی تعمیل انھوں نے کی،
فیما امروابہ ۵۵ھ

پھر اختلافات صحابہ کی چند مشہور مثالوں کے ذکر کرنے کے بعد وہی لکھتے ہیں۔

وکانوا مع ھذا اھل مودۃ | اس اختلاف کے باوجود باہمی محبت والفت رکھنے
وتناصح واخوۃ الاسلام | والے لوگ تھے، ایک ایک کا بہی خواہ و خیر اندیش تھا،
فیما بینھم قائمۃ ۵۶ھ | اسلام نے جو بھائی چارہ ان میں قائم کر دیا تھا وہ اپنے حال پر باقی تھا۔

اور سچ تو یہ ہے کہ دنیاوی معاملات ہی کی حد تک نہیں، بلکہ "الدین" میں بھی باوجود اختلاف اور شدید اختلاف کے اس قسم کی حیرت انگیز دیواروں کی مشق جن لوگوں نے باہم پہنچائی ہو۔ جس کی ایک مشہور مثال وہ واقعہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پیش آیا میرا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جس کا ذکر صحاح کی مختلف کتابوں میں کیا گیا ہے یعنی حج کے موسم میں عام قاعدہ عہدِ نبوت سے یہی چلا آ رہا تھا کہ ظہر و عصر کی نمازیں بجائے چار چار رکعتوں کے صرف دو دو رکعتیں عرفات کے میدان میں پڑھی جاتی تھیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اپنے آپ کو مسافر خیال کر کے مسئلہ قصرِ صلوٰۃ ہی پر عمل کرتے رہے خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدت تک اسی پر عمل پیرا رہے۔ لیکن کچھ دن کے بعد حضرت عثمانؓ نے بجائے دو کے چار رکعتوں کے ساتھ ان ہی دونوں نمازوں کے پڑھانے کا ارادہ فرمایا، ارادہ کا اعلان بھی کر دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی، ایک عمل جس پر پیغمبر نے بھی زندگی بھر مداومت فرمائی اور پیغمبر کے بعد ان کے دو دو خلفا کا بھی دوامی طرزِ عمل یہی رہا، خود حضرت عثمانؓ

Marfat.com

بھی اسی کے پابند رہے، لیکن اچانک ان کے اس انقلابی طریقہ عمل سے جیسا کہ چاہیے تھا، صحابہ میں کھلبلی مچ گئی، قصہ تو طویل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نماز سے پہلے جب منادی کرائی گئی کہ اس دفعہ بجائے دو کے چار رکعتیں پوری پڑھائی جائیں گی تو جلیل القدر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اپنے خیموں سے باہر نکل آئے، تانتا بندھا ہوا تھا ایک کے بعد ایک حضرت عثمان کی بارگاہ میں جاتا اور ان سے پوچھتا کہ جس فعل کو نہ آنحضرت نے کیا نہ ابوبکرؓ نے نہ عمرؓ نے، آپ کو اس میں تغیر کا کیا اختیار ہے حضرت عثمان اس کا جو جواب دیتے تھے، اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ مطمئن نہ ہو سکے اور جب تک نماز کھڑی نہیں ہوئی بحث و مباحثہ کا یہ سلسلہ پوری سرگرمی اور شدت کے ساتھ جاری رہا۔ عبدالرحمٰن بن عوف، ابوذر، ابن مسعود جیسے کبار صحابہ اس مسئلہ میں حضرت عثمانؓ سے اختلاف کرتے رہے اور کیسا اختلاف؟ میں نہیں جانتا کہ کسی مسئلہ میں صحابہ نے اتنی شدت کے ساتھ مخالفت کا اظہار بھی کیا ہو، سخت کلامیوں تک نوبت پہنچ گئی لیکن حضرت عثمانؓ برابر اپنی رائے پر مصر رہے[1]۔ بالآخر مایوس ہو ہو کر لوگ اپنے اپنے خیموں کی طرف واپس ہو گئے۔ عام مسلمانوں میں کھلبلی مچی ہوئی

---

[1] یہ ایک فقہی مسئلہ ہے جس کے تفصیلات فقہ اور حدیث کی کتابوں میں پڑھنا چاہیے۔ مختصر یہ ہے کہ جیسا ابوداؤد وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سال پہلی دفعہ حضرت عثمان نے بجائے قصر کے پوری نماز پڑھانے کا ارادہ فرمایا بیان کیا جاتا ہے کہ اس سال دور دور کے دیہاتی مسلمانوں کا مجمع غیر معمولی طور پر اکٹھا ہو گیا تھا۔ حضرت عثمان کو بعض ذرائع سے غالباً یہ خبریں پہنچائی گئیں کہ عرفات و مزدلفہ میں قصر کی نمازوں کو بعض اعراب (دیہاتیوں) نے اپنے علاقوں میں پھیلا دیا ہے کہ دو دو رکعتیں ہی کی یہ نمازیں ہیں۔ دلیل میں وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ہم نے خود خلیفہ کے پیچھے ظہر کی دو اور عصر کی بھی (وعشاء کی بھی) دو ہی پڑھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ناواقف دیہات والوں کو اس سے مغالطہ ہوا ہو تو تعجب کی بات نہیں ہے، مقصود اسی غلط فہمی کا ازالہ تھا۔ روایتوں سے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

تھی کہ دیکھیے آج اس اختلاف کا نماز کے وقت کیا نتیجہ ہوتا ہے، وقت آگیا، نماز کھڑی ہوگئی۔ "چار رکعت میں پڑھاؤں گا۔" اس اعلان کے ساتھ حضرت عثمان امام کے مصلی پر تشریف لے گئے جن صحابیوں نے اختلاف کیا تھا، دنیا ان کے طرز عمل کی منتظر تھی، ششدر و حیران ہو کر لوگ رہ گئے جب انھوں نے دیکھا کہ اتنی شدید بحث و مباحثہ جھگڑوں رگڑوں کے بعد اختلاف کرنے والوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے خیموں سے برآمد ہوا، اور اطمینان کے ساتھ حضرت عثمان کے پیچھے تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے صفوں میں جا کر شریک ہو گیا، اور بجائے دو دو کے ہر ایک نے چار رکعتیں حضرت عثمان کے ساتھ ادا کیں، جب تک نماز ہوتی رہی، ظاہر ہے کہ پوچھنے کا کیا موقعہ تھا، لیکن جوں ہی سلام پھیر اگیا۔ ایک ہنگامہ برپا تھا، ان اختلافات کرنے والے بزرگوں میں سے جس کے پاس بھی جو کھڑا ہوا تھا وہ

عبت علی عثمان وصلیت اربعا — تم نے عثمانؓ پر اعتراض بھی کیا اور پڑھی چار ہی رکعت

یا اسی کے قریب قریب سوالوں سے پریشان کر دیا، لیکن جانتے ہو کہ اختلاف اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے طائف میں کچھ جائداد خریدی تھی۔ وانہ اجمع علی الاقامۃ بعد الحج (جمع الفوائد) یعنی حج کے بعد اسی وجہ سے آپ نے قیام کا ارادہ فرمالیا تھا جس کے معنی یہ ہوئے کہ بجائے مسافر کے ان کی حیثیت مقیم کی ہوگئی اور مقیم پر ظاہر کہ چار ہی پڑھنا فرض ہے، ماسوا اس کے خود یہ بات یعنی سفر میں نماز کے قصر کے متعلق لوگوں کا اختلاف ہے بعض اسے واجب و ضروری یعنی رخصت نہیں بلکہ عزیمت خیال کرتے ہیں حنفی مذہب بھی یہی ہے، لیکن بعضوں کے نزدیک اس کی حیثیت رخصت کی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت عثمان کا خیال رخصت کا نہ تھا رفع مغالطہ اعراب کیلیے اگر انھوں نے بجائے رخصت کے عزیمت پر اور وہ بھی اقامت کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا تو انکو اسکا حق تھا۔

Marfat.com

شدید اختلاف کے ساتھ اتفاق اور کامل اتفاق کے جذبہ کی پرورش جن میں کی گئی تھی، انھوں نے پوچھنے والوں کو جواب میں کیا کہا، روایتوں میں آیا ہے کہ بعضوں نے فرمایا کہ

انی اکرہ الخلاف　　　میں الگ ہونے کو پسند نہیں کرتا

اور بعضوں نے یہ کہتے ہوئے کہ اب بھی میں وہی کہتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق وہی روایت بیان کرتا ہوں جیسا کہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے چار رکعت ادا کرنے کے بعد پوچھنے والوں سے جنھوں نے پوچھا تھا کہ آپ ہی نے بیان کیا تھا کہ آنحضرت ابوبکرؓ وعمرؓ قصر ہی کرتے تھے، جواب میں فرمایا۔

وانا احدثکموہ الآن　　　اب بھی تم سے حدیث تو یہی بیان کروں گا (یعنی سب ہی نے قصر کے ساتھ نماز پڑھائی) (بیہقی)

کبھی یہ بھی فرماتے جیسا کہ بخاری میں ہے

فلوددت ان لی من اربع رکعات رکعتین متقبلتین ۸۸ھ　　　میں اب بھی یہی چاہتا ہوں کہ ان چار رکعتوں کی جگہ وہی دو قبول ہونے والی رکعتیں اگر ہوتیں تو بہتر تھا۔

مگر یہ سب کچھ کہنے سننے کے ساتھ یہ بھی کہتے جاتے تھے۔

فما اخالفہ والخلاف شر ۸۹ھ　　　میں عثمان سے جدا نہیں ہوں گا جدائی میں برائی ہے۔

اگرچہ اختلاف کرنے والوں میں سے بعضوں کا طرزِ عمل تو یہ تھا، جیسا کہ عبداللہ بن عمر کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ

اذا صلی مع الامام صلی اربعا واذا صلاھا وحدہ صلے رکعتین ۹۰ھ　　　جب امام کے ساتھ ان نمازوں کو پڑھتے تو چار ہی پڑھتے اور جب تنہا پڑھتے تو دو پڑھتے۔

لیکن اختلاف میں جو سب سے پیش پیش تھے یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کا

Marfat.com

حال تو اس اختلاف فی الاتفاق میں اس حد کو پہنچا ہوا تھا جس کا ذکر البیقہی کی روایت میں بایں الفاظ کیا گیا ہے کہ۔

ثم صلے باصحابہ فی	عصر کی نماز انہوں نے ساتھیوں کے ساتھ
رحلہ العصر اربعاً	اپنے فرودگاہ ہی میں چار رکعتوں کیساتھ ادا کی

اور یہ وہ حق تھا جو مسلمانوں کے امیر اور امام کو ان کے نزدیک اطاعت کے باب میں حاصل ہے، یعنی خلوت وجلوت، جماعۃً وانفراداً وہ خیال کرتے تھے کہ اس قسم کے اختلافی مسائل میں اختلاف رائے رکھنے کے باوجود عملاً مسلمانوں کو اپنے امیر کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے[1]

بہرحال یہ واقعہ ہو، یا اس کے مماثل عہدِ صحابہ میں بیسیوں واقعات ایسے پیش آئے ہیں جن سے اتفاق کے ساتھ اختلاف، اور اختلاف کے ساتھ اتفاق کی اس ترکیبی آمیزش کا عجیب وغریب مرقع نگاہوں کے سامنے آتا ہے جس کا پیغمبر نے اپنے صحابیوں کو اور صحابیوں نے اپنے تلامذہ تابعین کو عادی بنایا تھا، اور کتنے

---

[1] اپنے مقام میں انشاء اللہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی مسلک کی تفصیل آئے گی، یہاں صرف ایک لطیفہ کا ذکر مقصود ہے کہ امام کے جو تعلقات بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومت اور حکام وخلفا کے ساتھ تھے، وہ عام طور پر مشہور ہیں، دونوں حکومتوں نے آپ کو جیل کی سزائیں دیں، تازیانے لگوائے بالآخر خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے حکم سے آپ شہید ہوئے لیکن ان اختلافات کے باوجود مسلمانوں کے امیر کے حقِ اطاعت پر انھیں کس حد تک اصرار تھا۔ اس کا اندازہ اس مشہور واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ فتویٰ دینے سے حکومتِ وقت نے امام کو ایک زمانہ میں روک دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں امام کے صاحبزادے حماد تنہائی میں بھی کوئی مسئلہ پوچھتے تو امام جواب نہیں دیتے تھے۔ کہتے کہ حکومت نے ان کو افتاء سے منع کر دیا ہے۔ اس واقعہ کا ذکر ان کی سیرت کی کتابوں میں عام طور پر کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

والے خواہ کچھ ہی کہتے ہوں، لیکن میرا خیال تو یہی ہے کہ مدت تک بلکہ اس وقت تک جب تک کہ مسلمانوں کے حال کا تعلق اپنے ماضی سے نہ ٹوٹا تھا، ان اجتماعی مزاج کی عام کیفیت یہی تھی۔ آخر غور کرنے والے جب غور کرتے ہیں تو ان کے دلوں میں یہ سوال کیوں نہیں پیدا ہوتا کہ براہِ راست قرآن کے نصوص قطعیہ مثلاً

ولا تکونوا کالذین تفرقوا	اور نہ ہو جانا ان لوگوں کے مانند جو الگ الگ ہو
واختلفوا من بعد ما جاءھم	گئے اور انھوں نے اختلاف کیا "البینات"
البینات اولئک لھم	(کھلی کھلی باتوں) کے آجانے کے بعد ان کے لیے
عذاب عظیم (آل عمران۔۱۰۵)	بڑا عذاب ہے۔

یا

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا	تھامے رہنا اللہ کی ڈوری کو مل کر اور بکھر نا مت۔
ولا تفرقوا (آل عمران۔۱۰۳)	

یا

ان الذین فرقوا دینھم	جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے
وکانوا شیعا لست منھم	رکھ دیا اور ہو گئے ٹولی ٹولی۔ تم ان میں سے
فی شیئ (انعام۔ ۱۵۹)	کسی میں نہیں ہو

یا

ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب	اور نہ جھگڑنا کہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے
ریحکم واصبروا ان اللہ	گی ہوا تمھاری۔ صبر کیجیو۔ اللہ صبر کرنے والوں
مع الصابرین (انفال۔۴۶)	کے ساتھ ہے۔

یا

ان ھذا صراطی مستقیما	یہ ہے میری راہ سیدھی تو لگے چلے آؤ اسی پر،

Marfat.com

فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل — اور نہ پیچھے پڑنا راہوں کے، تو بچھڑا دے گی یہ بات
فتفرق بکم عن سبیلہ — تمہیں اللہ کی راہ سے۔

(انعام۔ ۱۵۳)

صاف صاف کھلے کھلے الفاظ میں باہمی مخالفتوں سے مسلمانوں کو شدت سے روک رہے تھے اوروں کو جانے دیجئے۔ صحابہ کرام کو کیا ہو گیا تھا کہ اختلافات کا ایک طوفان ان میں برپا ہو گیا جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ فقہی اختلافات کا اکثر و بیشتر حصہ ائمہ کا نہیں خود صحابہ ہی کے عہد کا ہے، پھر صاحب نبوتِ کبرٰی کی تربیت و تعلیم، صحبت و مجالست کا العیاذ باللہ عقل یہ باور کر سکتی ہے کہ اتنا اثر بھی نہ ہوا کہ قرآن کے اتنے واضح اور کھلے ہوئے مطالبہ کی تعمیل بھی ان سے نہ ہو سکی، ایک دو اختلاف ہوتے تو بشریت کی قدرتی کمزوری کے نیچے ممکن ہے کچھ پناہ مل سکتی تھی، لیکن ایک دو کیا معنی گننے پر اگر کوئی آمادہ ہو تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک ان کے شمار کو پہنچا سکتا ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اطمینان کے ساتھ مسلمانوں میں آئندہ بھی ان کے اس طرزِ عمل پر کسی نے تنقید نہیں کی، تنقید کیا کرتے بلکہ ہر قرن اور ہر دور میں لوگ ان اختلافات میں مبتلا رہے گزر چکا کہ اسی کو اچھا سمجھتے رہے کیا قرآن کی یہ آیتیں ان کے سامنے نہ تھیں؟ یا ان کا ترجمہ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا، کوئی ایسا اہم پیچیدہ لاہوتی راز، یا قانونی معمہ بھی تو یہ نہ تھا عامی ہو یا خاصی۔ جو بھی عربی جانتا ہو، وہ ان آیتوں کا مطلب سمجھ سکتا ہے۔

واقعہ یہی تھا اور یہی اب بھی ہے کہ مسلمان قرآن کی ان آیتوں کو بھی سمجھتے تھے، اور اختلافات کی جو صورتیں ان میں پیش آ رہی تھیں، انہیں بھی جانتے تھے اسی لیے اپنے عمل اور قرآن کے مطالبہ میں انہیں کوئی کسی قسم کا تصادم و تضاد محسوس نہیں ہوتا تھا حقیقت یہ ہے کہ قرآن اختلاف اور تنازع سے ضرور منع کر رہا تھا اور کر رہا ہے، لیکن اسی اختلاف و تنازع سے جس سے مسلمان ایک دوسرے سے جدا ہو

Marfat.com

جائیں، ٹولیاں بن بن کر باہم ایک دوسرے سے اس طرح الگ ہو جائیں کہ ہر ٹولی اپنے دین کو دوسری ٹولی کے دین سے الگ چیز خیال کرتی ہو، آپ قرآن کی مذکورہ بالا آیات میں غور کیجئے، جو کچھ میں نے عرض کیا ہے، کیا قرآن کا مطالبہ اس کے سوا اور کچھ ہے؛ شاطبی نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

فکل مسئلۃ حدثت فی	ہر نیا مسئلہ جو اسلام میں پیدا ہو، اور لوگ اس میں
الاسلام فاختلف الناس	مختلف ہو جائیں تو اگر اس اختلاف کیوجہ سے نہ عداوت
فیھا ولم یورث ذلک الاختلاف	پیدا ہو نہ بغض وکینہ اور نہ ایک دوسرے سے جدا ہوں
بینھم العداوۃ ولا بغضاء	تو ہم جان لیتے ہیں کہ وہ اسلام ہی کے مسئلوں میں
ولا فرقۃ علمنا انھا من	سے ایک مسئلہ ہے مگر جو مسئلہ ایسا جھگڑے کہ دلوں میں
مسائل الاسلام وکل مسئلۃ	دشمنی اور باہمی منافرت اس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہو
طرئت فاوجبت العداوۃ	ایک دوسرے کو بُرے بُرے القاب سے ملقب
والتنافر والتنابز والقطیعۃ	اور بُرے ناموں سے پکارنے لگیں، اسلامی اخوت
علمنا انھا لیست من امر الدین	کا رشتہ اس اختلاف کی وجہ سے کٹ جائے تو ہم
فی شئی [۹۱]	جان لیں گے کہ دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

دلیل میں انھوں نے گزشتہ آیتوں میں سے

ولا تکونوا کالذین تفرقوا	نہ ہو جانا ان جیسوں کی طرح جو جدا جدا ہو گئے اور
واختلفوا (آل عمران ۱۰۵)	مختلف ہوئے۔

اور

ان الذین فرقوا دینھم	قطعاً جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے
وکانوا شیعاً (انعام ۱۵۹)	رکھ دیا، اور ہو گئے ٹولی ٹولی۔

کو پیش کرکے لکھا ہے۔

Marfat.com

وجدنا اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من بعده قد اختلفوا في احكام الدين ولم يفترقوا ولم يصيروا اشيعاً[92]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو ہم نے پایا کہ آپ کے بعد دین کے احکام میں ان کے اندر اختلاف پیدا ہوا مگر باوجود اس اختلاف کے وہ جدا جدا نہ ہوئے اور نہ ٹولی ٹولی بنے۔

اور یہی سیدھی سادی بات تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلافات کے ان قصوں کو نہ عہد صحابہ میں قرآنی مطالبات سے انحراف قرار دیا گیا اور نہ اس کے بعد قرآن کی خلاف ورزی کا الزام ان صحابیوں پر عائد کیا گیا بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے سچے خیر خواہوں نے اسی کو خیر ٹھیراتے ہوئے ان کے منافع کے پہلوؤں کو مختلف طریقہ سے اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اکابر ملت کے جو خیالات ان اختلافات کے باب میں تھے ان کی ایک طویل فہرست پہلے درج ہو چکی ہے۔ اس عہد کے بعد بھی ارباب نظر کے سامنے اور بھی عجیب و غریب نکات آتے رہے مثلاً خبر الخاصہ والی حدیثوں کی بنیاد پر جو اختلافات مسلمانوں کی عملی زندگی میں پائے جاتے ہیں یعنی کوئی اپنی نمازوں میں رفع الیدین کرتا ہے، کوئی نہیں کرتا۔ آمین کے لفظ کو کوئی بآواز بلند ادا کرتا ہے کوئی اس دعائی کلمہ کو خفیۃً ادا کرنا بہتر سمجھتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اور اسی قسم کے اختلافات ان مختلف آثار اور اخبار کے نتائج ہیں جو ان مسائل کے متعلق خبر الخاصہ کی راہوں سے مسلمانوں میں پہنچے۔ شیخ اکبر محی الدین بن عربی نے اپنے طویل مضمون میں ان اختلافی مسائل کے متعلق یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ نسلِ انسانی میں جو سراپا محمد (ستودہ صفات) بنا کر پیدا کیا گیا تھا ایسا ستودہ صفات کہ شاعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور نغمیہ مصرعہ

فانک قد خلقت کما تشاء

Marfat.com

آپ اسی طرح پیدا کئے گئے جیسا کہ آپ چاہتے تھے

کو سن کر کہنے والا چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ یہ شعر نہیں بلکہ واقعہ تھا ظاہر ہے کہ جو ایسا ہو، اس کے ہر فعل اور ہر فعل کے ہر پہلو کو ابد تک اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنے کے لیے اگر قدرت نے یہ کیا کہ کسی نہ کسی جماعت یا فرد کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ اسی کو وہ اختیار کرے تو محبت کا اقتضا اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ شیخ کا خیال ہے کہ جو نمازوں میں رفع الیدین کرتے ہوئے خدا کے سامنے جھکتے اور اٹھتے بیٹھتے ہیں وہ بھی اسی فعل کے جلوے کو خدا کے سامنے پیش کر رہے ہیں جیسے خدا چاہتا ہے، اور جو اس عمل کے بغیر اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں وہ بھی وہی کر رہے ہیں جنھیں خدا کا محبوب بندہ کرتا تھا (فتوحات مکیہ کے مختلف مقامات میں شیخ نے اپنے اس نظریہ کا ذکر کیا ہے)

شیخ ہی کے غالی عقیدت مندوں میں ایک عالم صوفی علامہ عبدالوہاب شعرانی مصری رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں۔ انھوں نے تو ایک دو مسئلوں ہی میں نہیں بلکہ شریعت کے تمام ابواب و فصول مسائل و جزئیات کے اسی قسم کے اختلافات سے نفع اٹھاتے ہوئے ان کو ایک مستقل نظام ہی کی شکل میں ڈھال دیا ہے۔ ضخیم ضخیم بڑی کتابیں انھوں نے اپنے اس "نظام نو" کو پیش نظر رکھ کر تصنیف کی ہیں سب کا حاصل یہی ہے کہ اختلافی مسائل کے جس مسئلہ کو بھی لیا جائے اختلاف کے یہی معنی ہیں کہ بجائے ایک پہلو کے اس میں دو پہلو پیدا ہوتے ہیں عام طور پر ان پہلوؤں میں کسی ایک پہلو کو ترجیح دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن شیخ بجائے ترجیح کے یہ کہتے ہیں کہ ان پہلوؤں پر غور کرو۔ یقیناً عمل کرنے والوں کے لیے ان میں کوئی پہلو نسبتاً ذرا دشوار ہوگا۔ اور کوئی آسان و سہل اور یہی حال عمل کرنے والوں کا بھی ہے۔ یعنی وہ قوی ہوں یا ضعیف۔ پس دشوار پہلو کے متعلق سمجھا جائے کہ اس کا

Marfat.com

تعلق قوت والوں سے ہے اور جو پہلو اس فعل کا آسان و سہل ہو، سمجھا جائے کہ اس کا تعلق کمزوروں اور ضعیفوں سے ہے، مثلاً مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے یا نہیں، فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔

شعرانی کہتے ہیں کہ مالی حیثیت سے جو ضعیف اور کمزور ہو، چاہیے کہ وہ اس پہلو کو اختیار کرے کہ دباغت سے مردار کی کھال پاک ہو جاتی ہے، ورنہ ایک تو غریب کی بکری بھی مفت مر گئی اور کھال سے کچھ فائدہ اٹھا سکتا تھا اس سے بھی وہ محروم ہو جاتا ہے، لیکن جسے خدا نے ثروت و دولت دی ہے اس کی ضرورت مردار کی کھال کے بیچنے پر اٹکی ہوئی نہیں ہے چاہیے کہ وہ عدم طہارت کے ہر پہلو کو اختیار کرے۔

شعرانی نے اختلافیات کے سارے ابواب کو جیسا کہ میں نے عرض کیا، اسی اصول پر مرتب کر دیا ہے، اپنے اس نظریہ کا نام انھوں نے "میزان" رکھا ہے مسئلہ اور اس کے متخالف پہلوؤں پر عمل کرنے والوں کی مختلف حیثیتوں کی طرف رجوع کر کے آخر میں فرجع الی المیزان لکھ دیتے ہیں۔ یعنی بات میرے مقررہ میزان پر تل کر یوں بٹ گئی، میزان الکبریٰ نامی کتاب اس باب میں ان کی مشہور کتاب ہے مصر اور ہندوستان دونوں ملکوں میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے فقیر کا مدت سے بلکہ شاید عنفوان شباب سے یہ ارادہ ہے کہ شعرانی کی ایک طویل سوانح عمری مرتب کرے، جس میں تفصیل کے ساتھ ان کے اس نظریہ کی، اور اس کے ساتھ اس عجیب و غریب عالم و صوفی کے دوسرے نظریات کی تشریح کی جائے، لیکن باوجود کافی مواد کے ترتیب کا موقعہ اب تک نہ مل سکا۔

بہر حال اختلافات کے ان قصوں میں مسلمانوں کو بجائے کسی ضرور نقصان کے ہمیشہ اسی قسم کے منافع و فوائد پوشیدہ نظر آئے۔

Marfat.com

وہ جانتے تھے کہ اختلاف انسان کی اس ہبوطی زندگی کی ان خصوصیتوں کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے، جن کے ساتھ متصف ہوکر آدمی اس دنیا میں پیدا ہوا ہے۔ شریعت کا وہ ذخیرہ جو شیوع عام اور استفاضہ کی راہ امت میں منتقل ہوا ہے۔ اس ذخیرہ کو الگ کر دینے کے بعد خبر الخاصہ والی چیزیں ہوں یا قیامت تک پیش آنے والے "حوادث و نوازل" کا وہ لامحدود سلسلہ ہو، جن پر حکم لگانے کا کام اجتہاد و استنباط کا ملکہ رکھنے والی ہستیوں کے سپرد خود شریعت اور شارع نے کر دیا ہے۔ شریعت کے اس حصہ کے متعلق کیا یہ ممکن تھا کہ ہر ایک اسی نتیجہ پر پہنچے جس پر دوسرا پہنچا ہو؟

آدمی کا حال یہ ہے کہ باوجود آدمی ہونے کے نہ کسی کی صورت ہی دوسروں کی صورتوں سے ملتی ہے، نہ آنکھیں ملتی ہیں، نہ ناک ملتی ہے، انتہا یہ ہے کہ ایک کی آواز دوسرے کی آواز سے ایک کی چال دوسرے کی چال سے بھی الگ ہوکر پہچانی جاتی ہے۔ یہ

فی ای صورۃ ماشاء رکبک (انفطار) جس صورت کے ساتھ چاہا تجھے جوڑ دیا۔

کے ارادہ قاہرہ کا حیرت انگیز تماشا ہے، باوجودیکہ ہم میں ہر ایک کی آنکھیں، ہر ایک کے کان، ہر ایک کے ابرو، غرض تقریباً ایک ایک عضو، ایک ایک جوڑ، ایک ایک بند کا محل و مقام ہر ایک میں وہی ہے جو دوسروں میں ہے۔ ایسا کون ہے جس کی آنکھیں بجائے پیشانی کے کلوں پر لگائی گئی ہوں یا اس کی ناک بجائے چہرے کے مونڈھے پر چپکائی گئی ہو، سب میں سب کچھ کو ایک ہی جگہ ایک ہی مقام پر قائم رکھتے ہوئے سب کو سب سے جدا کر دینا، اتنا جدا کہ کروڑوں کے مجمع میں ہر ایک پہچانا جاتا ہے۔ اپنی شکل سے، صورت سے، لب و لہجہ سے، چال ڈھال سے اور جو حال ظاہر کا ہے یہی اور بجنسہ یہی حال باطنی صفات و جذبات عواطف و میلانات کا بھی ہے اسی کا

Marfat.com

نتیجہ ہے کہ لاکھوں لاکھ اشتراکی نقاط کے باوجود تجربہ نے ثابت کیا ہے کہ دو آدمی کی طبیعت بالکلیہ ہر جہت اور ہر لحاظ سے ایک نہیں ہو سکتی، اسی طرح ایک نہیں ہو سکتی جس طرح سمجھا جاتا ہے کہ ایک شخص کا انگوٹھے کا نشان دوسروں کے نشان سے نہیں مل سکتا اور جب واقعہ کی یہی صورت ہے تو شریعت کے جس حصہ کی توضیح و تشریح، تحقیق و تنقیح اور ان مختلف روایات کی جو خبر الخاصہ کی راہوں سے مروی ہوتی ہیں، ان کے متعلق تطبیق و ترجیح وغیرہ کے کاروبار کو امت کے سپرد کر دیا گیا ہے، ظاہر ہے اختلافات کا رونما ہونا، ان میں ایک قدرتی بات تھی، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بالفرض اگر یہ کام بھی خدا اور رسول ہی کی طرف سے انجام دے دیا جاتا، جب بھی کیا اختلافات کے یہ دروازے بند ہو سکتے تھے، ایک ہی بات کے سمجھنے میں جب سب برابر نہیں ہو سکتے اور نہیں ہوتے ہیں، خود پیغمبر نے رب حامل فقہ غیر فقیہ (بسا اوقات فقہ کے حامل خود اس کے سمجھنے والے نہیں ہوتے) والی مشہور حدیث میں فہم کے مختلف مدارج کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس علم کو جو پیغمبر کو خدا کی طرف سے عطا ہوا ہے، موسلا دھار بارش سے تشبیہ دیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سننے والوں کو مختلف قسم کی زمینوں کی شکل میں جو تقسیم فرمایا ہے، بخاری کی اس حدیث کا پہلے بھی کہیں ذکر آچکا ہے، اس سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے کہ ایک ہی بات کے سمجھنے میں سب برابر نہیں ہوتے۔ [1]

---

[1] اس میں کوئی شبہ نہیں، کہ ظاہری اور باطنی خصوصیات کا یہ اختلاف صرف انسانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ حیوانات و نباتات حتیٰ کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ گلاب کی دو پنکھڑیاں بھی ہر لحاظ سے بالکل ایک دوسرے کے مماثل نہیں ہو سکتیں، کچھ نہ کچھ ان دونوں میں بھی ہمیشہ اختلاف پایا گیا ہے جب کبھی اس کی تحقیق کی کوشش کی گئی ہے، لیکن اسی کے ساتھ اس کا بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہستی کے طبقات میں جتنی زیادہ بلندی پیدا ہوتی چلی گئی ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

Marfat.com

پھر اگر شریعت کے سارے کلیات وجزئیات کو قطعی اور صریح و واضح نصوص کی شکل بالفرض اگر عطا بھی کر دی جاتی۔ اور جو چیز عادۃً ناممکن ہے وہ واقع بھی ہو جاتی تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اسی نسبت سے اختلاف کی نزاکتیں بھی بڑھتی چلی گئی ہیں، تا این کہ انسانی دائرہ میں پہنچ کر فطری اختلافات کا یہ قصہ بہت زیادہ پیچیدہ اور ژولیدہ ہو گیا ہے، انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ان اختلافات کے آثار نمایاں ہیں، لیکن عجیب بات ہے کہ ہر شعبہ میں اختلافات اور ان کے آثار و نتائج کی واقعیت کو تسلیم کرتے ہوئے چند دنوں سے صرف ایک معاشی شعبہ میں چاہا جا رہا ہے کہ آثار و نتائج کے ان اختلافات کو ختم کر دیا جائے وہی جس کی تعبیر اس زمانہ میں مسئلہ اشتراکیت یا بالشویزم سے کی جاتی ہے، چاہا گیا تھا اور شاید اب بھی دنیا میں اس کے چاہنے والے موجود ہیں کہ غربت و امارت کا جو تفاوت باہم افرادِ انسانی میں پایا جاتا ہے اسے ختم کر دیا جائے اور جس طرح بکریوں، بھیڑوں جنگلی جانوروں میں امیری غریبی کا کوئی فرق نہیں ہے، گھاس پانی سب میں ان کی ضرورتوں کے مطابق تقسیم ہوتا ہے۔ یہی کیفیت افرادِ انسانی میں بھی پیدا کر دی جائے اس میں شبہ نہیں کہ غربت و امارت کا جو تفاوت زبردستوں کی زبردستیوں اور کمزوروں کی کمزوریوں سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا روکنا تو آدمی کے بس میں ہے اور اسی لیے دنیا کے اکثر مذاہب خصوصاً اسلام میں اس ظالمانہ فرقِ مراتب کے انسداد کی صورتیں مختلف طریقوں سے پیدا کی گئی ہیں۔ مسئلہ سود، قانونِ وراثت، قانونِ زکوٰۃ وغیرہ ان ہی معاشی مفاسد کے انسداد کے ذرائع ہیں، لیکن تفاوت کا جو قصہ افرادِ انسانی کے فطری صفات کے تفاوت پر مبنی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا انسداد کیسے کیا جا سکتا ہے اور اس میں کامیابی اس وقت تک کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ جب تک ان صفات ہی کی پیدائش نہ روک دی جائے جن کو لے کر آدمی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور ان ہی کی بنیاد پر ہم میں ایک اونچا اور دوسرا نیچا بن جاتا ہے اس مسئلہ کا ذیلی طور پر اس لیے ذکر کر دیا گیا کہ تفاوت صفات کا تذکرہ آ گیا تھا، ورنہ نظریۂ اشتراکیت کی یہ کامل تنقید نہیں ہے اور نہ اس کے بحث کا یہ مقام ہے "اسلامی معاشیات" نامی کتاب کے مقدمہ میں اس پر تفصیلی تبصرہ کیا گیا ہے جسے خاکسار نے حال ہی میں لکھا ہے۔ ۱۲

Marfat.com

فہموں کے اس اختلاف سے مختلف لوگوں کے نکالے ہوئے نتائج میں جو اختلاف پیدا ہوتا؛ اور ہوتا کیا معنی، ہوا اور ہو رہا ہے اس ناگزیر اختلاف کے انسداد کی کیا صورت ہو سکتی تھی، قرآن کی مشہور آیتیں جن میں بتایا گیا ہے کہ خدا چاہتا تو افرادِ انسانی کو بھی ایک ہی اُمّت بنا دیتا، آخر حیوانات و نباتات میں جو وحدت کے اس رنگ کو قائم کیے ہوئے ہے۔ ہاتھیوں کی ایک امت ہے، طوطوں کی ایک امت ہے، سب کا کھانا پینا، رہنا سہنا اور سب کے احساس و ادراک کا ایک حال ہے جس نے یہ کر کے دکھایا ہے، کیا آدمی میں اسی رنگ کے پیدا کرنے سے وہی قدرت عاجز ٹھیرائی جا سکتی ہے، لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو اس کے یہی معنی ہیں کہ افراد انسانی کا ظاہراً و باطناً مختلف ہونا ایک قدرتی بات ہے بلکہ سورۂ ہود کی آیت

ولو شاء ربك لجعل الناس امة	اور اگر چاہتا رب تیرا تو بنا دیتا لوگوں کو ایک
واحدة ولا يزالون مختلفين	اُمّت اور یہ ہمیشہ مختلف رہیں گے مگر وہی
الا من رحم ربك ولذلك	جس پر رحم کرے تیرا رب اور اسی لیے پیدا
خلقهم	کیا ہے ان کو۔

آخری الفاظ "اسی لیے پیدا کیا ہے ان کو" کی تفسیر میں مفسرین کا ایک گروہ تو یہی کہتا ہے کہ مراد اس سے انسانوں کا باہم مختلف ہونا ہے، بیضاوی میں اسی رائے کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے

الضمير للناس فالاشارة	(خلقهم) میں ہم کی ضمیر کا مرجع "الناس" ہے اور
الى الاختلاف	(ولذلك) کا اشارہ ایسی صورت میں اختلاف
(ص ۳۸۹ ج ۱ مطبوعہ ہند)	کی طرف ہوگا۔

بہر حال جس طریقہ سے بھی دیکھا جائے مشاہدہ اور تجربہ کی راہ سے ہو یا قرآن و حدیث کی روشنی میں ہو، ہر حال میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ افراد انسانی کا اختلاف

Marfat.com

مصنوعی نہیں بلکہ قدرتی ہے، بنانے والے نے آدمی کی ساخت ہی ایسی رکھی ہے کہ باہم ان کا مختلف ہوجانا ناگزیر تھا، اس کے ازالہ کا خیال قدرت سے مقابلہ کا خیال ہے. البتہ اس قسم کے جبلی صفات مفاسد کے روکنے کی کارگر تدبیر ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ ازالہ نہیں بلکہ امالہ کر کے بجائے نقصان کے ان سے نفع اٹھا لیا جائے اور اسلام نے یہی کیا بھی ہے، اس نے دین کے ایک حصہ کو تو شیوع عام اور استفاضہ کی راہ سے لوگوں میں اس طرح پھیلا دیا کہ خود شریعت کے العیاذ باللہ غلط یا صحیح ہونے کا احتمال تو ان قلوب میں پیدا ہو سکتا ہے جواب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہیں لائے ہیں۔

لیکن یہ بات کہ جس حصہ کو یہ کیفیت عطا کی گئی ہے وہ اسی دین کے اجزا ہیں جس کی تبلیغ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اس کا انکار آدمی کے بس سے باہر ہے، مثلاً خود قرآن کا، جو چیزیں اسلام کی اسی راہ سے پہنچی ہیں جس راہ سے قرآن پہنچا ہے ان کا جو حال ہے، قرآن میں اسی کا نام "البینات" رکھا گیا ہے یعنی ان کا دین کے عناصر و اجزاء میں ہونا ایک ایسی کھلی بین حقیقت ہے جس کا انکار عقل و فطرت کے حدود سے خارج ہے ان ہی "البینات" پر متفق و متحد کر کے مسلمانوں کے اختلافی پہلو کا امالہ ان امور کی طرف کر دیا گیا جن کی حیثیت دین میں "البینات" کی نہیں ہے یعنی البینات میں متفق و متحد ہو کر اگر غیر بنیادی مسائل میں اختلاف بھی پیدا ہو جائے تو اس اختلاف کو ایسا اختلاف نہیں قرار دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ایک ٹولی کا دین دوسری ٹولی کے دین سے یا ایک فرقہ کا مذہب دوسرے فرقہ کے مذہب سے جدا ہو جاتا ہے، اور یہی وہ بات تھی کہ ابتداء ہی سے یعنی عہد صحابہ ہی سے مسلمان ان امور میں مختلف ہوتے رہے، لیکن نہ اس اختلاف کو انہوں نے چنداں اہمیت دی اور یہ تو کبھی ہوا ہی نہیں کہ محض اس اختلاف کی وجہ سے

Marfat.com

مسلمانوں کے کسی گروہ کو دوسرے طبقہ سے جدا کیا گیا ہو، بلکہ اس اختلاف میں افادے کے نت نئے پہلو مختلف زمانوں میں مسلمان جو پیدا کرتے رہے ہیں ان کی ایک حد تک تفصیل سنائی جا چکی ہے

اور سچ تو یہ ہے کہ گذشتہ تیرہ صدیوں میں مختلف اقالیم و امصار میں جن بزرگوں کے جن خداداد کمالات کا ظہور اسلام کے مختلف شعبوں میں ہوتا رہا اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو برروئے کار لانے میں ان اختلافات کا بھی حصہ ہے، ان ہی کی تحقیق و تفتیش، تنقید و تنقیح اور ان میں تطبیق و توفیق و ترجیح کی کوششوں ہی کا تو یہ نتیجہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی امامت و پیشوائی کے جلیل منصوبوں پر وہ سرفراز ہوئے اور اپنی محنتوں، جان کاہیوں کا جو صلہ اس دن ان کے سامنے جب آئے گا جس دن ہر صاحب فضل کو اس کا فضل عطا ہوگا، آج اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے، سورۂ ہود کی مذکورہ بالا آیت کے متعلق بعض ارباب نظر کی نظر جو یہاں پہنچی ہے جسے قاضی بیضاوی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے

أو الیه والی الرحمة (ج ا ص ۳۸۹ مطبوعہ ہند) یعنی ذالک کے اسم اشارہ کا اشارہ اختلاف کی طرف بھی ہو اور رحمت کی طرف بھی ہو۔

توجہاں تک واقعہ ہے اس سے تو اسی کی تائید ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ میلانات و رجحانات کے فطری اختلاف کے رخ کو "البینات" سے ہٹا کر جن لوگوں نے دین کے "غیر بیناتی" حصہ کی تحقیق و ریسرچ کی طرف پھیر دیا، ظاہر ہے کہ اپنے اجتہاد و کوشش کے صلہ سے وہ محروم نہیں ہو سکتے اور محروم کیا معنی خدا کی رحمتوں اور کرامتوں کے وہ مستحق نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا، پس کھلی ہوئی بات ہے کہ یہی اختلاف ان کے حق میں ذریعۂ رحمت بن گیا، اور یوں ذلک کے اسم اشارہ کا اشارہ "اختلاف اور رحمت" دونوں طرف صحیح ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

بلکہ کل ان کے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے اس کا ثبوت آج ہی اس سے مل رہا ہے کہ کروڑ ہا کروڑ مسلمانوں کے قلوب نسلاً بعد نسل ان بزرگوں کے تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز ہیں اتنے لبریز کہ "رحمۃ اللہ علیہم" "رضی اللہ تعالےٰ عنہم" کی دعاؤں کے بغیر ان کا تذکرہ نہیں کر سکتے۔ آخر کوئی بات ہی تو ہے کہ مکتب خانوں کے میاں جی بیچارے بھی تو بچوں کو قرآن ہی پڑھاتے ہیں، خدا کی باتیں ہی سکھاتے ہیں مگر اعزاز و احترام کا وہ حصہ ان کو کیوں نہیں دیا جاتا جو صرف ان بزرگوں کے ساتھ مخصوص ہے جنھوں نے خلافیاتی مسائل کے سلجھانے کی کوششوں میں اپنی جانیں لڑا دی ہیں۔

یہی وہ وجوہ و اسباب ہیں جن کی بنیاد پر سمجھا جاتا ہے کہ انسانی افراد کے باہمی اختلافات کے ازالہ کی کوشش دنیا کے جن مکاتبِ خیال میں چاہا جاتا ہے، خواہ اس کا تعلق دین سے یا دنیا سے ہو یا زندگی کے کسی شعبہ سے ہو یہ ایک لاحاصل کوشش اور بے معنی سعی ہے بلکہ یہ نصب العین خود اس نصب العین کی غلط اور باطل ہونے کی دلیل ہے لہ

لہ مجھے تو اس پر حیرت ہوتی ہے کہ انسانوں میں کوئی اونچا کیوں ہو اور نیچا کیوں ہو، اس سوال کے اٹھانے والے اس کے سوا اور کیا چاہتے ہیں کہ دنیا جو کچھ مان رہی ہے اسکو چھوڑ کر ان کی ماننے لگے، ان کو اپنا امام بنا لے، اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلے۔ کیا خود یہ نظارہ اسی کا نہیں ہے کہ سب کو نیچا کر کے ایک ان میں اونچا بن رہا ہے یا بننا چاہتا ہے۔ آخر جاہ کی راہوں میں یہ نشیب و فراز بہر حال جب باقی ہی رہیگا تو بالفرض اگر مال کی حد تک ہمواری پیدا کرنے میں کامیابی بھی ہو جائے تو اس کا کیا حاصل، ضرورت کی حد تک مال کی طلب کا پیمانہ ہی کیا ہے۔ ضرورت تو اسکی بھی پوری ہوتی ہے جو غریب دینا نہیں دس پانچ سے زیادہ کما نہیں سکتا معاشی تگ و دو کی ساری گرم بازاری کے پیچھے غور کرنے والے جانتے ہیں کہ زیادہ تر آبرو و جاہ ہی کا جذبہ چھپا ہوا ہے اور اگر جاہ طلبی کا دروازہ بھی بند کر دیا گیا تو دنیا میں ہو یا آخرت میں افراد کے فطری کمالات کے ظہور کا ذریعہ ہی کیا رہ جائے گا۔

Marfat.com

ضرورت جو کچھ بھی ہے وہ ازالہ کی نہیں، بلکہ صرف امالہ کی ہے اور یہی تدبیر اسلام نے اختیار کی، مسلمان ابتداء سے اسی پر عمل پیرا رہے۔

لیکن اچانک مسلمانوں کو کچھ دنوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ "مذہبی اختلاف" جس میں گوناگوں مصالح و منافع کی ضمانتیں پوشیدہ تھیں، ایک ایسا لفظ بن گیا ہے کہ زبان سے ادھر نکلا نہیں اور پیشانیاں چڑھ گئیں، حقارت و نفرت کے جذبات میں تلاطم پیدا ہو جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شدید ترین جرم ہے جس کے مسلمان مرتکب ہیں ان پر تو زبانیں بظاہر نہیں کھلتیں، جن پر زبان کھولنے کا نتیجہ اگر اپنے خون سے نہیں تو کم از کم اپنی عزت و آبرو سے کھیلنا بن جاتا ہے، لیکن لعنت کی کوئی قسم اور ملامت کا کوئی طریقہ باقی نہیں چھوڑا جاتا جو عام مسلمانوں پر نہ برسائے جاتے ہوں، وہ دھتکارے جاتے ہیں، درورائے جاتے ہیں اسی قصور میں کہ مذہبی "اختلافات" کے قصوں کے مٹانے میں وہ اب تک کامیاب نہیں ہو سکے، ذمہ داری اسی کی تھوپی جاتی ہے۔ مذہبی پیشواؤں کے سر اور دھجیاں اس کے بعد بکھیری جاتی ہیں ان غریبوں کے جبہ و دستار کی۔

یہ حال ہے جس میں کسی ایک ملک ہی کے مسلمان مبتلا نہیں ہیں بلکہ تقریباً آج جہاں کہیں ایسے مقامات ہیں مسلمان آباد ہیں جہاں کسی نہ کسی بھیس میں مغربی تہذیب تمدن کے تھپیڑے پہنچ سکے ہیں۔ سب کی یہی کیفیت ہے؟

وقت آ گیا ہے کہ کچھ اس کے متعلق بھی عرض ہی کر دیا جائے، طوالت تو ہو ہی چکی، لیکن جس لیے طوالت کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے، ڈر ہے اگر یوں ہی خاموشی اختیار کی گئی، جیسے اب تک کی جا رہی ہے تو اس کا طول و عرض حد سے زیادہ نہ متجاوز ہو جائے میں نے کسی موقعہ پر اشارہ کیا تھا کہ مسلمانوں کے حال کو ان کے ماضی سے بے تعلق کر کے جب تک توڑا نہیں گیا تھا اس وقت تک ان "مذہبی

Marfat.com

اختلافات کی ضرررسانی کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہ تھی بلکہ بالعکس اس کے ہمیشہ ہر دور میں بزرگوں نے اس کے افادی پہلوؤں ہی کو مسلمانوں پر واضح کرنے کی کوشش کی۔ دراصل ان اختلافات کی تاریخ کا یہی وہ ماضی تھا جس سے بتدریج مسلمانوں کو جدا کیا جا رہا ہے اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اپنے ماضی سے توڑنے پر بس نہیں کیا گیا، بلکہ کچھ ایسے حالات پیدا ہوتے جا رہے ہیں جن کی بدولت اپنوں سے ٹوٹ کر شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلمان اپنے حال کو ان قوموں کے ماضی سے جوڑ رہے ہیں جن کا ماضی مسلمانوں کے ماضی سے مختلف بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ بالکلیہ مختلف ہے لیکن مغالطہ یہ ہو رہا ہے یا دیا جا رہا ہے کہ وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں۔ پس انسانوں کی تاریخ ماضی کا مطالعہ انسانوں ہی کے حال کی تصحیح کے لیے اگر کیا جائے تو اس کے سوا فطری قاعدہ اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔

لیکن میں اس کو مغالطہ اور بدترین قسم کا مغالطہ یقین کرتا ہوں، تفصیل کے لیے تو شاید ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، لیکن میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کا خلاصہ شاید یہ ہو سکتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مذہبی اختلافات کے باب میں مسلمانوں کی اگلی نسلوں کے جو احساسات تھے، غالباً اس کا ایک معتد بہ اور کافی حصہ آپ سن چکے، اب ذرا آئیے، جن قوموں کی ماضی کا مطالعہ یہ باور کرا کرا کے مسلمانوں کو کرایا جا رہا ہے کہ آخر وہ بھی تو ہم ہی جیسے انسان تھے کیوں نہ اپنے حال کی تصحیح میں ان قوموں کے ماضی سے مسلمان بھی فائدہ اٹھائیں میں چاہتا ہوں کہ ان قوموں کے ماضی کی صحیح اور سچی داستان مذہبی اختلافات کے مسئلہ میں کیا ہے۔ آپ کے سامنے تفصیلاً نہ سہی اجمالاً ہی پیش کر دوں۔ میں صرف اشارے کروں گا۔ کیونکہ واقعات سے کم و بیش لوگ آگاہ ہیں، البتہ ان کے متعلق جس نقطۂ نظر کو اس تقابلی مطالعہ کے سلسلہ

Marfat.com

میں پیش کرنا چاہتا ہوں، عموماً اس سے غفلت برتی جاتی ہے اس لیے میرا یہ بیان تفصیل کی نہیں صرف تنبیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اتنا تو سب ہی جانتے ہیں کہ مذہب کے متعلق آج یورپ کے احساسات کچھ ہی ہوں لیکن زیادہ دن نہیں گزرے ہیں، صدی دو صدی سے بھی شاید کم ہی مدت کہ یورپ ایک مذہبی اور غالی قسم کا مذہبی ملک تھا۔ مختلف عوامل و موثرات، اسباب و وجوہ کے تحت آج سے سینکڑوں سال بلکہ ہزار ڈیڑھ ہزار سال بھی اگر کہا جائے تو یہ غلط نہ ہوگا کہ مذہب نے اس ملک میں اپنا ایک عجیب و غریب نظام قائم کر لیا تھا، وہی نظام جس کی عام تعبیر لفظ "کلیسا" سے کی جاتی ہے۔

یہ کلیسا اور اس کا قائم کیا ہوا نظام کیا تھا، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ ہزار ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ ہے، لیکن اتنا تو سب ہی جانتے ہیں کہ یہ ایک بے پناہ طاقت اور قوت تھی، جو مذہب کے نام سے یورپ میں قائم ہو گئی تھی اور ایسی استوار و محکم بنیادوں پر یہ قائم تھی کہ اس ملک کا کوئی باشندہ مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا، غریب ہو یا امیر، حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے راجواڑوں سے لے کر بڑے بڑے صاحبان تخت و تاج باشوکت و جبروت سلاطین بھی طاقت و قوت کے اس آہنی شکنجے میں کچھ اس طرح جکڑے ہوئے تھے کہ کلیسا کی مرضی کے خلاف ہل بھی نہیں سکتے تھے یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے جس دور کا نام یورپ کی تاریخ میں "قرونِ متوسط" رکھا گیا ہے اور آج ان ہی قرونِ متوسط کو ریسرچ کے زور سے مسلمانوں کی تاریخ میں بھی ڈھونڈھا جا رہا ہے۔ چاہا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کے گزرے ہوئے قرون میں بھی کچھ ایسے قرون پیدا کیے جائیں جن کا نام بھی وہی یورپ کے "قرونِ متوسط" کا نام ہو اور ثابت کر دیا جائے کہ ان کے کام بھی وہی تھے جو یورپ کے قرونِ متوسط میں انجام دیے گئے۔

Marfat.com

خیر یہ تو الگ بات ہے کہ مسلمانوں پر بھی کچھ ایسے قرون گزرے ہیں یا نہیں جنھیں واقع میں لفظاً و معناً یورپ کے قرونِ متوسط کا ہمدوش و ہم زلف قرار دیا جا سکتا ہو، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ اپنے قرونِ متوسط کے متعلق کلیسا کی بے پناہ قوتوں اور طاقتوں، عنان گیختہ اقتدارات و اختیارات کی جو داستان بیان کرتا ہے یقیناً وہ وہی ہے جو وہ بیان کرتا ہے۔

کہہ چکا ہوں کہ تفصیلات کا نہ تو یہاں موقعہ ہے اور نہ ان کی ضرورت ہے۔ صرف موٹی موٹی چند مشہور چیزوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز جو سامنے آتی ہے وہ Isidoran Decretalis نام کا وہ مجموعہ ہے جسے آج یورپ اپنی تحقیقاتی روشنی میں خواہ کچھ ہی قرار دیتا ہو لیکن جب سنہ ۸۶۰ء میں رومتہ الکبریٰ سے وہ شائع کیا گیا اور تقریباً ہزار بارہ سو سال تک بلکہ اس سے بھی زیادہ زمانہ تک مقدس صحیفہ کی حیثیت سے کلیسا کے خزانہ میں وہ محفوظ رہا۔ سب جانتے ہیں کہ اس کی نوعیت ان لاریبی وثائق و مستندات کی تھی جن کے کسی ایک فقرہ پر شک کا اظہار تنداد۔ اور دینِ مسیحی سے خارج ہونے کے لیے کافی تھا۔ اے۔ جی۔ گرانٹ صاحب اپنی کتاب تاریخ یورپ میں ان مندرجات کا جو اس مجموعہ میں تھے یہ خلاصہ بیان کرتے ہیں۔

"پوپ کو کلیسا کے معاملات میں بلا شرکت غیرے کامل اختیارات حاصل ہیں۔ اور مغربی ممالک (یورپ) پر حکمرانی کا حق بھی اسی کو حاصل ہے" ؂۹۳

اس مجموعہ کے نہ براہِ راست دیکھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے نہ ان کے تراجم تک میری رسائی ہے، لیکن جن تحریروں کے کسی مجموعہ کا یہ خلاصہ ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں کیا کچھ نہ ہوگا۔

اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ وہ شاہی وثیقہ ہے جو سب سے پہلے عیسائی

Marfat.com

مذہب کے قبول کرنے والے بادشاہ "قسطنطین" کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ کلیسا کے نام تعمیل کیا گیا۔ گرانٹ صاحب نے جس کا نام "عطیہ کانس ٹن ٹائن" بتایا ہے اور وہی راوی ہیں کہ اس عجیب و غریب نوشتہ میں یہ بیان کیا گیا ہے۔

"شہنشاہ کانس ٹن ٹائن وفادار، رحمدل، قادر و نیک نفس، شاہ اقوام المانی و سرپانی و جرمانی، و بطانی، و ہونی، پارسا، و خوش نصیب فاتح و غازی و ذی شان، مرض جذام میں مبتلا تھا اور بت پرست پجاریوں نے اس کو مشورہ دیا تھا کہ معصوم بچوں کے خون میں نہلائے بغیر اسے صحت نہیں ہو سکتی، مگر سینٹ پال اور سینٹ پٹیر کی دعاؤں سے اسے صحت حاصل ہوئی اور صحت یابی کے شکریے میں اس نے حکم دیا کہ کلیسا رعما کا قسیس اعلیٰ تمام دنیا کے قسیسوں کا سردار ہوگا اور پوپ سلوسٹر ہمارے محلات واقع روما، اور خود شہر روما، اور اطالیہ کے تمام اضلاع اور صوبوں اور ممالک غرب (یورپ) پر قابض رہے گا۔

اور آخر میں لکھا ہوا تھا کہ

"ان احکام میں ختم عالم تک کسی قسم کی ترمیم یا تغیر نہ کیا جائے"۔ ۹۴

جیسا کہ گرانٹ صاحب نے خود ہی لکھا ہے کہ پہلا مجموعہ بھی

"زمانہ حال کے تحقیقات سے یہ ظاہر ہے کہ یہ سب تحریریں جعلی تھیں"۔

۹۵

اسی طرح کانس ٹن ٹائن کا عطیہ" والے وثیقہ شاہی کے متعلق بھی وہی لکھتے ہیں کہ

"پندرہویں صدی تک جب تک کہ یورپ میں پھر علوم و فنون کا دور دورہ نہ ہوا، کسی میں ہمت نہ تھی کہ اس تحریر کو جعلی قرار دے یا اسکی صحت میں شک لائے" (٢٥٢)

Marfat.com

اوراس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں پر اقتدار کے پنجوں کو مضبوط کرنے کے لیے یہ جعلی تحریریں وقتاً فوقتاً بنائی جاتی تھیں، ان بھولے بھالے مسکینوں پر ان کا کیا اثر مرتب ہو سکتا تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ بتدریج پوپوں کی قوت اپنی جڑیں جماتی چلی جاتی تھی۔ تا ایں کہ گیارہویں صدی عیسوی کے مشہور پوپ گری گوری ہفتم کے زمانہ میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس عہد کی ایک تحریر کا ترجمہ گرانٹ صاحب نے ان الفاظ میں دیا ہے:

"پاپائے روما کا کوئی ثانی نہیں، اسی کو بشپوں کے عزل و نصب کا اختیار ہے، اس کے افعال پر حرف گیری کرنے والا کوئی نہیں، کلیسا روما کو نہ کبھی دھوکا ہوا ہے اور نہ ہو گا، پوپ کو شہنشاہوں کے معزول کرنے کا اختیار ہے۔ انسانی نخوت نے بادشاہوں کی قوت پیدا کی ہے، اور خدا کے رحم نے بشپوں کی قوت پیدا کی ہے، پوپ شہنشاہوں کا آقا ہے۔"

(ص ۲۶۸)

گرانٹ صاحب نے لکھا ہے اور سچ لکھا ہے کہ اسی قسم کی تحریروں کا اثر تھا کہ لوگ

"کلیسا کو دنیا کی اعلیٰ ترین قوت خیال کرتے جسے اقتدار ذات باری تعالیٰ سے براہِ راست عطا ہوا تھا اور جس کے بادشاہ اور شاہزادے دست نگر تھے۔"

(ص ۲۶۹)

نہ صرف پوپ ہی کا وجود ہر قسم کی حرف گیریوں سے آزاد تھا بلکہ جن بشپوں اور پادریوں کو خدا کے رحم نے پیدا کیا تھا، ان کے متعلق بھی پوپ کا دعویٰ تھا کہ

"سلطنت کی عدالتوں کو پادریوں کے مقدمات سماعت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔"

(ص ۳۳۶)

۱۰۷۵ء میں گری گوری ہفتم کی اس پاپائی کشتی کا ترجمہ ایک موقعہ پر گرانٹ صاحب

Marfat.com

ہی نے یہ درج کیا ہے۔

"دنیاوی حکام خواہ شہنشاہ ہوں یا بادشاہ وغیرہ وہ ہرگز مجاز نہیں ہیں کہ عہدہ دارانِ کلیسا کا تقرر عمل میں لائیں اور عصا اور انگشتری سے اس کو سرفراز کریں"

آگے تھا:

"اگر کوئی شہنشاہ یا بادشاہ یا ڈیوک وغیرہ مذہبی خدمات کے تقررات میں دخل دینے کی جرأت کرے گا تو وہ کافر و مرتد ہے" (ص ۲۷۰)

کفر وارتداد کے اس پاپائی فتویٰ کے بعد پادریوں کے اقتدار کا جو حال ہو سکتا ہے ظاہر ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ یورپ تو یورپ تمام دنیا کے مسیحی ممالک کے لیے ان کی تعمیل واجب و فرض سمجھی جاتی تھی، گرانٹ نے شاہ فریڈرک کے حالات میں ایک موقعہ پر لکھا ہے کہ پوپ نے شہنشاہ کو کلیسا سے خارج کر دیا تھا اور یہ کم سے کم سزا تھی جو کسی بادشاہ کو پاپائی آستانہ سے بہ نظر ترحم نہ دی جاتی تھی، اثر صرف اس قدر تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں جو صلیبی لڑائیاں پوپ کی فتویٰ نمائیوں کی روشنی میں یورپ والے لڑ رہے تھے ان مذہبی جنگوں میں "کلیسا بدر" بادشاہوں کو شرکت کا استحقاق باقی نہ رہتا تھا۔ بہرحال فریڈرک کو بھی سزا دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا، جیسا کہ گرانٹ ہی نے لکھا ہے۔

"جب وہ (فریڈرک) وہاں (یروشلم) پہنچا تو اسے کوئی پادری ایسا نہ ملا، جو تاج اس کے سر پہ رکھتا (یہ ایک رسم تھی جو بادشاہوں کے لیے پادری ادا کرتے تھے) کیونکہ وہ کلیسا سے خارج ہو چکا تھا اس لیے اس نے قربان گاہ سے تاج اٹھا کر اپنے ہاتھوں سے اپنے سر پہ رکھ لیا"

(ص ۲۹۸)

Marfat.com

یہ چند سرسری اور عام باتیں ہیں، جن سے یورپ کی تاریخ کا شاید کوئی معمولی طالب علم بھی ناواقف نہ ہوگا، آپ ان حقائق کو اپنے سامنے رکھئے جن کا حاصل صرف یہ ہے کہ کلیسائی نظام جو درحقیقت ایک انتہائی قسم کا آہنی سیاسی نظام تھا لیکن اس کی جڑوں میں مذہب کے نام سے پانی پہنچایا جاتا تھا، بات بات پر خدا اور خدا کے بیٹے حواری پطرس کے ناموں سے وہ سب کچھ کیا جاتا تھا جس کی نظیر شاید دنیا کے جبابرہ وعمالقہ یا نمرودوں اور فرعونوں کی زندگیوں میں بھی بمشکل ہی مل سکتی ہے مگر ان کے کسی قول وفعل پر حرف گیری کفر وارتداد اور ابدی جہنمی ہونے کے مرادف بن جاتی تھی، حکومت ان پر مقدمہ نہیں چلا سکتی تھی۔

ایک طویل قصہ کے واقعات سے متاثر ہوکر ہنری چہارم نے پوپ کو اس خط کے لکھنے کی ایک دفعہ جرأت کی بجنسہ جسے گرانٹ نے نقل کیا ہے۔ شروع میں تھا۔

"از شاہ ہنری، جو غاصب نہیں بلکہ بفضل الٰہی حکمراں ہے، بنام ہلڈی برانڈ (نام پوپ) جو بظاہر پوپ ہے، لیکن دراصل ایک بدکردار راہب ہے۔ ......

گرانٹ نے آگے نقاطِ ایمائی دے کر غالباً ان بدکرداریوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا ذکر ہنری نے اپنے مکتوب میں کیا ہوگا، پوپ نے جو اس کا جواب دیا تھا۔ اس میں پہلے تو پطرس حواری کی روح کو خطاب کرکے اپنی مظلومیت پر رویا ہے اور آخر میں تھا۔

"میں تمام مسیحیوں کو ہنری چہارم کی فرمانبرداری سے بری کرتا ہوں اور حکم دیتا ہوں کہ کوئی شخص اس کو بادشاہ تسلیم نہ کرے، چونکہ اس نے عیسائی ہوکر فرمانبرداری سے منہ موڑا ہے اور خدا سے منحرف ہوا ہے۔ لہٰذا

Marfat.com

میں اسے ملعون قرار دیتا ہوں۔" (ص ۲۷۷)

آج ظاہر ہے کہ یہ بے جان الفاظ صرف الفاظ ہیں، لیکن جن دنوں پوپ سے انحراف خدا سے انحراف کے ہم معنی بنا ہوا تھا اس وقت اس کا کیا اثر پڑتا ہوگا، پھر کلیسا کے اس نظام سے پوپ اور پوپ کے ماتحت بشپوں اور پادریوں نے جس قسم کے مطلق العنانہ اقتدارات حاصل کیے تھے، ان اقتدارات سے جو نفع وہ مسلسل سرزمین یورپ میں تقریباً ایک ہزار سال تک اٹھاتے رہے۔ آج ان سے کون ناواقف ہے۔ "اعترافِ جرم" کی چلتی ہوئی تدبیر نے عوام کی گردنوں کو ان مذہبی نمائندوں کے فولادی پنجوں میں جس طریقہ سے دبایا تھا، کہ پادریوں کے جرائم سے کوئی واقف نہیں، لیکن ہر خونی، چور، ڈاکو، بٹ مار، اپنی زندگی کا سارا کچا چٹھا ان کے آگے اگل آتا تھا، جنت کے ان کلید برداروں نے عوام کی کمزوریوں سے ناجائز فائدہ حاصل کرتے ہوئے جن جن طریقوں سے ان کو لوٹا کھسوٹا ہے، کیا ان کی تفصیل کی حاجت ہے؟ پروٹسٹنٹ فرقے کے بانی لوتھر کے متعلق تو کہتے ہیں کہ شروع میں کلیسا کی مخالفت پر اس کو جس نے آمادہ کیا وہ ان پادریوں ہی کا پرانا دستور "جنت فروشی" کا تھا۔ گرانٹ نے اس قصہ کو درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تہتر نامی پادری، لوتھر کے زمانے میں جرمنی آیا، ایک گرجے کی تعمیر کے لیے چندہ جمع کرتا تھا، لیکن کس طریقہ سے،

> اس نے لوگوں کے سامنے معافی کے پروانوں کی فروخت شروع کی۔۔۔۔۔۔"

اور یہ کہ

> "اگر وہ چندہ دیں گے تو اس کے معاوضہ میں خود ان کے اعزہ و احباب دوزخ کی آگ سے محفوظ رہیں گے۔" (ص ۴۹۷)

Marfat.com

اور یہ کوئی استثنائی مثال نہ تھی، کلیسا، جس کا نظام پورے ملک پر محیط اور حاوی تھا چپہ چپہ پر گرجوں اور خانقاہوں میں کلیسا کے ملازم پادری اور بشپ بیٹھے ہوئے اس کا انتظار کرتے رہتے تھے کہ نزع کی کیفیت کس ڈیوک یا نائٹ پر ہمارے علاقے میں طاری ہوتی ہے، لکھا ہے کہ پادری کا اس وقت مرنے والے کے سرہانے پر موجود رہنا ضروری تھا۔ مرنے والے کا ادھر دم نکل رہا ہے اور پادری صاحب مراقبہ سے سر اٹھا کر سیاہ سیاہ چہروں، نیلی نیلی آتشیں آنکھوں والے فرشتوں کی آمد کی اطلاع دیتے ہیں، جو اس گناہ گار کی روح قبض کرنے کے لیے آدھمکے ہیں نجات کی راہ صرف یہ بتائی جاتی ہے کہ کلیسا کے نام کچھ وقف کیا جائے، خیرات نکالی جائے کس کا جگر اتنا سخت ہوگا جو ایسے وقت میں بھی نہ پگھل جاتا ہوگا، علاقے کے علاقے ان تدبیروں سے کلیسا کی ملک میں مسلسل منتقل ہوتے جاتے تھے، خدا کی رحمت کی باضابطہ تجارت ہوتی تھی۔

اور یہ تو اس وقت کے قصے ہیں جب تک کلیسا کے خلاف لب ہلانے۔ پیشانی پر بل ڈالنے کی ہمت کسی میں نہ تھی، لیکن سولہویں صدی کی ابتداء میں جب لوتھر کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا اور خم ٹھونک کر ہزار سالہ مظالم کے انسداد پر وہ آمادہ ہوا، اس کے بعد انیسویں صدی کے قریب قریب تک اسی غریب مذہب کے نام سے خون کی جو ندیاں کلیسا کی طرف سے بہائی گئیں، اس وقت سے جب سولہویں صدی کے آخر میں یعنی ۱۵۷۲ء میں جو قتل عام پیرس کی گلیوں میں رومن کیتھولک (یعنی کلیسا کے علمبرداروں) کی طرف سے پروٹسٹنٹ فرقہ کا کیا گیا، نو دن تک قتل کا یہ بازار گرم رہا، پچیس سے ستر ہزار تک مختلف اندازہ کرنے والوں نے مقتولین کی تعداد بتائی ہے، حاملہ عورتوں کے بچوں کو پیٹ پھاڑ کر زندہ نکالا جاتا تھا اور کتوں کے آگے ان ہی معصوم بچوں کو ڈال دیا جاتا تھا۔ دریائے سین کا پانی

Marfat.com

سرخ ہوگیا تھا، اسی کا نام "بارتھملو کا ہنگامہ" ہے۔ ۹۶

اوران قصوں کو میں کہاں تک نقل کروں، کلیسا کے در و دیوار، اس کی ایک ایک اینٹ، ایک ایک پتھر سے، جس سے اس کی تعمیر ہوئی تھی "لمن الملك اليوم" کی آواز نکل نکل کر یورپ کے گاؤں گاؤں، کھیڑے کھیڑے میں گونجتی رہتی تھی۔

گرانٹ صاحب نے ایک اور موقعہ پر ایک پاپائی دعویٰ ان الفاظ میں نقل کیا ہے

"خدا نے ہمیں تمام بادشاہوں اور شہنشاہوں کا سرتاج بنایا ہے، تاکہ ہم اس کے نام سے جسے چاہیں اکھاڑ پھینکیں، تباہ کردیں۔"

یہ پاپائی جلال کا اظہار تھا، جو خدا کے نام سے کیا جاتا تھا، اور اس تخریبی اقتدار مطلق کے بعد تعمیری اختیار کی تعبیر ان الفاظ میں کی جاتی تھی۔

"یا اگر چاہیں تو تخم ریزی کریں اور نئی عمارت بنائیں۔"

گرانٹ صاحب نے یہ بھی نقل کیا کہ کلیسا کا عام ادعا یہ تھا۔

"اگر دنیاوی حکومت سے غلطی ہو جائے تو روحانی حکومت اس کی اصلاح کر سکتی ہے، لیکن اگر روحانی حکومت سے کوئی غلطی سرزد ہو تو اس کا انصاف کرنے والا خدا ہے۔ (ص ۲۳۳)

گرانٹ ہی نے لکھا ہے کہ ان پوپوں کے پاس گزشتہ بالا وثائق اور دعاوی کے علاوہ چار چیزیں اور تھیں، (۱) سینٹ پٹیر (پطرس حواری) کی عبا (۲) قسطنطین کا تاج (۳) جنت کی کنجی، (۴) صلیب، کسی قسم کا کوئی شخص ہو ان چیزوں کے پہن لینے کے بعد وہ دنیا کی تمام قوتوں کی دسترس سے باہر ہو جاتا تھا ایک پوپ جس کا نام "بانی فیس" تھا اور مشہور شاعر "ڈانٹے" کا معاصر تھا اس پر بیسیوں قسم کے الزامات تھے خود شاعر ڈانٹے بھی اس کے شدید مخالفوں میں تھا لیکن مخالفوں کے محاصرہ میں اپنے آپ کو پاکر اس نے بقول گرانٹ،

Marfat.com

"سینٹ پٹیر کی عبا زیب بدن کی، قسطنطین کا تاج سر پر رکھا، اور بہشت کی کنجیاں اور صلیب اپنے ہاتھ میں لے کر تخت پاپائی پر جلوہ افروز ہوا۔"

(ص ۳۳۷)

لیکن اس پر بھی بعض مخالفوں نے سخت سست سنایا، بلکہ کہتے ہیں کہ اس بڈھے پوپ کے منہ پر زرہ پوش کولونا نے گھونسہ بھی مارا، حالانکہ وہ اپنے منصب کا پورا لباس پہنے ہوئے تھا۔ گرانٹ کا بیان ہے کہ یہ ایسا واقعہ تھا کہ

"ابنائے زمانہ کو اس (مجرم پوپ) سے ہمدردی پیدا ہوگئی، وہ ان قصوں اور روایتوں کو بھول گئے جو اس کے افعال و خصائل کے متعلق مشہور تھیں حتیٰ کہ شاعر دانتے جو اس کا مخالف تھا، مگر اس نے بھی ایک عظیم الشان نظم میں اس اندوہناک واقعہ کا ذکر نہایت تاسف سے کیا ہے اس کا قول ہے "مسیح پھر حواریوں کے درمیان مصلوب کیا گیا، سرکہ اور زہر اس کے لبوں سے پھر لگایا گیا۔"

(ص ۳۳۷)

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ پوپ تو خیر پوپ ہی تھے ان کے اعمال و افعال، خصائل و عادات کی تفصیلات تو کتابوں میں پڑھیے، کلیسا کے دائرہ میں جو لوگ راہب بن کر زندگی گزارتے تھے، گرانٹ نے ان کی اخلاقی خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"بعض راہب تو پورے پورے ڈاکو بن گئے۔" (ص ۲۳۰)

اور یہ تو ابتداء میں ہوا۔ بعد کو دین اور دین کی نصرت و تائید کے نام سے صدیوں تک مذہبی اختلافات کے اس قصہ میں جو کچھ کیا گیا۔ "محکمہ تفتیش" نے جو فرائض انجام دیئے ہیں۔ ایک فرقہ نے دوسرے فرقہ والوں کو موقع پانے کے بعد جن جن ہوش ربا روح فرسا تدبیروں سے قتل کیا ہے یا زندہ جلایا ہے اور مختلف ترکیبوں سے مارا ہے۔

Marfat.com

حساب لگانے والے کہتے ہیں کہ ان کی تعداد دس لاکھ تک پہنچی ہوئی تھی! اور میں کہاں تک تفصیل کروں کہ اس راہ میں کیا کیا نہ کیا گیا۔ مذہب اور مذہبی نمائندوں کے متعلق کیا بتایا جائے کہ غریب یورپ کو کن کن تجربات سے گزرنا پڑا ہے ہم سن رہے ہیں اور ہمارا خون کھول رہا ہے، صرف اس لیے کھول رہا ہے کہ کچھ بھی ہو، آخر وہ بیچارے بھی تو انسان ہی تھے، لیکن یورپ کو تو بھگتنا پڑا ہے، سال دو سال نہیں، صدی دو صدی بھی نہیں ہزار ڈیڑھ ہزار سال تک یورپ کے مذہب نے ان ہی آتشیں تماشوں کو اس کے آگے مسلسل پیش کیا ہے اور یہ ہے یورپ کے مذہب اور مذہبی اختلافات کے ماضی کی تاریخ کا اجمالی خاکہ جس کا نام "قرونِ متوسط" رکھا گیا ہے۔

جنھوں نے نہیں سوچا ہے، اگر واقعی حقائق و واقعات کی روشنی میں وہ کچھ سوچنا چاہتے ہیں، خدارا اب تو انھیں سوچنا چاہیے کہ اسلام کے مذہبی اختلاف کی تاریخ کو یورپ کے مذہبی اختلافات کی تاریخ پر منطبق کر کر کے آئے دن جن نت نئے نتائج سے سیدھے سادے ناواقف مسلمانوں میں وہ حیرانی و تشویش پیدا کر رہے ہیں، دین کی نہ سہی علم ہی کی کیا کوئی سچی راستبازانہ خدمت انجام دے رہے ہیں؟

یہ صحیح ہے کہ ان نتائج کے پیدا کرنے میں ان مخفی کنایوں اور معصومانہ اشاروں کو بھی کو نہ دخل ہے، جن کا ذکر اسلامی تاریخ کے متعلق یورپ کے مؤرخین کسی نہ کسی وجہ سے ایک حد تک اپنا خوشگوار فرض یا لذیذ مشغلہ قرار دیے ہوئے ہیں ان کا تو شاید التزام ہے کہ جن جن آلائشوں سے ان کی تاریخ کا دامن ملوث اور آلودہ ہے، واقعہ ہو یا نہ ہو، لیکن کسی نہ کسی طرح ان ہی داغوں اور ان ہی دھبوں کو اسلام کے دامن پر بھی نمایاں کر کے دکھایا جائے۔

Marfat.com

غیر مذہب والوں کو بہ جبر عیسائی بنانا یورپ کے قرون متوسط کی ایک عام خصوصیت ہے خود مسلمانوں کے ساتھ ملکہ ازا بیلا اور اس کے شوہر فرڈی نینڈ نے اسپین میں جو سلوک کیا، آج اس سے کون ناواقف ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ جس ملک میں مسلمانوں کی حکومت، چھ سو سال تک قائم رہی آج وہاں اسلام کا نام لیوا بھی کوئی نہیں ہے۔ سسلی ہو یا مالٹا یا وہ سارے جزائر جو مسلمانوں سے چھینے گئے۔ تقریباً سب کا یہی حال ہے۔ گرانٹ صاحب جنھیں اپنے آباؤ اجداد کی عیب پوشیوں میں کچھ کم مہارت حاصل نہیں۔ ایک موقعہ پر جرمنی کی ایک قوم فرینک نامی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"انھوں نے نہایت سختی کے ساتھ وہاں کے باشندوں کو عیسائی ہونے پر مجبور کیا"

اسی پر اور اضافہ کرتے ہیں۔

"شارلی میں (جو ہسپانیہ کے مسلمانوں کا حریف مقابل تھا) بھی اپنے شکست خوردہ حریف کو ہمیشہ عیسائی ہونے پر مجبور کیا کرتا تھا، بغیر اس کے ان کے اظہار اطاعت کو قبول نہ کرتا" (ص ۳۵۱)

لیکن پھیلا دیا گیا کہ اسلام ہی دنیا میں بہ جبر پھیلا۔ حالانکہ مشکل ہی سے اس کا کوئی ایسا تاریخی ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے جو قابل تسلیم ہو۔

مخالف قوموں پر فتح پانے کے بعد قرون متوسط کے عیسائیوں کا عام دستور تھا کہ ان کے کتابخانوں کو جلا دیتے تھے، عبادت گاہوں کو ڈھا دیتے تھے۔ گرانٹ صاحب نے ایک موقعہ پر لکھا ہے۔ حالانکہ اس قسم کے واقعات کے تذکرہ کرنے میں وہ بہت زیادہ محتاط ہیں۔ تاہم لکھتے ہیں۔

"مسیحیت کی فتح کے ساتھ ہی افسوس ہے کہ فنون لطیف کے نادر

Marfat.com

نمونوں کو اس بے دردی سے تباہ کیا گیا کہ صفحاتِ تاریخ میں اسکی مثال نہیں ملتی۔"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"شعراء، فلسفیوں اور مورخوں کی ان تصانیف کے ساتھ بھی یہی برتاؤ روا رکھا گیا۔"

(ص ۲۱۰)

اور یورپ کی تاریخ میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ لیکن ہم نے جو کچھ کیا ہے، تم بھی اسی جرم کے مجرم ہو، صرف اس کو دکھانے کے لیے کون نہیں جانتا کہ سکندریہ کے کتب خانہ کا لطیفہ تراشا گیا، جو بات نہ عقلاً درست ہو سکتی تھی اور نہ نقلاً کوشش کی گئی کہ اسی کو صحیح اور درست ثابت کر کے دکھایا جائے۔ خیر یہ تو چند خارج از بحث مثالیں تھیں، قصہ مذہبی اختلافات اور ان کے نتائج کا ہو رہا تھا یورپ کی پوری تاریخ چونکہ ان ہی ہنگاموں کا ایک خونیں مرقع ہے کلیسا اور کلیسا کے وابستوں نے جو کچھ کیا۔ یہ تو پچھلے زمانہ کی تازہ تاریخ ہے۔ مشکل سے ان واقعات پر صدی دو صدی سے زیادہ مدت گزری ہے لیکن سچ پوچھئے تو عیسائیوں کا یہ حال ابتدا ہی سے تھا، ۳۶۰ء کے واقعات کے سلسلہ میں گرانٹ صاحب نے لکھا ہے۔

"مختلف مسیحی فرقے اس وحشیانہ پن کے ساتھ آپس میں لڑ رہے تھے، کہ صوبہ افریقہ کا ایک بڑا حصہ ویران ہو گیا۔"

(ص ۲۰۶)

بہرحال ہو سکتا ہے کہ اسلام کے مذہبی اختلافات کی تاریخ سے آج جن نتائج کے پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان میں مغربی مورخین کے اس طرزِ عمل کو بھی دخل ہو کہ جو تیر ان کے کلیجوں میں چبھے ہوئے ہیں، ان ہی کو نکال نکال کر حسبِ عادت وہ اسلام کے سینے میں بھونکنا چاہتے ہوں، لیکن ان سے ہماری شکایت بے جا ہے۔ مجھے تو گلہ اپنوں سے ہے، ان سے پوچھتا ہوں کہ اپنے

Marfat.com

حال کو سمجھنے کے لیے بجائے اپنی آنکھوں کے غیروں سے مانگی ہوئی آنکھوں سے مطالعہ کرنا کہاں تک درست تھا، جن لوگوں کو اب تک اس کی توفیق نہیں ہوئی ہے، کاش میرے پیش کردہ بیانات ہی کے بعد ان میں خود تصوریت کے جذبۂ غیرت میں کچھ جنبش پیدا ہو۔

خیر کچھ بھی ہو اب بتایا جائے کہ مذہب کے لباس میں یورپ نے اپنے قرونِ متوسط میں جو کچھ دیکھا، اور جو کچھ مذہبی نمائندوں کی طرف اس کو دکھایا گیا ہے مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ کے کسی حصہ میں اسے ڈھونڈھا جائے، غریب مسلمانوں نے کب اور کہاں کلیسا کا نظام قائم کیا، پاپائیت مطلقہ کا مقام عام مسلمانوں کے مقابلہ میں یا ان کے سلاطین و امرا کے مقابلہ میں کن کن لوگوں کو کس کس قرن میں کہاں کہاں حاصل ہوا تھا، نہ جاننے والوں کو جاننے کی قدرتی ضرورت نے عام مسلمانوں کو مختلف زمانوں میں جن جن جاننے والے بندگوں پر جمع کر دیا تھا۔ جہل کا علم کے ساتھ جو یہ ناگزیر فطری تعلق ہے۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں جو مسلمانوں کی مذہبی تاریخ میں بھی مسیحیوں کے قرونِ متوسط کی تصویروں کو نمایاں کرنے کے لیے بے چین و مضطرب ہیں ان ہی سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ احتیاج کے اس تعلق سے نفع اٹھاتے ہوئے کب۔ کہاں، کس زمانے میں کن لوگوں کی طرف سے ان دعووں کی منادی کی گئی ہے کہ سب کچھ ان ہی کا ہے جو مذہب کے جاننے والے ہیں نہ جاننے والے مسلمانوں کا کام صرف اسی قدر ہے کہ جاننے والوں کی طرف سے جو کچھ جس شکل میں بھی انھیں عنایت کیا جائے صبر و شکر کے ساتھ اسے قبول کرلیں، صاف لفظوں میں دریافت کرتا ہوں، بتانے والے خدارا بتائیں کہ مسلمانوں کے کن اماموں، کن مجتہدوں، کن فقیہوں، کن محدثوں، کن متکلموں کی طرف سے ایسا وثیقہ پیش کیا گیا، کہ

"اسلامی ممالک پر حکمرانی کا حق صرف ان ہی کو حاصل ہے۔"

Marfat.com

مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں نے کس خلیفہ یا بادشاہ کے عطیہ کو دنیا میں اس نام سے پیش کیا کہ جس کا ملک تھا، اس نے اپنی شفایابی کے شکرانے میں تمام شاہی محلات ... . شاہی دارالسلطنت پر تمام صوبوں اور اضلاع و ممالک کے ساتھ قبضہ دلایا ہے، کس کی طرف سے اس دعوٰی کا اشتہار کیا گیا کہ مذہب کی نمائندگی کا جن کو حق ہے، ان پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکتا، سلطنت کی عدالتوں کو ان کے مقدمات کی سننے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، دنیا کے سلاطین اور شاہزادے ان کے دستِ نگر ہیں وہ جس بادشاہ یا بادشاہوں کے بادشاہ شہنشاہ کو بھی جب چاہیں معزول کر سکتے ہیں ان بیچاروں میں ایسا کون تھا جس نے شہنشاہوں کی سرتاجی کا دعوٰی کر کے اعلان کیا ہو کہ خدا کے نام سے جسے چاہیں اکھاڑ پھینکیں، تباہ کر دیں، برباد کر دیں، نیست و نابود کر دیں، منتشر کر دیں، ہاتھ میں جنت کی کنجیوں کو لے کر معافی اور آمرزش کے پروانوں کی ان میں کس نے کب اور کہاں تجارت کی ہے خدا کی رحمت کا سوداگران میں کون تھا، کس قرن اور کس عہد میں یہ باور کرایا گیا کہ دنیا کی حکومتوں سے غلطی ہو جائے تو روحانی حکومت اس کی اصلاح کر سکتی ہے لیکن روحانی حکومت سے اگر غلطی ہو جائے تو اس کا انصاف کرنے والا صرف خدا ہے۔

باوجود عیسائی ہونے کے کلیسا کے پوپوں نے جو مذہب کی تشریح کی تھی اس تشریح سے اختلاف کرنے والوں پر عیسائی مذہب کے پیشواؤں نے انتقام کی جو آگ مذہب کے نام سے برسائی، دین کے نمائندوں نے قتل عام کے خونیں سمندر میں انھیں جو غوطے دیے جس کے سننے سے اب بھی سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کیا مذہب اسلام کی تشریح کرنے والوں کی تاریخ میں اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ اس طرز عمل کو کسی پیمانے پر سہی، کبھی روا رکھا گیا ہے، دینی اختلافات کے متعلق عام مسلمانوں کا جو نقطہ نظر ابتداء سے آخر تک رہا، اس کا حال سُن پایا

جا چکا ہے، کیا دونوں میں کوئی نسبت ہے؟

کلیسا کے تشریحی نظریات و آراء سے اختلاف کرنے والوں کی تفصیل سے یورپ کی تاریخ بھری پڑی ہے، اجمالاً ہیں نے بھی اشارے کیے ہیں لیکن "مذہبی اختلاف" کے جس لفظ نے یورپ کی سرزمین کو سینکڑوں سال تک انسانوں کے خون سے رنگین رکھا بجنسہ اسی "مذہبی اختلاف" کی جو تاریخ اسلام میں مرتب ہوئی ہے، سنئے ہو اس کے واقعات کیا ہیں شیخ الاسلام زکریا راوی ہیں

قال لما حج المنصور قال للامام مالك	جب عباسی خلیفہ منصور نے حج کیا تو اس نے مجھ سے
انی عزمت علی ان امر بکتبك	(یعنی امام مالک سے) کہا کہ میں نے یہ پختہ ارادہ
هذه التی وضعتها فتنسخ ثم	کر لیا ہے کہ جو کتابیں آپ نے لکھی ہیں ان کی نقلیں کراؤں
ابعث بها الی کل مصر من امصار	پھر مسلمانوں کے ہر ہر شہر میں انہیں بھیج کر یہ فرمان کروں
المسلمین نسخة و	کہ لوگ صرف ان ہی کتابوں کے مطابق عمل کریں
امرهم ان یعملوا بما فیها	ان کے حدود سے متجاوز ہو کر کوئی اور طریقہ نہ اختیار
ولا یتعدوه الی غیره	کریں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو خود تو کیا خیال آتا، ان سے اختلاف رکھنے والوں کے متعلق اس بادشاہ میں خیال پیدا ہوتا ہے، اور پیدا کیا ہوتا ہے، پختہ ارادے کی شکل اختیار کر چکا ہے جو اپنی عسکری اور سیاسی قوت میں غالباً روئے زمین پر اس زمانہ کا سب سے بڑا طاقتور بادشاہ تھا اپنی سلطنت کے سارے وسائل و ذرائع کو امام مالک کے قدموں پر اس لیے ڈال دیتا ہے کہ جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں ان کا ہمیشہ ہمیش کے لیے خاتمہ کر دیا جائے اور جس تلوار کو منصور امام کے ہاتھ میں دے رہا تھا، اگر لے لیتے، تو کامیابی میں بھی شک و شبہہ کی گنجائش نہ تھی، لیکن مذہبی اختلاف کے جس تماشے کو یورپ کے قرونِ متوسط اور مسیحی مذہب کے دورِ کلیسائیت میں دیکھا جا چکا ہے۔ اب اسی اختلاف

کے نتائج کو اسلام کی تاریخ میں بھی چاہیے کہ سنا جائے اور بگوشِ عبرت سنا جائے۔
خلیفہ منصور کے اس ارادے سے مطلع ہونے کے بعد امام نے جو جواب دیا وہ یہ تھا۔

لا تفعل ذلك یا امیر المومنین	اے مسلمانوں کے امیر آپ ہرگز ایسا نہ کیجیے۔

کیوں نہ کیجیے، خود ہی اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فان الناس قد سبقت الیھم اقاویل و	مسلمانوں کے پاس (دوسرے علما) کے اقوال پہلے پہنچ
سمعوا احادیث و رووا روایات واخذ	چکے ہیں، حدیثیں وہ سن چکے ہیں، روایتیں روایت
کل قوم بما سبق الیھم و دانوا الی اللہ	کر چکے ہیں، لوگوں کے پاس جو بات پہلے پہنچ چکی ہے
تعالیٰ فدع الناس وما اختار و الانفسھم	اسی پر وہ عمل پیرا ہو چکے ہیں، پس چاہیے کہ ہر آبادی کے
فی کل بلدٍ	باشندے جو باتیں اپنے لیے اختیار کر چکے ہیں ان ہی
	کے ساتھ ان کو چھوڑ دیا جائے۔ ۹۸

جو اختلاف کرے گا، اکھاڑ پھینکا جائے گا، برباد کر دیا جائے گا، نیست و نابود کر دیا جائے گا، اور جنھوں نے اختلاف کیا وہ اکھاڑ پھینکے گئے، برباد کیے گئے نیست و نابود کیے گئے "مذہبی اختلافات" کے لفظ نے یہ نتائج یورپ کے قرون متوسطہ میں پیدا کیے اور آپ قرون متوسطہ مسلمانوں کے جن قرون کو قرار دینا چاہتے ہیں اسی مذہبی اختلاف کے رکھنے والوں کو جب برباد کر کے اکھاڑ پھینکنے، نیست و نابود کرنے کا ارادہ اور پختہ ارادہ کیا گیا، تو جس سے اختلاف کی وجہ سے یہ ارادہ کیا گیا تھا اسی نے نہ صرف اختلاف کرنے والوں کو بلکہ ان کے اختلاف کو بھی نیست و نابود ہونے سے بچا لیا۔ کہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد منصور کے بعد عباسی حکومت ہی کا خلیفہ ہارون الرشید بھی حج کے سلسلہ میں مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ پہنچتا ہے۔ امام مالک سے اس کی بھی ملاقات ہوتی ہے۔ امام ہی اس قصہ کے بھی راوی ہیں۔

شاورنی ھارون الرشید	ہارون الرشید نے مجھ سے اس باب میں مشورہ کیا کہ

ان یعلق کتاب الموطاء فی الکعبہ و یحمل الناس علی مافیہ

خانہ کعبہ میں الموطا (امام مالکؒ کی کتاب) لٹکا دی جائے اور عام مسلمانوں کو اسی کے متعلق عمل کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

جواب میں اس وقت بھی امام نے یہی فرمایا۔

لا تفعل فان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلفوا فی الفروع و تفرقوا فی البلدان وکل مصیب ۹۹ھ

ایسا نہ کیجیے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اسلام کے فروعی مسائل (یعنی البینات میں نہیں) باہم اختلاف رکھتے تھے وہی لوگ مختلف آبادیوں میں پھیل گئے، ان میں ہر ایک حق و صواب پر تھا۔

مطلب وہی تھا کہ اختلاف کی یہ شکل اسلام میں کوئی نئی چیز نہیں ہے، نبوت کے صحبت یافتوں نے جب اس کے ازالہ کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ زیادہ تر یہ اختلافات انہی کے اختلافات پر مبنی ہیں، تو جس نے جو طریقہ اختیار کر لیا ہے اس طریقہ سے خواہ مخواہ ہٹانے کی ضرورت کیا ہے۔

"کلیسائیت" کا شبہہ اگر کچھ ہو سکتا تھا تو ہماری فقہ کے ان ہی مکاتب خیال کے متعلق ہو سکتا تھا، لیکن امام مالک ان ہی فقہی طریقوں میں سے ایک طریقہ کے امام الائمہ ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں کہ اقتدار و اختیار کے باوجود "مذہبی اختلاف" کے ان الفاظ کو انھوں نے کتنا سبک اور نرم فرما دیا تھا۔

اور کچھ وہی اس معاملہ میں منفرد نہ تھے، کچھ پہلے عمر بن عبدالعزیز خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختلف اقوال میں سے اسی مذہبی اختلاف کے متعلق یہ الفاظ نقل کر چکا ہوں یعنی ان سے جب یہ خواہش کی گئی کہ مسلمانوں کو ایک ہی مسلک پر کاش آپ بزور حکومت جمع فرما دیتے تو آپ نے جواب میں یہ کہتے ہوئے کہ "مسلمانوں میں اگر یہ اختلافات نہ ہوتے تو یہ بات میرے لیے پسندیدہ نہ ہوتی" ممالکِ محروسہ میں

یہ فرمان جاری فرما دیا تھا۔

لیقضی کل قوم بما اجتمع علیہ فقہاء ھم ؎ ہر جگہ کے لوگ اسی کے مطابق فیصلہ کریں جس پر ان کے فقہاء اکٹھے ہو چکے ہیں،

پس وہ تھا مسلمانوں کے اماموں کا رویہ ان مذہبی اختلافات کے متعلق، اور یہ تھا امراء و سلاطین کا طرز عمل، کہتے ہیں ہارون الرشید کو مشورہ کے بعد امام مالکؒ نے جو جواب دیا تو ہارون الرشید نے سن کر کہا

زادک اللہ یا اباعبد اللہ توفیقاً ؎ اے ابوعبداللہ (امام مالک کی کنیت) خدا نے آپ کو مزید ایک توفیق عطا فرمائی (جو یہ بات سمجھائی)

اور یہی میں کہتا چلا آ رہا ہوں کہ ہمارے عوام ہوں یا خواص، مذہبی پیشوا ہوں یا سیاسی زعما، اس باب میں سب کا ایک ہی خیال شروع میں بھی یہی تھا اور درمیان میں بھی یہی رہا، اور آخر میں بھی یہی رہا، لیکن نہ جاننے والوں کو کیا کہا جائے، حضرت امام شافعیؒ کے متعلق کتابوں میں جو یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ

ترک القنوت لما زار قبرہ ... وادرکتہ صلوۃ الصبح عندہ فقال کیف اقنت بحضرۃ الامام وھو لا یقول بہ ؎ جب امام ابوحنیفہؒ کے مزار کی زیارت کو امام شافعی تشریف لے گئے تو انھوں نے (امام شافعیؒ نے) صبح کی نماز میں قنوت کی دعا چھوڑ دی، اور بولے کہ امام کے سامنے کیسے پڑھوں وہ اس کے قائل نہ تھے۔

بعض کتابوں میں یہ بھی ہے کہ خود امام شافعی فرماتے تھے۔

صلیت الصبح فلم اجھر بالبسملۃ ولا قنت حیاء من ابی حنیفہ ؎ میں نے صبح کی نماز پڑھی تو بسم اللہ کو زور سے نہ پڑھا اور قنوت کی دعا امام ابوحنیفہ کے شرم سے نہ پڑھی،

تقریباً اسی قسم کی بات حنبلیوں کے امام حضرت امام احمد بن حنبل سے بھی منقول ہے ان سے پوچھا گیا کہ وضو کے بعد جس کی نکسیر پھوٹی ہو یا اس نے حجامت (پچھنا) لیا

ہو، کیا اس کے پیچھے نماز آپ پڑھ سکتے ہیں، باوجودیکہ امام احمد کا مذہب تھا کہ ان چیزوں سے یعنی خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن صحابہ و تابعین میں ایک جماعت اس کی قائل نہ تھی، جن میں سعید بن المسیب مدینہ کے افضل تابعین بھی ہیں۔ امام احمد نے جواب میں فرمایا

کیف لا اصلی خلف سعید بن المسیب — سعید بن المسیب کے پیچھے میں نماز کیسے نہ پڑھوں گا

دیکھ رہے ہو خود براہِ راست اسلام کے فقہی مکاتب خیال کے ان ائمہ کا ذاتی خیال اختلافاتِ مذہب کی ان شکلوں کے متعلق کیا ہے۔ حنفیوں کے مشہور امام یعنی "الامام الثانی" قاضی ابو یوسف کے متعلق ہدایہ وغیرہ تک میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ عید کی نماز میں ہارون الرشید کے منشا کے مطابق انھوں نے اپنے استاذ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ کر اس فتویٰ پر عمل کیا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے، بلکہ کتابوں میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ ہارون کے ساتھ قاضی ابو یوسف مدینہ میں ساتھ تھے، اس زمانہ کے دستور کے مطابق ہارون ہی کو امامت کے لیے آگے بڑھایا گیا، وضو کرنے کے بعد اس نے حجامت (پچھنے) کا عمل اپنے اوپر کرایا تھا جس میں خون نکلا تھا، حنفی مذہب کی رو سے وضو ٹوٹ گیا۔ لیکن امام مالک نے جو خون نکلنے سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں ہیں، اسی حال میں ہارون کو نماز پڑھانے کا فتویٰ دیا۔ قاضی ابو یوسف بغیر کسی تذبذب کے ہاتھ باندھ کر پیچھے کھڑے ہو گئے فصلی خلفہ ولم یعد یعنی ابو یوسفؒ نے ہارون کے پیچھے نماز پڑھی اور اسے نہیں لوٹایا اور میں تو کہتا ہوں کہ خود امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ راشدین قاضی ابو یوسف و محمد بن حسن الشیبانی وغیرہم حضرات میں فقہ کے تقریباً ہر باب میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ عوام میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ ان اختلافات کی نوعیت اصولی اختلافات

کی ہے، لیکن میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اصولی اختلاف یعنی دین کے "البینات" میں بحمداللہ ان بزرگوں میں قطعاً کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے، اختلافات جو کچھ بھی ہیں وہ مذہب کے صرف غیر بنیاتی حصہ سے متعلق ہیں۔ پھر یہ کہنا کہ دوسرے ائمہ اور امام ابوحنیفہ میں تو اصولی اختلافات ہیں، صحیح نہیں ہے اور اگر اصولی اختلافات کا کچھ اور مطلب ہے تو کسی حیثیت سے بھی سوچا جائے، میں قطعاً اس فرق کے سمجھنے سے عاری ہوں، جس قسم کے اختلافات امام ابوحنیفہ اور امام شافعی و مالک میں نظر آتے ہیں۔ بجنسہ اسی نوعیت کے اختلافات امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ میں بھی تقریباً شریعت کے ہر باب میں پائے جاتے ہیں۔ میرے نزدیک اس تاتاری عالم علامہ ہارون شہاب الدین المرجانی کی یہ تنقید جو قول مشہور پر انھوں نے کی ہے بالکل صحیح ہے۔ اور واقعات کے مطابق ہے، ان کی کتاب "ناظورۃ الحق" سے مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے "النافع الکبیر" میں نقل فرمایا ہے۔

لیت شعری ما معنی قولھم ان	کچھ سمجھ میں نہیں آتا، لوگوں کا اس سے کیا مطلب
ابایوسف ومحمداً وزفر وان خالفوا	ہے کہ ابویوسف ومحمد وزفر نے بھی اگرچہ امام
اباحنیفہ فی بعض الاحکام لکنھم	سے بعض احکام میں اختلاف کیا ہے، لیکن یہ
یقلدونہ فی الاصول ماالذی	لوگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصول میں تقلید
یرید بہ۔ ؂۱۱	کرتے ہیں۔

پھر خود ہی المرجانی نے بڑے بسط و تفصیل سے مختلف شواہد و نظائر کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ اختلاف کی ان دونوں قسموں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے اسی لیے ان کا خیال ہے کہ امام شافعیؒ و مالکؒ وغیرہم حضرات کو جس طرح امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں مجتہد مطلق سمجھا جاتا ہے کوئی وجہ نہیں کہ ابویوسف ومحمد وغیرہما کو بھی اجتہاد مطلق کے اس منصب سے اتار کر "مجتہد مقلد" ٹھرایا جائے۔ آخر میں انھوں

نے لکھا ہے کہ یہ لوگ چونکہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے اس لیے آپ کو تلمذاً امام ابوحنیفہ ہی کی طرف منسوب کرتے رہے، اسی لیے کسی مستقل مکتبِ خیال کی حیثیت سے ان کے نظریات و مجتہدات نے شہرت حاصل نہیں کی، ورنہ بقول علامہ ممدوح۔

وانھم او لعوا بنشر آرائھم بین الخلق لکان کل ذلك مذھبا منفردا عن مذھب ابی حنیفۃ

اگر یہ لوگ (تلامذہ امام) بھی عام لوگوں میں اپنے آراء کی اشاعت کی طرف متوجہ ہو جاتے تو ان کا بھی ایک مستقل مذہب ابوحنیفہؒ کے مکتب خیال سے جدا ہو جاتا

(نافع الکبیر ص ۱۵)

بہرحال جب یہی واقعہ ہے، اور اسی کے ساتھ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا کہ حنفی فقہ کی تدوین، ماہرین کی ایک باضابطہ "مجلسِ شوریٰ" نے کی ہے جس میں گویا صدر کی حیثیت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تھی اور ان کے تلامذہ جو مختلف علوم و فنون کے مستند ماہرین میں تھے ان کی حیثیت ارکان کی تھی سب جانتے ہیں کہ کتابوں میں امام کی رائے کے ساتھ متفق ہونے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا تھا، اسی لیے جن امور میں امام سے ان کے شاگردوں کو اختلاف باقی رہتا تھا، وہ مجلس کی "یادداشت" میں اختلافی نوٹ کی حیثیت سے التزاماً درج کیا جاتا تھا، آئندہ معلوم ہوگا کہ شوریٰ کی اس مجلس میں بحث و تمحیص، سوال و جواب اعتراض و تنقید کی کتنی آزادی ہر ایک کو حاصل تھی[۱]، اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مذہبی مسائل کے ان اختلافات کی نوعیت امام اور ان کے شاگردوں کی نگاہوں میں کیا تھی اپنی رائے سے اختلاف رکھنے والوں کو اگر یہ لوگ العیاذ باللہ دین کے دائرہ سے انحراف کرنے والوں

۱؎ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" کے نام سے خاکسار کی ایک مستقل تالیف شائع ہو چکی ہے اس میں بھی آپ کو اس مسئلے میں معلومات مل سکتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس پر مضمون لکھا ہے جو خاص طور پر مطالعہ کا مستحق ہے۔

میں شمار کرتے تھے تو ان تعلقات کا باہم ان میں باقی رہنا کیا ممکن تھا، اور آج ہزار و بارہ سو سال سے بغیر کسی دغدغہ کے اور شک و شبہہ کے حنفی فقہ کی کتابوں میں اختلافات کے یہ سارے قصے جو نقل ہوتے چلے آ رہے ہیں کیا یہ خود دلیل نہیں ہے کہ "مذہبی اختلافات" کی جو نوعیت یورپ کے قرون متوسط میں کلیسا اور وابستگان کلیسا کے نزدیک یا ان کے مخالفوں کے نزدیک تھی، اس میں اور مسلمانوں کے مذہبی اختلافات میں کسی قسم کی کوئی مشابہت یا کسی قسم کی کوئی مجانست نہیں ہے

مگر کیا کیجیے اور ان لوگوں سے کیا کہیے جن کے آگے مذہبی اختلافات کے الفاظ کا ذکر چھیڑا نہیں کہ اچانک یورپ کے قرون متوسطہ کی وہی مذہبی تاریخ ان کے سامنے آجاتی ہے جس میں بڑے بڑے اہم اختلافات ہی نہیں بلکہ جیسا کہ گرانٹ صاحب نے لکھا ہے، ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں، بڑے معرکۃ الآراء مسائل کی حیثیت رکھتے تھے مثلاً

"عشاء ربانی میں خمیری روٹی استعمال کی جائے یا بلا خمیر کی، روح القدس باپ کا مظہر ہے، یا باپ اور بیٹے دونوں کا، سب سے اہم سوال یہ تھا کہ روما کے اسقف کو تمام کلیسا پر تفوق حاصل ہے یا نہیں" (تاریخ یورپ ص ۲۱۶)

اور یہ تھے یورپ کے قرونِ متوسط کے وہ مذہبی مسائل جن سے عیسائیوں کی ایک ٹولی کا دین دوسری ٹولی کے دین سے جدا اور قطعاً جدا ہو جاتا تھا اتنا جدا کہ ان ہی اختلافات کے شعلوں میں صدیوں یورپ کے سارے ممالک جلتے رہے، بھنتے رہے۔ بلکہ سچ پوچھیے تو آج بھی یورپ میں جو کچھ ہو رہا ہے، شعور کسی کو اس کا ہو یا نہ ہو،

——— لیکن انسانی نفسیات اور ان کے عمل و ردعمل کے قوانین سے جو واقف ہیں، اگر وہ غور کریں گے تو اس کے پیچھے، بہت پیچھے ان ہی

کی چنگاریاں چھپی، دبی نظر آئیں گی[1]۔

آپ تو خدا جانے مذہب اسلام کے اختلافی قصوں کا کتنی بھیانک اور مہیب شکلوں میں تصور جمائے بیٹھے ہیں اور یہاں حال یہ ہے کہ ایسی بات جس پر منطق ظاہر "ناممکن" اور "محال" کا فتویٰ لگائے بغیر نہیں رہ سکتی، علمائے اسلام اس کے بھی صرف امکان ہی نہیں بلکہ وقوع پذیر ہونے کے قائل ہو گئے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ "البینات" کے سوا جن کی تفصیل گزر چکی اور بتایا جا چکا ہے کہ شروع ہی سے ان کی تبلیغ و اشاعت میں پیغمبر اور پیغمبر کے جانشینوں نے ایک ایسا طریقہ کار اختیار فرمایا کہ مذہب اسلام کے عناصر و اجزا میں ان کا ہونا، اتنی بدیہی اور بیّن حقیقت بن چکی ہے کہ اسلام کے ساتھ جزئیت کا جو تعلق ان کا ہے اس کے ماننے پر وہ بھی مجبور ہیں جو سرے سے اسلام کو بھی نہیں مانتے اسی لیے اسلام کے اس حصہ میں اختلاف ڈالنے والوں کا حال تو اور ہے جس کا کچھ حال آگے بیان ہوگا لیکن میں مذہب کے جن اختلافات کا تذکرہ اس وقت کر رہا ہوں، ان کے متعلق یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ ان اختلافات کے متعلق ایک دو نہیں، اسلام کے ائمہ و علماء کی اکثریت کا یہ خیال ہے کہ اس نوعیت کے مسائل میں اختلاف کرنے والوں میں سے کسی کو برسر غلطی نہیں قرار دیا جا سکتا، صرف یہی نہیں بلکہ یقین کرنا چاہیے کہ ان میں ہر ایک حق پر اور مذہباً وہ راہ ثواب پر ہے جس کا دوسرا مطلب یہی ہوا کہ منطق نفی و اثبات کے جس تناقض کو محال قرار دیتی ہے اختلاف کے مسئلہ میں ہمارے علماء و ائمہ کی رواداری گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ اس حد کو پہنچی ہوئی ہے کہ منطق کے اس قاعدہ

---

[1] سورہ الکہف قرآن کی مشہور سورہ پر ایک تذکیری مقالہ خاکسار نے رسالہ "الفرقان" لکھنؤ میں لکھا تھا، جو کافی طویل مقالہ ہے، افسوس ہے کہ کتابی شکل میں یہ مقالہ اب تک شائع نہ ہوا۔ اس کتاب میں آپ کو اس سلسلے کی عجیب و غریب باتیں مل سکتی ہیں

کی پروا بھی گویا ان کے نزدیک ضروری نہیں قرار دی گئی، اور یہ راتے کچھ آج غیروں کی تالیوں اور اپنوں کی گالیوں سے متاثر ہو کر نہیں قائم کی گئی ہے، بلکہ اس رائے کی تاریخ اسی قدر قدیم ہے جتنی قدیم خود اسلام کے ان مذہبی اختلافات کی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "عقد الجید" میں یہ ارقام فرمانے کے بعد

اختلفوا فی تصویب المجتھدین فی المسائل الفرعیۃ التی لا قاطع فیھا ھل کل مجتھد فیھا مصیب والمصیب فیھا واحد ؎	ان دینی مسائل کے متعلق جن کی کوئی قطعی دلیل نہیں پائی جاتی، ائمہ مجتہدین میں جو اختلاف ہے خود اس اختلاف کے متعلق بھی یہ اختلاف ہے کہ جتنے مجتہدین ہیں، آیا سب حق پر ہیں یا حق پر ان میں سے کوئی ایک ہی ہو سکتا ہے۔

جواب یہ دیتے ہیں۔

قال بالاول الشیخ ابوالحسن الاشعری والقاضی ابوبکر وابو یوسف ومحمد بن الحسن و ابن شریح۔ ؎	پہلی بات یعنی ان میں سے ہر ایک حق پر ہے یہی قول ابوالحسن الاشعری، قاضی ابوبکر باقلانی، ابو یوسف اور محمد بن حسن و قاضی شریح کا ہے

اور یہ تو چند اشخاص کے نام ہوئے اگرچہ ہر نام کسی امام ہی کا نام ہے، آگے فرماتے ہیں۔

ونقل عن جمھور المتکلمین من الاشاعرۃ والمعتزلۃ ؎	اور یہی بات جمہور متکلمین سے بھی نقل کی گئی ہے خواہ یہ متکلمین اشاعرہ سے ہوں یا معتزلہ سے ہوں۔

رہ گئی یہ بات کہ نفی و اثبات کے قانون کی خلاف ورزی جو لازم آتی ہے شاہ صاحب نے تفصیل کے ساتھ اسی کتاب میں اس کا جواب بھی دیا ہے، خواہ یہ بات بظاہر کتنی ہی دشوار معلوم ہوتی ہو، لیکن باد نیٰ تامل واضح ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے

اختلاف پر نفی و اثبات والا منطقی قاعدہ چسپاں ہی نہیں ہوتا، کیونکہ ایسے اختلافات یا توان حدیثوں کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں جو پیغمبر سے براہ خبر الخاصہ مروی ہیں، اور اس میں کوئی دشواری نہیں ہے اگر یہ سمجھا جائے کہ پیغمبر یہ بھی کرتے تھے اور وہ بھی کرتے تھے، مثلاً رفع الیدین (رکوع میں جانے اور اُٹھنے کے وقت ہاتھ اٹھاتے کا جو مسئلہ ہے) اس میں کیا خرابی ہے اگر مانا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ہاتھ اٹھاتے تھے کبھی نہیں، اختلاف ان مسائل کے متعلق یہی نہ تھا کہ سنت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کیا تھا جب دونوں ہو سکتے ہیں تو سنت ہونے میں دونوں برابر ہوئے پس نفی بھی واقع کے مطابق ہے اور اثبات بھی۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ باوجود سنت ہونے کے افضل کیا ہے مگر نفس سنت ہونے کا جو دعویٰ تھا، اس کی حد تک تو دونوں باتیں صحیح ہیں اور اختلافات کا دوسرا قصہ ان اجتہادی مسائل میں پیدا ہوتا ہے جن کی صراحت نصوص میں نہیں پائی جاتی اور نصوص کو دیکھ کر ارباب فکر و نظر و علم و بصیرت نے بطور استنباطی نتائج کے ان کو پیدا کیا ہے پھر اس کی مثال کیا ہوتی ہے؟ قانون کی ایک کتاب دو ضلعوں کے دو مختلف حاکموں کے سپرد کی جاتی ہے۔ یہ کہتے ہوئے کہ ایسے واقعات جن کے متعلقہ احکام کی تصریح قانون کی اس کتاب میں نہ ملے تو کتاب کے قوانین مذکورہ کو پیش نظر رکھ کر ان ہی کی روشنی میں چاہیے کہ یہ حاکم حکم لگائے اور فیصلہ دے اور فرض کیجیے کہ دونوں حاکموں کے سامنے کوئی ایسا مقدمہ دائر ہو جس کے متعلق صراحتہً حکم قانون کی اس کتاب میں موجود نہ تھا۔ یہ دونوں حاکموں نے کامل غور و خوض اور انتہائی نظر و فکر سے کام لے کر دیانت داری کے تمام احساسات کو بیدار رکھتے ہوئے فیصلہ کیا، اتفاقاً ایک کا فیصلہ دوسرے سے اگر مختلف ہو جائے اور ایسا ہو جانا نہ صرف ممکن بلکہ ہوتا ہی رہتا ہے تو سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کو برسر غلطی قرار دینا، کیا خود غلطی نہیں ہے؟

غیر شرعی قوانین میں حکومت کے منشائے کے مطابق ہونا یہی کسی فیصلہ کی صحت کا جیسے معیار ہے اسی طرح شرعی قوانین میں حق تعالےٰ کی مرضی اور منشاء کے مطابق اجتہادی احکام کا ہونا یہی ان کا صدق وصواب ہے، امر وحکم کی جنھیں اجازت شریعت عطا کر چکی ہے۔ انھوں نے اجتہاد کے فرائض کی پابندی کرتے ہوئے اگر اجتہاد کیا ہے تو جو نتیجہ وہ پیدا کریں وہی شریعت کا منشاء قرار پائے گا اور اجتہادی احکام کے حق وصواب ہونے کے یہی معنیٰ ہیں باقی حدیثوں میں حاکموں کے فیصلوں کے متعلق جو یہ آیا ہے کہ وہ کبھی صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور کبھی غلط بھی، اس کا تعلق اجتہادی احکام سے نہیں بلکہ واقعات پر شرعی احکام کو منطبق کرنے کا کام حاکم جو کیا کرتا ہے اس حدیث کا اسی سے تعلق ہے مثلاً چوری کے الزام کے ساتھ ایک شخص حاکم اور قاضی کے پاس پیش ہوا چور کو کیا سزا دی جائے اس کا حکم صراحتہً قرآن میں موجود ہے اس لیے سزا کی تجویز کے لیے اجتہاد کی ضرورت نہیں، البتہ وہ چور ہے یا نہیں یہ واقعہ کی تحقیق کا کام ہے اور اس میں دونوں باتیں صحیح نہیں ہو سکتیں یعنی وہ چور بھی ہو، اور نہ بھی ہو، مجتہد کبھی غلطی کرتا ہے اور کبھی نہیں، اس حکم کا تعلق اجتہاد کی اسی قسم سے ہے، ورنہ مسائل اجتہادیہ میں واقعہ کی مطابقت صرف اس قدر ہے کہ مجتہد نے یعنی اس شخص نے یہ فیصلہ کیا ہے، جس کا فیصلہ ہی شریعت کا منشاء ہے۔

بہرحال مجھے تو اس وقت صرف یہ بتانا تھا کہ مذہب کے جس اختلاف پر آج ہر جگہ واویلا مچا ہوا ہے، جن لوگوں میں یہ اختلاف تھا وہ اس کے متعلق اتنا اختلافی و اتفاقی نقطۂ نظر رکھتے تھے، آخر اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ ائمہ مجتہدین اپنے سوا دوسروں کے خیال کو غلط سمجھتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ امام ابوحنیفہؒ کی قبر کے خیال سے امام شافعیؒ دین کے ایک صحیح مسئلہ کو چھوڑ کر اس طریقۂ عمل کو اختیار کرتے جو اُن کے نزدیک غلط یعنی دین نہ تھا یا امام مالکؒ دو دو دفعہ موقعہ ملنے کے باوجود ان مسلمانوں کو جو ان کے فقہی نتائج

سے مختلف تھے، ان کو غیر شرعی اور دینا ان کے نزدیک جو غلط زندگی تھی اس پہ باقی رہنے کی اجازت ہی نہیں، بلکہ خلیفۂ وقت کو غلطی کی اصلاح سے روک سکتے تھے، مالکم کیف تحکمون۔

کوئی توجیہ ان بزرگوں کے اس طرز عمل کی اس کے سوا نہیں ہو . . . . سکتی کہ وہ سب ہی کو حق و صواب سمجھتے تھے، شاید یہی بنیاد ہے، غالباً مشہور امام سفیان ثوریؒ کے اس قول کی کہ وہ مذہب کے ان اختلافات کو اختلافات کے لفظ سے تعبیر بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔

شعرانی نے نقل کیا ہے۔

قال سفیان الثوری لا تقولوا	سفیان ثوری کہتے تھے کہ علماء نے فلاں مسئلہ میں
اختلف العلماء فی کذا و قولوا	اختلاف کیا، یہ نہ کہا کرو، بلکہ یوں اس کو ادا کرو۔
قد وسع العلماء علی الامة	کہ امت کے لیے علماء نے یہ گنجائش
بکذا (میزان ص ۲۱)	پیدا کی۔

کاش! ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پاکیزہ اصلاحی مشورہ مان لیا جاتا اور بجائے اختلفوا، اختلفوا کے توسعوا یا اس کے ہم معنی الفاظ کے استعمال کا امت میں رواج ہو جاتا تو اختلاف کے لفظ اور صرف لفظ سے دنیا اور دنیا کیا حد یہ ہے کہ خود مسلمان جس مغالطہ میں آج مبتلا ہیں یا مبتلا کر دیے گئے ہیں وہ شاید پیدا ہی نہ ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی اختلافات اور ان اختلافات سے پیدا ہونے والی فرقہ بندیوں کے شور سے آج آسمانوں کو جو سر پہ اٹھا لیا گیا ہے، باور کرا یا گیا اور کر بھی لیا گیا کہ اسلام کی تاریخ میں شاید ہی کوئی زمانہ ایسا گزرا ہو جس میں ہفتاد و دو ملت والی جنگ میں ملت اسلامیہ مبتلا نہ رہی ہو سمجھا جاتا ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے ایسا واقعہ جس کی تصدیق ہمیشہ مشاہدہ سے ہوتی رہی ہے اور ہو رہی ہے . . . . اب

ہیں لوگوں سے کیا کہوں، جس چیز کو وہ واقعہ کہہ رہے ہیں، دعوٰی کر رہے ہیں کہ مشاہدہ اسی کا علم ان کے اندر پیدا کر رہا ہے، میرا حال اس سے بالکل مختلف ہے۔

سب جانتے ہیں کہ ایک مدت تک، اس وقت تک جب تک کہ مسلمانوں میں یونانی اور اسکندرانی[1]، ہندی و ایرانی زبانوں کے علوم و فنون ترجمہ کی راہ سے منتقل ہو کر نہیں پہنچے تھے، ان کے عوام ہوں یا خواص، مذہب کے "البیناتی" عناصر و اجزاء کے متعلق کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں رکھتے تھے، اس زمانہ تک ان میں جو کچھ بھی اختلاف تھا وہ ان ہی امور کی حد تک تھا، جن کے اختلاف کا، اختلاف نام رکھنا بھی شاید صحیح نہیں بلکہ سب حق پر ہیں، سب راہِ صواب ہی پر چل رہے ہیں، سمجھا جاتا تھا کہ واقعہ کی صحیح تعبیر یہی ہے، یہی وجہ تھی کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ رفع الیدین کرتے تھے، کسی حنفی کے دل میں قطعاً کسی زمانہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا وسوسہ نہیں آیا کہ امام کے دین میں کسی قسم کی کوئی کمی تو کیا پیدا ہو گی، وہ اس تصور سے بھی عاجز ہیں کہ امام شافعیؒ کی ولایت اور ان کے مدارج میں شک کریں، جن کے مستحق امت کے اولیا اور صلحا سمجھے جاتے ہیں اور جہاں تک میں جانتا ہوں، یہی نسبت شوافع کو امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذۂ راشدین سے ہے۔ فرِ ابی حنیفہؒ پر امام شافعیؒ کے اس طرزِ عمل کے سوا، امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ شوافع کی عقیدت کی یہ انتہا ہے کہ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ جو مسلکاً ایک شافعی عالم ہیں، لیکن اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں یہ ارقام فرمانے کے بعد

انهم كلهم على هدى من ربهم — تمام ائمہ سیدھی راہ پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور
وما بينه احد فى قول من — ان بزرگوں میں سے کسی کی اہانت وہی کر سکتا ہے
اقوالهم الا لجهله دليله — جو ان کے مسلک کی دلیل سے ناواقف ہے یا جاہل

---

[1] اسکندریہ کے مدرسہ میں جن علوم و فنون کا رواج تھا ان ہی کی یہ اصطلاحی تعبیر ہے۔

اما من حیث دقة مدارکه	سے بات ائمہ کی سمجھ میں آتی ہے وہ بہت نازک
علیه۔	اور دقیق ہو۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے الفاظ یہ ہیں۔

لا سیما الامام الاعظم ابوحنیفة	خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ
النعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ	تعالیٰ عنہ جن کے علم کی کثرت اور پارسائی و عبادت
عنه الذی اجمع السلف والخلف	اور ان کے علمی مدارک کی نزاکت اور استنباط
علی کثرة علمه وورعه وعبادته ودقة	پر اگلوں اور پچھلوں کا اتفاق ہے، امام ابوحنیفہؒ
مدارکه واستنباطاته وحاشاه رضی	کی ذات اس الزام سے قطعاً بری ہے کہ اللہ
اللہ تعالیٰ عنه من ان یقول فی	کے دین میں انھوں نے کوئی ایسی بات کبھی کہی
دین اللہ بالرای لا یشهد له ظاهر	ہو جس کی شہادت قرآن و سنت کے ظاہر نصوص
الکتاب ولا سنة (ج ۱ ص ۵۲)	میں نہ ملتی ہو۔

آخر میں اپنے شیخ علی الخواص کی شہادت جو میرے خیال میں واقعہ کی شہادت ہے ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

مدارك الامام ابی حنیفة	امام ابوحنیفہؒ جہاں سے اپنے مسائل و مجتہدات کو استنباط
لا یکاد یطلع علیه الا	کرتے ہیں وہ اتنے نازک و دقیق ہیں کہ ان سے بجز بڑے
اهل الکشف من کبار	بڑے اولیاء اللہ صاحب کشف کے دوسرا مشکل
اولیاء اللہ (ج ۱ ص ۵۲)	ہی سے مطلع ہو سکتا ہے

اور غالباً یہی بنیاد ہے الشعرانی کے اس دعویٰ کی

ومذهب الامام ابی حنیفة اول	مدون ہونے کے لحاظ سے تمام مذاہب و فقہی مکاتب
المذاهب تدوینا وآخرها	خیال میں پہلا مذہب امام ابوحنیفہؒ ہی کا ہے اور ختم ہونے
انقراضا کما قاله بعض اهل الکشف	کے لحاظ سے بھی آخری مذہب امام ابوحنیفہؒ ہی کا ہے

قد اختاره الله تعالیٰ اماما لدینه و عباده ولم تزل اتباعه فی زیادة فی کل عصر الی یوم القیامة۔

جیسا کہ بعض ارباب کشف نے کہا ہے، اللہ تعالےٰ نے امام ابو حنیفہؒ کو اپنے دین کی پیشوائی کے لیے چن لیا اور اپنے بندوں کا انھیں امام بنایا ان کے ماننے والے ہر زمانہ میں بڑھتے چلے جائیں گے قیامت کے دن تک۔ ۹

شیخ نے اپنے آخری فقرہ میں جن امور کی طرف اشارہ کیا ہے، ان میں بعض اجزا کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ مثلاً امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کا سب سے پہلے مدون ہونا، ان کے اتباع کا دن بدن بڑھتے چلے جانا، انشاء اللہ اپنے تمام اسباب و وجوہ کے ساتھ ان پر سیر حاصل بحث کی جائے گی، لیکن ایک شافعی عالم کا اس کشف کو بغیر کسی تنقید کے نقل کرنا کہ امام ہی کا مذہب سب سے آخر میں رہ جائے گا اور دنیا اسی پر ختم ہوگی، جو ان کے کلام کا حاصل ہے، اس وسعتِ دلی کا کتنا بڑا ثبوت ہے جو مذہبی اختلافات کے باوجود علماء اسلام میں پائی جاتی تھی۔

جو نہ دیکھنا چاہتے ہوں انھیں تو کوئی دکھا نہیں سکتا، لیکن مسلمانوں میں سارے جہان کے مسلمانوں میں عظمت و احترام کا جو مقام عالی حضرت سیدنا شیخ جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہے۔ اس سے کون ناواقف ہے؟ حنفی ہوں یا شافعی، مالکی ہوں یا حنبلی غوث اعظم کا لفظ کس کی زبان پر جاری نہیں حالانکہ سب جانتے ہیں کہ حضرت والا مسلکاً حنبلی تھے اور ایک وہی کیا۔ شافعی المسلک غزالی، اگر حجۃ الاسلام ہیں تو سب کے حجۃ الاسلام ہیں۔ رازی شافعی اگر امام ہیں تو سب کے امام ہیں۔ "نیست پیغمبر والے دارد کتاب" والے رومی کو چونکہ وہ حنفی تھے اس لیے اس خطاب کا مستحق کیا صرف حنفی مسلمان ہی ان کو سمجھتے مجدد فاروقی کو اسلامی دنیا کے جس جس حصہ میں مجدد تسلیم کر لیا گیا ہے کیا ان کے متعلق یہ بات صرف حنفی مسلمانوں ہی تک اس لیے محدود ہے کہ نسبتاً اپنی حنفیت پر انھیں زیادہ اصرار تھا۔

پھر دنیا کا جو اختلاف پیدا ہونے کے ساتھ ہی آئتلاف کے اس عجیب و غریب قالب میں ڈھل گیا، مشاہدہ کرنے والوں نے مشاہدہ کیا، اگر اس کو بھی اختلاف اور وہی اختلاف سمجھتے رہے جس نے قوموں کو بانٹا اور کاٹا ہے اور آج بھی خیالات ہی کا اختلاف تو ہے جو زمین کے کرہ پر اودھم مچائے ہوئے ہے، انسانیت کے لیے لعنت بنا ہوا ہے۔ ہمارے ان مذہبی اختلافات کے تل کو مسہ بلکہ رسولی اور خدا جانے کیا کیا بنا کر دکھا یا گیا۔ لیکن جن قوموں کے آباؤ اجداد نے مذہبی اختلافات میں اور ان کے پوتے پروتوں نے لامذہبی اختلافات[1] میں جو کچھ کیا کرتے رہے، کر رہے ہیں، اور خدا ہی جانتا ہے کہ کب تک کرتے رہیں گے۔ ان سب کو بھلا دیا گیا ناقابلِ برداشت بنا دیا گیا، اس اختلاف کو کہ مسلمانوں میں کسی کو زور سے آمین کہنے پر اصرار ہے اور کسی کو آہستہ کہنے پر۔ اپنے محبوب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جس باطنی نسبت پر یہ اصرار مبنی ہے، اس سے قطع نظر بھی کر لیا جائے جب بھی میں پوچھتا ہوں توپوں کی گرج اور بموں کی کڑک کے درمیان زندگی گزارنے والوں نے کیا یہ انصاف کیا جب

---

[1] مطلب یہ ہے کہ کلیسائی عہد میں جو کچھ یورپ نے خون بہایا سب مذہب کے نام سے بہایا۔ مذہب کے خون سے تنگ آ کر جب لامذہبیت میں پناہ لی گئی اور بت پرست یونانیوں رومانیوں کو پیشوا بنایا گیا، تو ان قوموں کے پرانے اوہام وطنیت و قومیت کے زندہ ہوئے، اب عقائد و خیالات کے اختلاف پر نہیں بلکہ اضطراری صفات مثلاً چہروں کے رنگ یا نسلوں کے اختلاف پر جنگ کی بنیاد رکھی گئی یا ان وہمی اور فرضی حدود پر جن کے ذریعہ خاک کے اس تودہ زمین کو مختلف ناموں سے موسوم کر دیا گیا ہے کسی کا نام یورپ اور کسی کا ایشیا رکھ دیا گیا اور جو صرف وہم تھا واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا اسی کو سمجھا گیا کہ واقعہ ہے پھر ہوا جو کچھ ہوا، تقریباً یہی حال زبانوں کے اختلاف کا بھی ہے کہ معانی سے الفاظ کا ظاہر ہے کہ کوئی واقعی امر قدرتی تعلق نہیں ہوتا بلکہ جس شے کی تعبیر کے لیے جس لفظ کو فرض کر لیا گیا وہی شے اب اس لفظ کا معنی بن گئی۔ مختلف بولیوں کے بولنے والوں میں جب زبانوں کی اسی اختلاف پر لڑائی کی گئی تو کیا یہ بھی صرف ایک فرضی مسئلہ کے لیے لڑائی نہ ہوئی، لیکن یورپ اب تو ان حدود سے بھی آگے نکل گیا ہے، خیالات کا اختلاف جس پر ہنسا گیا تھا اب اسی پر رو رہا ہے۔ نازیت ہو یا جمہوریت اشتراکیت ہو یا اشتمالیت، عقائد و خیالات کے سوا ان کی تہ میں اور بھی کچھ ہے

غنچہ چٹخا تو کہا سر میں دھمک ہوتی ہے

کہنے والے نے سچ کہا تھا

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

خیر میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسلام میں اختلاف جو کچھ بھی تھا صرف مذہب کے اسی حصہ سے اس کا تعلق تھا جس کا اختلاف مردود نہیں بلکہ گزر چکا کہ ایک حد تک مطلوب و مقصود تھا، اس عہد کے بعد یہ صحیح ہے کہ باہر سے درآمد کیے ہوئے جراثیم نے کچھ دن کے لیے ان اختلافات کو ضرور پیدا کیا، جن کی لہریں غیر بنیاتی حصے سے گزر گزر کر اسلام کے "بنیاتی" عناصر سے بھی ٹکرا ٹکرا جاتی تھیں اور اس لیے چاہا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ فرقہ بندیوں والے اختلاف میں کچھ دن کے لیے اسلام ضرور الجھ گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ جس طنطنہ اور اور دندنہ کے ساتھ اختلافات کے ان قصوں کی داستان سرائی اپنوں یا غیروں نے کی ہے یا کر رہے ہیں، جہاں تک میں خیال کرتا ہوں بجائے مشاہدے کے زیادہ تر ان کا تعلق بھی مغالطوں ہی سے ہے بلاشبہ کتابوں میں خصوصاً "فرق" کے "فرق" کو بیان کرنے والی کتابوں میں "ہفتاد و دوملت" کی جو لمبی لمبی فہرستیں اسلامی فرقوں کی لوگ درج کرتے ہیں ان کے دیکھنے سے تو دماغ بوکھلا جاتا ہے، اور اسی بوکھلاہٹ میں لوگ یہ سوچنا بھول جاتے ہیں کہ جن گوناگوں، بوقلموں فرقہائے اسلام کا ان کتابوں میں تذکرہ کیا گیا ہے وہ دنیا کے کسی خطہ میں آباد بھی ہیں یا نہیں۔

بحمد اللہ آج دنیا میں چالیس سے لے کر ستر کروڑ تک کی تعداد ان انسانوں کی بتائی جاتی ہے جن میں دینی برادری اور اخوت کا رشتہ قائم کر کے ان کو ایک ایسی امت کی شکل میں اسلام نے بدل دیا ہے۔ جس کا خدا ایک ہے، کتاب ایک ہے، قبلہ ایک ہے، اور آپ غور نہیں کرتے ورنہ نظر آتا کہ فرقہ بندیوں کے لحاظ سے بھی ان کی اکثریت غالبہ شدیدہ صرف ایک ہی فرقہ کی شکل میں پائی جاتی ہے یعنی اسلام کے "بنیاتی" حصہ کے متعلق ان میں کسی قسم کا

کوئی اختلاف نہیں ہے اور گزر چکا کہ فرقہ بندی کے لیے جس اختلاف کی ضرورت ہے "وہ بینات" ہی کا اختلاف ہے میری مراد اہل السنت والجماعت سے ہے کون نہیں جانتا کہ بیّنات کی حد تک ان میں سب ایک ہی نقطۂ نظر پر متفق ہیں، اسی کی تعبیر وہ "ما انا علیہ واصحابی" سے کرتے ہیں یعنی متفقہ طور پر پیغمبر اور پیغمبر کے ساتھیوں سے جو دین منتقل ہو کر مسلمانوں تک پہنچا ہے اہل السنت اسی کو اپنا دین بتاتے ہیں۔

اہل السنت کے بعد آپ ہی بتائیے کہ آج مسلمان کہلانے والی قوموں میں ایسے کتنے فرقے ہیں جنھیں "بیّنات" میں اہل سنت سے اختلاف ہو، وہی جس کا نام اصولی اختلاف ہے، دماغ پر زور دیجیے، ڈھونڈھ لیجیے، دنیائے اسلام کے کونے کونے، گوشے گوشے میں ٹٹولیے، شیعہ نام بتانے والے ایک فرقے کے سوا اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر کم از کم اس زمانہ تک جس زمانہ تک مسلمان ملتے ہیں ہو یا جدا ہونے میں غیروں کے نہیں بلکہ خود اپنے ارادے[1] کے پابند تھے، کتابوں میں دیکھ کر نہیں مشاہدہ کی رو سے بتلائیے کہ اور بھی کوئی ہے؟ میں نہیں جانتا کہ "کوئی نہیں" کے سوا اس کا مشاہداتی جواب اور کیا ہو سکتا ہے بمشکل جہاں تک میں سمجھتا ہوں اگر انتہائی تلاش و جستجو سے کام لیا جائے تو عرب کے بعض ساحلی علاقوں مثلاً مسقط وغیرہ میں جیسا کہ سنتے ہیں، دس بیس ہزار نفوس خارجیوں کے بھی شاید مل سکتے ہیں۔ لیکن جہاں سوال کروڑ ہا کروڑ کا ہے۔ نصف ارب سے بھی جس قوم کی مردم شماری کی رپورٹ قریب ہے کہ آگے نکل جائے۔ بلکہ اعداد و شمار کے

---

[1] میرا اشارہ مسلمانوں کے ان جدید عصری رجحانات کی طرف ہے جو محکومیت کے اس عہد میں آزادیِ خیال کے نام نہاد نام سے پیدا ہو رہے ہیں اور آئے دن مختلف گوشوں سے اسلامی عقائد و اعمال کے متعلق نت نئے خیالات کا اظہار ہوتا رہتا ہے گو ان جدید رجحانات نے اب تک مسلمانوں میں (بجز ایک خاص تحریک کے جس میں ختم نبوت کے متفقہ متواتر اجماعی مسئلہ کو مشتبہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے) اور کسی خیال نے کوئی ایسی صورت نہیں اختیار کی جس سے کسی مستقل فرقہ کی بنیاد پڑتی ہو۔

بعض اچھے ماہرین[1] سے تو سننے میں آتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد نصف ارب سے آگے بڑھ کر پون ارب کے قریب پہنچ چکی ہے، بھلا زمین کی اتنی بڑی آبادی کے مقابلہ میں یہ چند ہزار نفوس بھی کیا قابل شمار ہو سکتے ہیں۔

کیا تماشا ہے اس ہفتاد و دو ملت کے لطیفہ کا، جس سے ہفتاد کا لفظ ساقط ہو کر صرف "دو" (سنی اور شیعہ) تک محدود ہو کر جو رہ جاتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ ان دو فرقوں میں بھی چند ایسے ذیلی فرقے کہیں کہیں جو پائے جاتے ہیں، جن کے اختلاف کو "بیّنات" کا اختلاف قرار دیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ میکڈانل نے بھی لکھا ہے کل کے کل وہ شیعوں ہی کے ذیلی فرقے ہیں۔ مثلاً یمن کے زیدیہ ہدیہ یا ہندوستان کے سلمانیہ، داؤدیہ، آغاخانیہ باقی اہل سنت میں جو اختلافات ہیں، اور ان اختلافات کی بنیاد پر بطور نام نہاد کے لوگ مختلف ائمہ کی طرف منسوب ہیں۔

بتا چکا ہوں کہ عملاً ہو یا علماً ان کے اختلافات کی نوعیت ہی نہیں ہے جس سے فرقے بنتے اور ٹولیاں تیار ہوتی ہیں حتیٰ کہ آپ یہ بھی سن چکے کہ ان کے اختلافات کو اختلاف کہنا بھی صحیح نہیں ہے، یہی واقعہ بھی ہے اہل سنت کے عوام ہوں یا خواص یہی وہ جانتے بھی ہیں، اسی پر ان کا عمل بھی ہے، اسی لیے باہم ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک والوں سے شادی بیاہ کے عام معاشرتی ہی نہیں بلکہ پیری مریدی تک کے تعلقات قائم کرنے سے نہیں جھجکتے، شروع سے لے کر اس وقت تک ان کا عام حال یہی رہا ہے کہیں کہیں شخصی طور پر اگر کسی کے قلم سے یا زبان سے اور وہ بھی علمی مباحثوں یا مناظروں کے وقت کچھ

---

[1] مجھے حوالہ یاد نہیں رہا کسی معتبر مجلہ میں جنیوا والی مرحوم لیگ آف نیشن (مجلس اقوام) کے شعبہ اعداد و شمار کی رپورٹ درج کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد ستر کروڑ کے قریب پہنچ چکی ہے اور کچھ یوں بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ایسے صحرائی دور دراز علاقوں (مثلاً صحراء لیبیا وادی قبچاق ترکستان وغیرہ) میں پھیلی ہوئی ہے جن تک شمار کرنے والوں کی رسائی آسان نہیں ہے۔ ۱۲

بے احتیاطیاں عمل میں آئی ہیں تو اس کی ذمہ داری ان اختلافات پر عائد نہیں ہوتی بلکہ اس قسم کی بے احتیاطیاں تو ان لوگوں کے اندر بھی پائی جاتی ہیں جن میں یہ اختلافات نہیں ہیں، علمی ترنگ اور مناظراتی جوش میں بھر کر کیا حنفی عالموں نے اپنے ہی جیسے حنفی عالم پر چوٹیں نہیں کی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ زیادہ تر اس کا تعلق ان کے شخصی افتادِ طبع اور فطری خصوصیات سے ہوتا ہے ان کے مباحثے مباحثوں کی حدود سے نکل کر جھگڑوں کی شکل اگر اختیار کر لیتے ہیں تو اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ مذہبی مباحثہ کرنے والے جھگڑتے ہیں، بلکہ جھگڑنے والے اتفاقاً جب مذہبی مباحثہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس وقت بھی ان کی طبیعت کا جو اقتضا ہے وہ ظاہر ہوتا ہے۔

لیکن بے احتیاطیاں بھی کیا زبان و قلم سے آگے بڑھ کر کبھی تلوار کے قبضوں تک پہنچ گئی ہیں اسلام تیرہ سو سال کی اپنی ایک طویل تاریخ رکھتا ہے اور اس کی آبادیوں کا دائرہ ایشیا، و افریقہ بلکہ یورپ کے بعض خطوں کو محیط ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ حنفیوں کی فوج شافعیوں کے مقابلہ میں یا مالکیوں کا رسالہ حنبلیوں کے مقابلہ میں اس لیے صف آرا کبھی کہیں، کسی زمانہ میں ہوا تھا کہ ان میں ایک دوسرے سے مذہبی اختلاف تھا۔

رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں میں جو کچھ ہوا وہ تو خیر ایک بڑی بات ہے میں نہیں جانتا کہ اہل السنت کے ان مختلف اماموں کے تبعین میں کبھی کوئی معمولی جھڑپ بھی ہوتی ہے اور تیرہ سو سال کی اس طویل مدت میں ایک دو واقعے اگر کہیں شاذ و نادر پیش آئے بھی ہوں تو تحقیق سے معلوم ہوگا کہ جھڑپ کی بنیاد میں درحقیقت کوئی دوسری چیز پوشیدہ تھی، یعنی فائدہ، ناجائز فائدہ اٹھانے والوں نے اپنے ہم خیالوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے ممکن ہے کہ اس معصوم و حلال اختلاف سے غیر معصوم و حرام نفع کمایا ہو، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بینات میں اختلاف رکھنے والے فرقوں میں بھی اسوقت جب دنیا میں کبھی کسی علاقہ میں وہ بیچارے پائے جاتے تھے خونی مقابلوں اور مجادلوں

کے واقعات بھی بہ مشکل ہی پیش آئے ہیں، صرف فرقہ باطنیہ جس کا حال اب تو جو کچھ بھی ہو لیکن جس زمانے میں وہ واقعی باطنیہ تھا اور باطنیوں کے سے کام کرتا تھا، اس وقت ہر شخص جانتا ہے کہ ان کا صرف ظاہر اسلام تھا اور باطن ان کا وہی تھا جو ایک مدت تک اسلام اور مسلمانوں کے لیے عظیم خطرہ بنا رہا، اور جس کا حال یہ ہو اُسے اسلامی فرقوں میں شمار ہی کرنا خود بھی مغالطہ میں مبتلا ہونا ہے دوسروں کو بھی غلطی میں پھنسانا ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی بیان کیا جا سکتا ہے اور جسے بلا شبہ اہمیت حاصل ہے وہ سنیوں اور شیعوں کے اختلافات ہیں لیکن ان اختلافات کا جو حال اب ہے اور جن اختلافات پر اس کی ابتدائی بنیاد قائم ہوئی، چونکہ دونوں میں بڑا عظیم فرق ہے اس لیے اس کا متعین کرنا کہ شیعوں اور سنیوں میں جو مقابلے ہوتے ان میں کن مقابلوں کی بنیاد صرف سیاسی اختلافات پر قائم تھی اور کن مقابلوں میں واقعی مذہبی اختلافات موثر تھے یہ آسان کام نہیں ہے۔

"تاہم اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ شیعیت پر اب سیاسی اختلافات جو وقتی تھے ان سے زیادہ مذہبی اختلافات ہی کا رنگ غالب ہے اس رنگ کے غلبہ کے بعد ان میں اور سنیوں میں کوئی باضابطہ مذہبی جنگ مذہبی اختلافات کی بنیاد پر ہوئی ہے میں نہیں جانتا کہ اس کے ثابت کرنے میں کوئی کامیاب ہو سکتا ہے، کچھ بھی ہو وہ "بہتاد و ملت" والی جنگ کا افسانہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ بجائے واقعہ کے کس حد تک افسانہ ہی افسانہ ہے اسی کے ساتھ کاش اگر لوگ اس پر بھی غور کرتے کہ اب نہیں جس زمانہ میں بھی ہو اسی زمانہ میں جب کتابوں والے یہ اسلامی فرقے دنیا میں موجود تھے اس وقت بھی ان کے ماننے والوں کی تعداد کیا تھی میں بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ ہمارے مصنفین نے زیادہ تر اس سلسلے میں ایسے ایسے فرقوں کے نام بھی درج کر دیے ہیں، جن میں شریک ہونے والوں میں بانی فرقہ اور اس کے بھائی بھتیجوں اعزہ واقربا کے

سوا شاید ہی کوئی اور ہوتا ہو، حتیٰ کہ ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ خود ان کے ایک شخصی وجود کے سوا اس فرقہ میں کسی دوسرے آدمی کو بھی داخل ہونے کی نوبت نہ آئی، دراصل وہ شخصی خیالات تھے، چونکہ عموماً ان خیالات کے پیدا کرنے والے ارباب تالیف و تصنیف سے تھے اس لیے انھوں نے اپنے مسلک کی تائید میں کتابیں لکھیں، مصنفین نے یہ تحقیق کیے بغیر کہ اس مصنف کے سوا دنیا میں اور بھی کوئی ان خیالات کا ماننے والا تھا یا نہیں، فرقوں کی فہرست میں اس کے نام کا اضافہ کر دیا۔ انشاء اللہ ان اسلامی فرقوں کے متعلق کسی مستقل

لہ اسلامی فرقوں کی اس کتابی فہرست سے شاید یہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ وہ مشہور حدیث یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو کر رہے گی جس کی نہ صرف سند ہی محدثانہ حیثیت سے قابلِ تنقید ہے بلکہ "میری امت" کے الفاظ کی تشریح میں بھی علماء کا اختلاف ہے بعض لوگ "میری امت" کے نیچے صرف مسلمانوں کو درج کرتے ہیں یعنی وہ لوگ جنھوں نے آنحضرتؐ کے دعویٰ نبوت کو قبول کر لیا ہے جن کا اصطلاحی نام امت اجابت ہے لیکن بعض اربابِ تحقیق "امتی" کے لفظ کو ان قوموں پر بھی مشتمل سمجھتے ہیں جن کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہیں۔ اصطلاحاً جن کا نام امت دعوت ہے یعنی جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی خواہ انھوں نے آپ کی بات مانی ہو یا نہ مانی ہو، ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے ساری نسل انسانی کے ساتھ پیغمبر کی یہ پیشین گوئی متعلق ہو جاتی ہے اور نسلِ انسانی کا تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جانا محل تعجب نہیں بہرحال اگر امتی سے مسلمان ہی یعنی امتِ اجابت ہی مراد ہو، تو پھر ان کتابی فرقوں سے اس حدیث کی تصحیح ہو سکتی ہے اور اس فہرست کا بھی ایک فائدہ ہو سکتا ہے۔ کچھ دن ہوئے "مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ" اس نام سے خاکسار کی ایک تالیف ندوۃ المصنفین (دہلی) سے شائع ہوئی ہے، اس مسئلے سے مزید دلچسپی رکھنے والوں کو چاہیے کہ اس کا مطالعہ فرمائیں (صحیحین کی حدیث میں مسلمانوں میں بہتر فرقوں کی خبر دی گئی ہے جبکہ بقول سید صاحب (فاضل مصنفؒ) یاروں نے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے اور خود سید صاحبؒ سخت مضطرب ہیں یہ حدیث بقول سیوطی موضوع ہے اور خود سید صاحب کے نزدیک اسکی سند محدثانہ حیثیت سے قابل تنقید ہے اس وضاحت کے بعد اس حدیث کی تاویل و تفسیر کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور مفتاد و دو ملت والا سارا افسانہ بس افسانہ ہی رہ جاتا ہے، ملاحظہ ہو، اللآلی المصنوعۃ، قاہرہ، ج ا ص ۲۴۹)

(رشید احمد)

مقالہ میں ان لطیفوں کا اظہار کیا جائے گا یہی وجہ ہوتی ہے کہ ان عقائد و خیالات پر بھی ان کے پیدا کرنے والوں کی موت کے ساتھ عموماً موت طاری ہوتی چلی گئی۔ عام مسلمانوں پر ان کا چونکہ کوئی اثر نہیں پڑا تھا اس لیے اپنے قدیم مسلک "ما انا علیہ واصحابی" پر وہ اسی طرح قائم رہے، اب تک قائم ہیں جس طرح ان کی گزشتہ نسلیں طبقۃً بعد طبقۃٍ اسی پر قائم چلی آ رہی تھیں اور جدید کے تھے ان کی آئندہ نسلیں بھی بالآخر سمٹ سمٹا کر مسلمانوں کی اکثریت میں جذب ہو گئیں۔

اس سلسلہ میں انتہا یہ ہے کہ فرقۂ معتزلہ جن کا اثر عوام پر کم ہی پڑا تھا لیکن اعیان دولت و حکومت کی اچھی خاصی تعداد مختلف زمانوں سے ان کے خیالات و عقائد سے متاثر رہی ہے مگر باوجود اس کے معتزلہ کی عمر کی مدت بھی باعتبار زور و شور کے دو سو سال سے زیادہ نہیں رہی ہے۔ طاش کبری زادہ لکھتے ہیں۔

وکان علم الکلام بایدی المعتزلۃ مائتی سنۃ مابین المائۃ والثلاث مائۃ

معتزلہ کے ہاتھ میں علم کلام کی باگ دو سو سال رہی یعنی پہلی صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری تک۔ (مفتاح ج ۲ ص ۳۷)

اور پھر تو ان کا بتدریج یہ حال ہوا کہ جن کی کتابوں سے کتاب خانوں کے کتب خانے بھرے ہوتے تھے، ان کی کسی کتاب کا تو خیر کیا ذکر ہے کتاب کے کسی ورق کا ملنا بھی اب مشکل ہے جو کچھ ان کے عقائد و خیالات کا سرمایہ پایا جاتا ہے وہ اہل سنت ہی کی کتابوں میں ہے تردید کرنے کے لیے جو کچھ انھوں نے نقل کر لیا تھا، یا اسی طرح کسی اور ضرورت سے کتابوں میں ان کا ذکر کیا گیا ہے، لے دے کر اعتزالی عقائد کے سراغ لگانے کا عام ذریعہ یہی ہے۔ (صرف علامہ زمخشری کی تفسیر کشاف اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے یا زیادہ کنج و کاؤ سے کام لیا جائے تو علم کلام کے سوا کسی دوسرے فن میں معتزلی علماء کی ایک، دو کتابیں اور بھی مل سکتی ہیں) یہ تھی داستان ہمارے ان مذہبی اختلافات کی جن کے بھروسہ پر چاہا جا رہا ہے کہ

کلیسا اور کلیسا کے اختلافات کے خوں ریز، جہاں سوز، روح فرسا، نتائج نے جن قرونِ متوسط کو یورپ کے عیسائیوں میں پیدا کیا تھا کسی نہ کسی طرح اسلام کی تاریخ میں بھی اسی قسم کے قرونِ متوسط کا کوئی گھناؤنا مرقع تیار کر لیا جاتے۔ "وانی لھم التناوش من مکان بعید"
(سورۃ سبا - ۵۲)

خدا کا دین ظاہر پکار رہا ہے

برو ایں دام بر شاخ دگر نہ　　کہ عنقا را بلند ست آشیانہ

جس نے اب تک اسلام کے "بینات" کی حفاظت کر کے اختلافی مسائل کو مسلمانوں کے حق میں مفید ہی بنا دیا ہے، امید ہے کہ آئندہ بھی وہ اس حال کو باقی رکھنے کا سامان کرتا ہی رہے گا۔

واللہ علی کل شیء قدیر (سورۃ البقرہ : ۲۸۴) اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ اسلام کے غیر بنیاتی حصہ میں ہر اس شخص کا حق پر ہونا جسے واقعۃً "الامر" کا شرعی استحقاق ہو لو د منصوصات معلومہ کو پیش نظر رکھ کر غیر منصوصہ احکام کے استنباط کا جس میں واقعی ملکہ اور حقیقی سلیقہ ہو ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق بعض ظاہر بینوں نے یہ بھی مشہور کیا ہے کہ سب نہیں بلکہ ان میں کسی ایک کا حق پر ہونا ائمہ اربعہ کا مذہب ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ ان بزرگوں کی طرف اس کا انتساب ادعائی انتساب سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے

والحق ان ما نسب الی الائمۃ	حق یہی ہے کہ ائمہ اربعہ کی طرف جو یہ بات منسوب کی گئی ہے
الاربعۃ قول مخرج من بعض	یعنی سب کا نہیں بلکہ کسی ایک کا حق پر ہونا، اس کی کوئی تصریح
تصریحا تھم ولیس نصاً	ان بزرگوں نے نہیں فرمائی ہے بلکہ جن باتوں کی انھوں
منھم	نے تصریح کی ہے ان سے دوسروں نے یہ نتیجہ خود نکال لیا ہے

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

وانہ لا خلاف للامتی فی	دراصل امت اسلامیہ کے اندر اس مسئلہ میں کوئی اختلاف

تصویب المجتہدین فی ما ہی نہیں یعنی نصاً واجماعاً یہ طے شدہ فیصلہ ہے کہ جن مسائل

خیر فیہ نصاً واجماعاً ۔ ﷺ ہیں مسلمانوں کو اختیار دیا گیا ہے ان میں تمام مجتہدین حق پر ہیں،

پھر شاہ صاحب نے ایک طویل گفتگو فرمائی جس کا حاصل وہی ہے کہ غیر بنیاتی مسائل میں تمام مجتہدین کا حق پر ہونا ایک اتفاقی مسئلہ ہے اور میں تفصیل سے اس پر گفتگو کر چکا ہوں، الاستاذ الامام خاتم الفقہا والمحدثین حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث کے اسباق میں اس کا اعلان فرماتے تھے، ایک دفعہ نہیں براہِ راست اس فقیر نے ان سے بیسیوں دفعہ بھی سنا ہے کہ غیر منصوصہ مسائل میں سب حق پر ہیں میرا حال تو یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں جن کا نام میں نے غیر بنیاتی مسائل رکھا ہے، ان کے اختلافی پہلوؤں کے متعلق ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کا حق پر ہونا ایک ایسی بات ہے جس کی کوئی معقول ہو، یا غیر معقول توجیہ ہی سمجھ میں نہیں آتی بلکہ ان مسائل کے اختلافات کی نوعیت وہی معلوم ہوتی ہے جو قرآنی الفاظ کے تلفظ اور قراۃ کے اختلاف کی ہے شاہ ولی اللہؒ نے بھی کالقرأت السبع سے ان فقہی اختلافات کی تشبیہ دی ہے یعنی بالاتفاق سلفاً عن خلفٍ مسلمان یہی مانتے چلے آئے کہ ان قرأتوں میں سے جس قراۃ کے ساتھ بھی قرآن پڑھا جاتا ہے، سب صحیح اور درست ہے، گویا حدیث

انزل القرآن علی سبعۃ احرف ﷺ قرآن سات (یعنی بہت سے) حروف پر نازل ہوا ہے

کو مسلمانوں نے اپنے اجماع سے قطعی بنا دیا ہے، حالانکہ ان قراءتوں میں ہر ہر قرأت کا انتساب اسی طرح فنِ قرأت کے مختلف ائمہ کی طرف کیا جاتا ہے جیسے فقہ کے مختلف مکاتب خیال اجتہاد کے مختلف ائمہ کی طرف منسوب ہیں، قرأۃ میں بھی ہر ہر امام کی جماعت میں مختلف ذیلی ائمہ ہیں جیسے فقہ میں ہیں، پس باوجود ان باتوں کے قراءۃ کے ان تمام اشکال کو جن وجوہ سے حق سمجھا جاتا ہے کیوں نہ سمجھا جائے کہ اسلام کے غیر بنیاتی مسائل کی نوعیت بھی وہی ہے۔

ان سطروں کے اضافہ کی ضرورت آخر میں اس لیے ہوئی کہ جب سے حالات

بدلے ہیں اور مسلمانوں کا عمومی مزاج اعتدال کے اس نقطۂ ثقل سے منحرف ہوگیا ہے جسے اپنی جگہ سے اسلام کی سیاسی طاقت ہلنے نہیں دیتی تھی، لیکن دباؤ ہٹ گیا اور ہر جانے والے نے اپنی راہ پہ جانے کا نام بجائے راہروی کے آزادی رکھ چھوڑا ہے اس اتفاقی حادثہ کے جہاں بیسیوں تلخ نتائج ہیں ان میں ایک نتیجہ وہ غلو بھی ہے جو بعضوں میں فقہ کے اجتہادی مسائل کے متعلق پیدا ہوگیا ہے، بلکہ اسی کے ساتھ غالباً اس پر تنبیہ بھی نامناسب نہ ہوگی کہ قرأۃ کے اختلافات ہوں یا فقہیات کے، ہر ایک کے حق وصواب ہونے میں جو حال ان کا ہے یقین کرنا چاہیے کہ بجنسہٖ یہی کیفیت ان اختلافات کی بھی ہے جو باہم ان متکلمین میں پائے جاتے ہیں جو "بینات" پر متفق ہونے کے بعد بعض جزئی مسائل کی تشریح میں نقاطِ نظر کا اختلاف رکھتے ہیں مثلاً اشعریہ اور ماتریدیہ کے اختلاف کا جو حال ہے اور یہی قاعدہ ان اختلافات پر بھی منطبق ہے جو ہمارے اربابِ قلوب و معرفت یعنی صوفیہ صافیہ میں قدرتی طور پہ پیدا ہوئے ہیں مولانا اسمٰعیل شہید اپنی کتاب عبقات میں لکھتے ہیں۔

تفرق بین اھل الحق کالتفرق بین	اہل حق کا مختلف ہونا جیسے ائمہ اربعہ کا اختلاف
الائمۃ الاربعۃ او بین الاشعریۃ	یا اشعریہ و ماتریدیہ کا اختلاف یا (صوفیہ)
والماتریدیۃ او بین الوجودیۃ	میں وجودیہ (ورائیہ) اور شہودیہ ظلیہ کا اختلاف
الورائیۃ والشھودیۃ الظلیۃ او بین	یا مختلف سلاسل و طرق میں جو اختلافات
اھل الطرق فالحکم فیہ ان کل	پائے جاتے ہیں تو ان اختلافات کے متعلق
واحد منھم فی اکثر المسائل علی	فیصلہ یہی ہے کہ ہر ایک ان میں سے اکثر مسائل میں
طریق حق ولکل وجھۃ ھو	برسرِ حق ہے اور ہر ایک اپنے سامنے ایک "رخ" رکھتا
مولیھا فاستبقوا الخیرات"	ہے جس کی طرف وہ توجہ کیے ہوئے ہے پس (مسلمانو!)
؎	نیکیوں میں باہم ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرو

اسی بنیاد پر فرماتے ہیں۔

فمن اتبع واحداً منهم | پس ان میں جس کسی کی کوئی پیروی کرے گا مقصود
فاز بالمقصود۔ | کو پالے گا۔

سچ پوچھیے تو مولانا نے وہی بات کہی ہے جسے ابتداء میں عمر بن عبدالعزیز خلیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حوالہ سے نقل کر چکا ہوں۔

واختلفوا فاخذ رجل بقول | جب صحابہ مختلف ہوئے تو ان میں سے کسی ایک کے قول
احد اخذ بالسنة | کو جو اختیار کرے گا سنت کو پالے گا۔

یا جیسا کہ تلمیذ الصدیقہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا، حضرت قاسم بن محمد فرمایا کرتے تھے۔

ایّ ذلك اخذت به لم یکن | (صحابہ کے مختلف اقوال) میں سے جس قول کو بھی تم اختیار کر
فی نفسك منه شئ | لوگے چاہیے کہ پھر جی میں کوئی کھٹک باقی نہ رہے

اور جیسا کہ میں بہ تفصیل عرض کر چکا ہوں کہ مسلمان اپنے دین کے ان تمام شعبوں میں سلفاً عن خلف اسی خیال پر قائم اور اسی پہ ان کا عمل دائم تھا۔ بلکہ حضرات صوفیہ صافیہ کے متعلق "الموافقات" میں علامہ شاطبی نے جو ایک خاص نقطۂ نظر پیش کیا ہے، چونکہ مسلمانوں کے مذہبی اختلافات کے متعلق اس سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے، چاہتا ہوں کہ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں جو کچھ کہنا ہے اس پر "اختلاف" کی اس بحث کو ختم کر دوں۔

شاطبی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کسی انفرادی یا اجتماعی زندگی کے متعلق یہ طے کرتے ہوئے کہ شریعت اور اس کے قوانین پر وہ کس حد تک منطبق ہے، ہمیں اسلام کے شرعی قوانین کی اس خصوصیتِ خاصہ کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ وہ قوانین کا کوئی ایسا مجموعہ نہیں ہے جسے ایک بارگی ماننے والوں پہ عائد کر دیا گیا ہو بلکہ سب جانتے ہیں کہ تقریباً بیس سال کی طویل

مدت میں بتدریج اس کی تکمیل ہوئی ہے۔ تکمیل کی اسی تدریجی رفتار کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے شرعی قوانین کے اس ذخیرہ کو دو حصوں پر تقسیم کر کے ایک کا "المشروعات المکیہ" اور دوسرے کا "المشروعات المدنیۃ" نام رکھا ہے اس کے بعد انھوں نے ادھر توجہ دلائی ہے کہ تتبع و تلاش استقراء و جستجو سے اگر کام لیا جائے تو مشروعات کے ان دونوں حصوں میں ایک خاص امتیاز نظر آئے گا۔ اسی امتیاز کو بتاتے ہوئے زیادہ تر قرآنی احکام کو پیش رکھ کر وہ لکھتے ہیں۔

ان المشروعات المكية وهي الأولية كانت في غالب الأحوال مطلقة غير مقيدة

مکی قوانین جو ظاہر ہیں کہ نزولاً مقدم ہیں۔ عام حالات میں وہ بجائے مقید ہونے کے زیادہ تر اطلاقی رنگ رکھتے ہیں۔

پھر "زکوٰۃ" کے قانون کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہوئے انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ابتدا میں عام طور پر خیر و خیرات، صدقات و مبرات پر زور دیا جاتا تھا، لیکن یہ کہ صدقہ کن پر واجب ہے، کتنا واجب ہے، اس صدقہ کے کون کون لوگ مستحق ہیں "مکی مشروعات" میں ان امور کی تفصیل نہیں کی گئی ہے بلکہ ان کے الفاظ میں۔

كان أكثر ذلك موكولا الى انظار المكلفين في تلك العادات ومصروفا الى اجتهادهم ليأخذ كل ما لائق به وقدر عليه من تلك المحاسن الكليات وما استطاع من تلك المكارم۔ (ج ۴ ص ۸۱)

یہ بات ان لوگوں کی نظر و فکر کے سپرد تھی جن پر قانون زکوٰۃ عائد کیا گیا تھا اور ان کے اجتہاد کے ساتھ بات وابستہ تھی یعنی ان کی نیکیوں اور اخلاقی خوبیوں میں سے جس حد تک جو جہاں تک تعمیل کر سکتا ہے۔ تعمیل کرے مطالبہ کی شکل اس وقت یہی تھی۔

وہ کہتے ہیں کہ صحابہ میں جن بزرگوں کو سابقین اولین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ چونکہ قرآن کے ان اطلاقی مطالبات سے ان ہی کو سابقہ پڑا، اس لیے

وکان المسلمون فی تلك الاحیان — اسی لیے مسلمان اس زمانہ میں کوشش کی انتہائی
اٰخذین باقصی مجہادھم وعاملین — شکل کو اختیار کرتے تھے اور جو کچھ بھی ان کے
علی مقتضاھا بغایۃ موجودھم — پاس تھا اس کو ادا کر کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

اور یہ ہے ان کے نزدیک وہ خصوصی امتیاز جو عموماً "مشروعاتِ مکیہ" میں نمایاں ہے اس کے مقابلہ میں "مشروعاتِ مدینہ" کا حال ان سے مختلف ہے مطلب یہ ہے کہ یوں تو اجمال و اطلاق کا رنگ قرآن کے ہر مطالبہ پر غالب ہے خواہ مکہ میں اس کا نزول ہوا ہو، یا مدینہ میں، لیکن اسی کے ساتھ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ "مدنی مشروعات" میں باوجود کلیاتی شکل رکھنے کے اطلاق کی وہ کیفیت باقی نہیں رہی ہے جو مکی مشروعات کی خصوصیت ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ مدینہ میں قرآن کا جو حصہ نازل ہوا، اس میں بھی اور "السنۃ" کے ذریعہ سے پیغمبر نے قرآنی مطالبات کی جو تشریح و تشکیل کی دونوں میں بقول ان کے

ففصلت تلك المجملات المکیہ — مکی مشروعات کے اجمال کی تفصیل کی گئی اور جن امور کا
وقیدت تلك المطلقات — مطالبہ مکہ میں اطلاقی رنگ میں کیا گیا تھا ان میں قیود کا اضافہ ہوا۔

خیر یہاں تک تو ایک ایسی بات ہے جس میں ظاہر ہے۔ چنداں کوئی ندرت نہیں عموماً جنھیں تھوڑا بہت بھی اسلامی علوم سے لگاؤ ہے وہ ان سے ناواقف نہیں ہیں پیش کرنے کی جو بات ہے وہ اس کے بعد کا وہ نتیجہ ہے جس سے میرے خیال میں ایک بڑے اختلافی مغالطہ کا جیسا کہ میں نے عرض کیا ازالہ ہوتا ہے۔

الشاطبی نے اس کے بعد اس پر تنبیہ کی ہے کہ "مدنی مشروعات" میں قیود کے جو اضافے ہوئے اور "مکی مشروعات" کے اطلاق کی جو حدبندیاں مدنی مشروعات میں کی گئیں، خواہ تقیید و تحدید کا یہ کام قرآن ہی کے ذریعہ انجام دیا گیا ہو یا "سنت" کی راہ سے یہ بات زیر عمل آئی ہو، کچھ بھی ہوا ہو، لیکن کسی حال میں اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ

"مدنی مشروعات" کے بعد ان پر بالکلیہ قلم نسخ پھیر دیا گیا، دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ ان کو غیر قانونی قرار دے کر شریعت اسلامی کے حدود ہی سے انہیں خارج کر دیا گیا۔

علامہ شاطبیؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ خیال قطعاً غلط اور خلاف واقعہ ہے بلکہ ان کے نزدیک گو "مدنی مشروعات" میں "مکی مشروعات" کے کلیات کی تحدید و تقیید ضرور کی گئی، مگر

مع بقاء الکلیات	بایں طور کہ مکی مشروعات کے کلیات کو بھی اپنے
علی حالها	حال پر باقی رکھا گیا۔

اب اسی نتیجہ سے وہ اس پر تنبیہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں جس طبقہ کو "الصوفیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، ان کی دینی زندگی بعض لوگوں کو عام مسلمانوں کی دینی زندگی سے کچھ الگ الگ سی جو نظر آتی ہے اور یہی امتیاز ان بزرگوں کے لیے بعض حلقوں میں ناانصافیوں کی وجہ بنا ہوا ہے شاطبی کہتے ہیں کہ ان کی یہ ناانصافیاں درحقیقت ناانصافیاں ہی ہیں، شریعت کے خاص نقطۂ نظر سے غفلت کا نتیجہ ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ صوفیہ کی شرعی زندگی کو "مدنی مشروعات" کے روشنی میں نہیں بلکہ دیکھنا چاہتے ہو تو "مکی مشروعات" کو سامنے رکھ کر ان کو دیکھو اسی مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

وعلی الاول جری الصوفیہ	پہلے طریقہ کار یعنی مکی مشروعات کے مقتضی پر تو صوفیہ
وعلی الثانی جری من	کا عمل درآمد رہا اور دوسرے (یعنی مدنی مشروعات) کو
عداهم ممن لم یلتزم	ان لوگوں نے اختیار کیا جنھوں نے اپنے لیے ان امور کی پابندی
ما التزموه	ضروری نہیں ٹھہرائی جن کے صوفیہ پابند ہیں۔

اسی دعویٰ کو اور واضح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

ومن ههنا یفهم شان	اور اسی سے ان لوگوں کا حال سمجھا جا سکتا ہے جو ہر چیز
المنقطعین الی الله فیما	سے منقطع ہو کر حق تعالےٰ کے ساتھ مشغول ہیں۔ یعنی
امتازوا به من نحلتهم المعروف	اپنے خاص مشہور مسلک کی بنیاد پر ان کو جو (عام مسلمانوں

فان الذي يظهر بادي کے درمیان) امتیاز حاصل ہے بظاہر یہ خیال گزرتا
الرای منهم انهم التزموا ہے کہ ان بزرگوں نے ایسی باتوں کا اپنے آپ کو پابند
امورا لا توجد عند العامة بنالیا ہے جو عام مسلمانوں میں نہیں پائی جاتیں اور نہ
ولا هي مما يلزمهم شریعت نے مسلمانوں پر ان کو واجب کیا ہے اس حال
شرعا فيظن الظان انهم کو دیکھ کر گمان کرنے والوں کو گمان ہوتا ہے کہ ان
شددوا على انفسهم و بزرگوں نے اپنے ساتھ تشدد سے کام لیا ہے اور
تكلفوا ما لم يكلفوا ایسے امور کے خواہ مخواہ پابند بن گئے ہیں جن کی پابندی
ودخلوا على غير مدخل کا ان سے شرعاً مطالبہ نہیں کیا گیا ہے اسی وجہ سے
اهل الشريعة سمجھا جاتا ہے کہ ارباب شریعت کی جو راہ ہے اس راہ پر وہ نہیں ہیں

پھر اسی بدگمانی کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حاش لله ما كانوا ليفعلوا ذلك خدا کی پناہ، وہ ہرگز ایسے نہیں ہیں جو ایسی باتوں کا ارتکاب
وقد بنوا نحلتهم على اتباع السنة کریں۔ انھوں نے اپنے مسلک کی بنیاد سنت کی پیروی پر
وهم باتفاق اهل السنة صفوة رکھی ہے انکا شمار خدا کی چیدہ و برگزیدہ مخلوق میں ہے
الله من الخليقة (ج ۴ ص ۲۳۹) اسی پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔

اور اپنا آخری فیصلہ ان الفاظ میں درج کرتے ہیں۔

ولكن اذا فهمت حالة المسلمين مگر تم جب آغاز اسلام کے اس زمانہ پر غور کروگے جو
في التكليف اول الاسلام اسلامی قوانین کے عائد کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ
ونصوص التنزيل المكي اختیار کیا گیا تھا اور مکی تنزیل کے ان نصوص و تصریحات
الذي لم ينسخ و تنزيل کو سوچوگے جو منسوخ نہیں ہوئے ہیں اور ان بزرگوں کے
اعمالهم عليه تبين لك اعمال کو ان ہی نصوص پر پیش کرکے جانچوگے تو تم پر یہ بات
ان تلك الطرق مسلك واضح ہوجائے گی کہ درحقیقت ان حضرات کا مسلک وہی

هولاء وباتباعها عنوا "مکی تنزیل" والے نصوص کے مطابق ہے اور ان نصوص
علی وجہ لا یضاد المدنی کی پابندی ان بزرگوں نے اس طور پر کی ہے جو مدینہ
المفسر۔ ^۱۱۳ کے مفصل مشروعات کی مخالف نہیں ہے۔

پھر ان لوگوں کے مسلک کو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں یعنی ان کی زندگی جو در اصل مکی مشروعات کی ایک تعمیلی شکل ہے "مدنی مشروعات" سے کیوں متصادم نہیں ہوتی اسی کو وہ اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

اذا سمعت مثلاً ان بعضهم تم مثلاً جب سنتے ہو کہ ان بزرگوں میں بعضوں سے
سئل عما یجب من الزکوٰۃ پوچھا گیا کہ دو سو درم پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے
فی مائتی درهم فقال تو جواب میں انھوں نے فرمایا ہمارے مسلک کے
اما علی مذهبنا فالکل للہ واما رو سے پوچھتے ہو تو سب کچھ اللہ کی راہ میں خیرات کر دینا
علی مذهبکم فخمسة دراهم چاہیے باقی تمہارے مسلک پر ہر دو سو درم میں پانچ
ما اشبه ذلك علمت ان درم زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے یہ اور اسی قسم کے مسائل پر
هذا یستمد مما تقدم فان التنزیل جب غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ اس میں اسی بات
المکی امر فیه بمطلق انفاق سے فائدہ اٹھایا گیا ہے جو گزر چکی یعنی مکی آیتوں میں مطلق مال
المال فی طاعة الله ولم یبین کے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن دینا واجب ہے
الواجب من غیره بل وکل اس کو نہیں بیان کیا گیا بلکہ خرچ کرنے والے کے اجتہاد
الی اجتهاد المنفق کے سپرد اس بات کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

پھر اسی کی کچھ اور تشریح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

ومثله لا یقال فی ملتزمه ظاہر ہے کہ اس قسم کی بات (یعنی سب کچھ اللہ کے لیے قرار
انه خارج عن الطریقه دینا) جو اس کا پابند ہو، اس کے متعلق یہ کہنا درست
ولا متکلف فی التعبد نہ ہوگا کہ وہ اسلام کے طریقہ سے باہر ہو گیا یا دینداری

میں اس نے حد سے تجاوز کیا ہے

بہر حال ان کے نزدیک صوفیاء کا طرز عمل اور طریق زندگی عام مسلمانوں کی دینی زندگی سے اگر کچھ مختلف ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کی زندگی شریعت سے بھی مختلف ہے بلکہ انھوں نے لکھا ہے اور سچ لکھا ہے۔

لما كان هذا الميدان لا يسرح فيه كل الناس قيد التنزيل المدني حين فرضت الزكوة فصارت هي الواجبة انما مقدرة لا تتعدى الى ما دونها و بقي ما سواها على حكم الخيرة فاتسع على المكلف مجال الا بقاء جوازا والانفاق ندبا فمن مقل ومن مكثر والجميع محمودون لانهم لا يتعدوا حدود الله

یہ میدان (یعنی اطلاقی رنگ کے مطالبات کی پوری تکمیل) ایسا نہ تھا جس میں ہر شخص چر سکتا تھا اس لیے مدنی آیتوں میں مفروضہ زکوٰۃ کو مقید کر کے بیان کر دیا گیا اور اسی کو قطعی شکل میں مسلمانوں پر واجب کر دیا گیا اس طور پر کہ اس سے کم کی گنجائش نہیں (لیکن زیادہ) سوا اپنے اپنے اختیار کے حوالے رہا پس عمل کرنے والوں کے لیے جواز کا میدان اب بھی کھلا رہا پھر ان میں کچھ ایسے ہیں جنھوں نے زیادتی کی راہ اختیار کی اور سب کے سب قابل تعریف مستحق مدح و ستائش ہیں، کیونکہ اللہ کے مقررہ حدود سے کوئی متجاوز نہیں ہے۔

بحث کو ختم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وهكذا يجب ان ينظر في كل خصلة من الخصال المكية حتى يُعلم ان الامر كما ذكر[1]

یوں ہی تمام "مکی مطالبات" کو سوچنا چاہیے تا کہ جو واقعہ ہے وہ لوگوں کو معلوم ہو جائے یعنی وہی بات جس کا ذکر کیا گیا۔

لیکن افسوس ہے کہ یہی "نقطہ نظر" ہے جس سے بعض محروم ہوئے اور اسلام کے اس طبقہ پر ان کی زبانیں کھلیں، جنھوں نے رخصتوں کو چھوڑ کر عزیمت پر اور ادنیٰ پر کفایت نہ کر کے اعلیٰ درجہ پر عمل کیا، سچ پوچھو تو انھوں نے اپنی راہ وہ بنائی تھی جس پر صحابہ کے سابقین اولین

چلے جاتے، بلکہ شاطبی کی اس تنبیہ پر لوگ غور کرتے تو شاید ان پر بھی وہی بات کھلتی جو خدا نے اپنے اس بندے پر کھولی وہ لکھتے ہیں۔

اذا نظرت الی اوصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وافعالہ تبین لک الفرق ما بین القسمین و بون بین المنزلتین (ص ۲۳۸)	اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر تم غور کرتے اور آپ کے اعمال و افعال کو سوچتے تو مسلمانوں کے دونوں گروہ، یعنی عوام اور صوفیا میں جو فرق ہے وہ تم پر ظاہر ہو جاتا، اور دونوں میں جو فرق ہے وہ کھل جاتا

کوئی شبہہ نہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جس قسم کی زندگی گزاری، جس مکان میں اپنی ناسوتی سانس پوری کی، جو کچھ کھاتے تھے، جو کچھ پیتے تھے ان کے نمونوں کو مسلمانوں کے کسی طبقہ میں اگر تلاش کیا جائے تو شاید صوفیہ ہی کے اس گروہ میں مل سکتے ہیں جنھیں نہ جاننے والوں نے محض ان کے فقر و فاقہ، صبر و شکر، قناعت و توکل کی زندگی کو دیکھ کر ان کو محلِ اعتراض ٹھیرایا، مگر کچھ بھی ہو مسلمانوں کے فہم عمومی کو اس باب میں بحمد اللہ کبھی مغالطہ نہیں لگا۔ اور جیسا کہ شاطبی نے لکھا ہے۔

وبھذا عول من شھر من اھل التصوف و بذالك ساد و امن لم يبلغ مبالغھم فی الاتصاف باوصاف الرسول واصحابہ	صوفیا میں جن بزرگوں نے شہرت حاصل کی ان کو جو سیادت اور امتیاز ان لوگوں کے مقابلہ میں حاصل ہے جو ان کے درجے تک نہیں پہنچے ہیں اس کی وجہ یہی بات ہے کہ رسول اللہؐ اور آپ کے اصحاب کے اوصاف سے یہ حضرات متصف تھے۔

بہرحال واقعہ یہی ہے کہ مدنی شروعات میں قیود و حدود کا اضافہ کر کے شرعی مطالبات کے اطلاق کو کم کر کے عام مسلمانوں کے لیے بہت کچھ آسانیاں پیدا کر دی گئی تھیں لیکن اس کے یہ معنی تو نہ تھے کہ "مکی مشروعات" منسوخ ہو کر اسلامی قانون کے حدود سے باہر ہو گئے تھے ہو سکتا ہے کہ بعضوں نے اس پر نسخ کے لفظ کا اطلاق کیا ہو اور قدما میں اس لفظ کے بولنے کا ایک عام رواج تھا حتی کہ اسی رواج کی بنیاد پر بعضوں نے تو

ناسخ و منسوخ آیتوں کی جو فہرست بنائی شاید یہ مبالغہ نہ ہوگا کہ قرآن کے نصف حصہ کو انھوں نے منسوخ ٹھہرا دیا۔

لیکن متقدمین جس معنی میں اس لفظ کو استعمال کرتے تھے اس میں اور نسخ کی اصطلاح سے متاخرین جو کچھ مراد لیتے ہیں، دونوں میں فرق عظیم تھا اب تو کسی حکم کے منسوخ ہونے کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ وہ شرعی قانون ہی باقی نہ رہا۔ حالانکہ متقدمین کی مراد اس سے جو کچھ ہوتی تھی، حافظ ابن قیم اس کے متعلق لکھتے ہیں

رفع دلالۃ العام و المطلق — کسی عام یا مطلق، اور ظاہر لفظ کی دلالت و اثر کو کسی خصوصیت
والظاھر وغیرہ ھا تارۃ اما — کے اضافہ سے یا قید کے بڑھانے سے یا مطلق کو مقید
بتخصیص او تقیید او حمل — پر محمول کرنے سے یا اس کی تفسیر و تبین سے
مطلق علی مقید و تفسیرہ — جو اٹھا دیا جاتا تھا اس پر بھی نسخ کے لفظ کا اطلاق
و تبیینہ حتی انھم یسمون — ہوتا تھا حتیٰ کہ (اگلوں) میں تو لوگ استثنا اور شروط اور
الاستثناء و الشرط و الصفۃ — صفت کے اضافہ کو بھی نسخ ہی کہہ دیتے تھے کیونکہ ظاہر
نسخا لتضمن ذلک رفع دلالۃ — کلام جس بات پر دلالت کرتا تھا وہ بات اس اضافہ
الظاھر و بیان المراد ۔۔۔ — کے بعد باقی نہیں رہتی تھی۔

خیال تو کیجیے کہ نسخ کے اس قدیم معنی اور جدید اصطلاح میں کوئی نسبت بھی ہے؟ پس مکی مشروعات کی طرف نسخ کے لفظ کا انتساب اگر کسی نے کبھی کیا ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے اشارہ اسی معنی کی طرف ہو سکتا ہے جو پہلوں کی اصطلاح تھی، ورنہ نسخ کا مطلب جو کچھ اب سمجھا جاتا ہے کم از کم قرآنی آیات کی حد تک مشکل ہی سے کسی آیت کو اس بنیاد پر منسوخ قرار دیا جا سکتا ہے خیر یہ ایک الگ بحث ہے[1] لیکن اس اصطلاحی مغالطہ کے ازالہ سے اسلام کے ایک بڑے "مذہبی اختلاف" کے چہرے سے چونکہ غبار صاف ہوتا

---

[1] اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے مناسب ہوگا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتاب فوز الکبیر فی اصول التفسیر کا مطالعہ کیا جائے۔

تھا، اس لیے ضمناً اس کا بھی تذکرہ کر دیا گیا۔

"البینات" کے سوا شریعت کے غیر بنیادی اجزا کے اختلاف کے متعلق بزرگوں کے جس نقطۂ نظر کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا یعنی تقریباً سب ہی حق و صواب ہے ان مختلف پہلوؤں میں سے جسے جس پر عمل کی توفیق میسر آجائے وہی اس کے لیے کافی ہے دوسروں کو نہ اس پر اعتراض کرنے کا حق ہے اور نہ غلط ٹھرانے کا یہی صحابہ کا طرز عمل تھا کہ ان مسائل میں باوجود اختلاف رکھنے کے آج تک کسی سے یہ مروی نہیں ہے کہ انھوں نے کسی دوسرے صحابی کے پیچھے نماز پڑھنے سے مثلاً اس لیے انکار کیا ہو کہ فلاں مسئلہ میں وہ ان سے مختلف خیال اور عمل رکھتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے عہد کے جس واقعہ کا ذکر کر چکا ہوں وہی اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاوی میں ایک موقع پر لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔

قد كانت الصحابة والتابعون ومن بعدهم منهم من يقرأ البسملة ومنهم من لا يقرأها وكان منهم من يقنت في الفجر ومنهم من لا يقنت ومنهم من يتوضأ من الحجامة والرعاف والقيء ومنهم من لا يتوضأ من ذالك ومنهم من يتوضأ من مس الذكر ومس النساء بشهوة ومنهم من لا يتوضأ من ذلك ومنهم من يتوضأ عن القهقهة في صلوته ومنهم من لا يتوضأ من ذلك مع هذا فكان

صحابہ و تابعین اور جو لوگ ان کے بعد تھے ان میں کچھ حضرات بسم اللہ زور سے پڑھتے اور بعض نہیں پڑھتے۔ بعض لوگ فجر میں قنوت پڑھتے تھے اور بعض نہ پڑھتے تھے بعض لوگ پچھنا لگانے کے بعد وضو کرتے یا نکسیر پھوٹنے قے ہونے سے بھی وضو کرتے اور بعض نہیں کرتے بعض عضو مستور کے چھونے سے وضو کرتے بعض ذکرتے یا عورت کو نفسانی میلان کے ساتھ چھونے سے وضو کرتے بعض نہ کرتے اسی طرح نماز میں قہقہہ کے ساتھ ہنسنے کی وجہ سے وضو کرتے بعض نہ کرتے مگر باوجود ان تمام باتوں کے

بعضھم یصلی خلف بعض ؎۱۶ بعض بعض کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔

بلکہ شیخ الاسلام نے اسی موقعہ پہ اس کی بھی تصریح کی ہے

کان ابوحنیفہ واصحابہ والشافعی ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب امام شافعیؒ وغیرہم وغیرھم یصلون خلف ائمۃ اھل حضرات مدینہ کے مالکی اماموں کے پیچھے نمازیں پڑھا المدینۃ من المالکیۃ وان کانوا لا کرتے تھے حالانکہ مالکی نہ آہستہ سے بسم اللہ پڑھتے یقرون البسملۃ لاسرا ولاجھرا ؎۱۷ تھے نہ زور سے۔

آخر میں لکھتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے ان کے الفاظ یہ ہیں۔

مازال المسلمون علی عہد النبی صلی اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور آپ کے علیہ وسلم وعہد خلفائہ یصلی خلفا کے زمانے سے مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہی عمل درآمد بعضھم بعض ؎۱۸ رہا ہے یعنی بعض بعض کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔

چند سطر پہلے اپنی خاص زبان میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے۔

من انکر ذلک فھو مبتدع جو اس کا انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔

لیکن اس کا کیا یہ مطلب ہے کہ ہر مسلمان ان مسائل کے متعلق جو چاہے کرے اور جس وقت جس طریقۂ عمل کے اختیار کرنے کو اس کا جی چاہے اس پہ عمل پیرا ہو، جس کا مآل شاید یہی ہو سکتا ہے کہ ایک ایک مسجد میں بیسیوں طرح کی نماز پڑھنے والے، وضو کرنے والے پیدا ہو جائیں اور ایک نماز وضو کے مسائل کیا اس سلسلہ میں انسانی زندگی کا کونسا شعبہ ہے جس میں کچھ نہ کچھ اختلاف نہیں پایا جاتا۔ پھر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کیا ہوگی، ایسے غیر متناسب، متخالف عناصر کا مجموعہ بن کر رہ جائے گی، جن میں کوئی انضباط نہیں اور اجتماعی کیا انفرادی زندگی میں جب یہ شکل پیدا ہو کہ ایک ہی شخص آج کچھ کر رہا ہے۔ کل کچھ آج کچھ بول رہا ہے، کل کچھ سنا رہا ہے اور یہ سارے حرکات دین کے تحت انجام دے رہا ہو، خود ہی سوچنا چاہیے کہ ایسی صورت میں دین میں اور بچوں کے کھیلوں میں کیا فرق رہے گا۔

شاطبی نے لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے اس طرز عمل پر جو خرابیاں مرتب ہوں گی ان میں ایک یہ بھی ہے۔

کالاستھانۃ بالدین اذ — دین کی بات اہانت وتحقیر بن جائے گی کیونکہ اگر یہ صورت
یصیر بھذا الاعتبار سیالا — حال ہو گی تو دین ایک ایسی سیال بہتی چیز قرار پا جائے گی
لا ینضبط ؎۱ — جس کا کوئی ٹھور ٹھکانہ نہیں ہے۔

اگر اسلام کے پیشِ نظر یہی بے ضابطگیاں تھیں تو پھر نمازوں میں، روزوں میں، حج میں، بلکہ اگر غور کیا جائے تو اپنے ہر ہر شعبہ ہر ہر شاخ میں اس کو نظم وضبط، وحدت ویکسانیت پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ لوگ سوچتے نہیں ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث یعنی صفوف کو درست کرنے کا حکم دیتے ہوئے جو آپ فرمایا کرتے تھے۔

استووا ولا تختلفوا فتختلف — برابر برابر کھڑے ہو جاؤ (اختلاف نہ کرو یعنی آگے پیچھے
قلوبکم ؎۱ — نہ ہو جاؤ) ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔

اگر صرف اسی پر غور کر لیتے تو دلوں میں جو شبہہ ہوا ہے اس کا خود بخود ازالہ ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ صفوں کا برابر رکھنا نماز کا کوئی ایسا جز تو نہیں ہے جس کے بغیر نماز باطل یا فاسد ہو جاتی ہو، لیکن آنحضرتؐ نے فرمایا کہ صفوں کے ظاہری اختلاف کا اثر تمہارے باطن پر پڑے گا کیوں پڑے گا، ممکن ہے کہ اس کا بالخاصیت بھی یہ اثر ہو جس پر نبوت کی نظر پہنچی ہو، لیکن اسی کے ساتھ اتنی بات تو شاید یوں بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ ظاہر کی یکسانیت کا اثر باطن پر اس لیے بھی پڑتا ہے کہ آدمی جب دوسرے کو بھی اسی کام میں پاتا ہے جس میں وہ خود مشغول ہے تو نفسیاتی طور پر دونوں کے قلوب بھی باہم ایک دوسرے کے ساتھ یگانگت محسوس کرتے اور جب ظاہر کے اتحاد کا اثر باطن کے اتحاد پر نفسیاتی طور پر پڑتا ہے تو اختلاف کا اثر بھی اسی قانون کا پابند کیوں نہ ہو گا۔ صفوف کی ظاہری ناہمواری کو مٹانے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا اصرار تھا۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ آپ نمازیوں کے مونڈھوں

کو جاکر چھوتے اور جو باہر نکلا نظر آتا اسے برابر کرنے کا حکم دیتے صحابہ کا بیان ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح مناکبنا فی الصلوۃ — نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مونڈھوں کو چھوتے (یعنی برابر ہے یا نہیں اس کا پتہ چلاتے)

اور اسکے بعد آپ استووا (برابر ہو جاؤ) کا حکم دیتے اور جب ایک معمولی صفوں کے اختلاف سے پیغمبر کو نظر آیا کہ دلوں میں اختلاف پڑ جاتے گا، پھر خود ہی غور کرنا چاہیے کہ بلاوجہ اگر مسلمان مذہبی زندگی کے عام شعبوں میں گوناگونی پیدا کریں گے تو اس کا اثر ان کے نفسیات پر کیا پڑے گا خصوصاً عوام کا جو حال اس باب میں ہوتا ہے اس کے دوررس نتائج کا تو اس وقت صحیح اندازہ بھی مشکل ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ سب کا حق پر ہونا ہی اس بات کو شرعاً و عقلاً و مصلحتہً ضروری بنا دیتا ہے کہ بلاوجہ ایک امام کو چھوڑ کر دوسرے کی پیروی نہ کی جائے آخر سب کے صواب وحق پر ہونے کا نتیجہ یہی تو ہو سکتا ہے کہ یہ بھی جائز وہ بھی جائز، پھر دو جائزوں میں سے ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو جو آپ اختیار کرتے ہیں تو یقیناً ایک ایسا کام آپ کر رہے ہیں جس کی ترجیح کی کوئی وجہ نہیں۔

لیکن بجائے اس کے آپ ایک ہی پہلو کو اگر اختیار کیے رہیں خصوصاً جس کے پابند اس ملک کے عام لوگ ہوں تو یہ فعل آپ کا بلاوجہ نہ ہوگا بلکہ اس اختلاف سے مسلمانوں کے اجماع کو آپ بچا رہے ہیں جس سے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہمارے اور آپ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا، بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ عوام سے اختلاف خواہ کسی معمولی ہی بات میں کیوں نہ ہو باعثِ فساد ہوا ہے فساد بین المسلمین جسے قرآن نے حرام کیا ہے کسی جائز فعل کے لیے اس ارتکاب آخر کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ طیبہ تو یہ ہے کہ جائز ہی نہیں بلکہ جائز سے بھی جو چیز اہمیت میں زیادہ بڑھی ہوئی تھی آپ نے اس کو اس لیے ترک فرما دیا کہ جس خطرہ کا اندیشہ اس سے تھا وہ زیادہ اہمیت رکھتا تھا، بناءِ کعبہ کے متعلق آپ کا فرمانا (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ولاحدثان قومك — اگر تمہاری قوم (اے عائشہ) کفر کو حال ہی میں چھوڑے نہ
بالکفر لفعلت (صحاح) — ہوتی تو میں ایسا کرتا یعنی ابراہیم علیہ السلام کی نیو پر اسے تعمیر کرا دیتا

یا منافقین کے قتل کے مشورہ پر آپ کا فرمانا کہ

لا یتحدث الناس ان محمدا — لوگ اس کا چرچا نہ کرنے لگیں کہ محمد اپنے صحابیوں کو
یقتل اصحابہ ۱۲۰ — قتل کرتے ہیں۔

بلکہ صحابہ کو بھی بہت سی جائز باتوں کے متعلق حکم دینا کہ عوام کے سامنے ان کا اظہار نہ کیا کرو، فرماتے کہ

اتریدون ان یکذب اللہ — کیا عوام کے سامنے ان باتوں کا ذکر کر کے چاہتے ہو کہ
ورسولہ ۱۲۱ — اللہ اور رسول کو جھٹلایا جائے۔

یہ اور ایسی بیسیوں باتیں ہیں جن سے مصالح عامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے شریعت کا حکم ہے کہ اگر کوئی بات جائز بھی ہو تو اس کو ترک کر دیا جائے چہ جائیکہ فساد بین المسلمین جسے قرآن نے حرام کیا ہے اس کے ارتکاب کا اندیشہ پیدا ہوتا ہو۔

آپ نے عمر بن عبدالعزیزؒ امام مالکؒ وغیرہم اکابر اسلام کے ان اقوال کو تو شوق سے سنا کہ اختلافات کی تمام صورتوں کو وہ جائز قرار دیتے ہیں جس پر بھی کوئی عمل کر رہا ہے وہی اس کے لیے کافی ہے، لیکن آپ نے ان ہی بزرگوں کے اقوال کے اس حصہ پر غور

حاشیہ صفحہ گزشتہ لہ مشہور بات ہے بخاری وغیرہ سب کتابوں میں ہے کہ خانہ کعبہ کو جاہلیت کے زمانہ میں قریش نے حلال پیسوں کی کمی کی وجہ سے ان حدود جن پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی ایک سمت حطیم کی طرف کچھ ہٹ کر نئی دیوار بنائی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد چاہتے تو ابراہیمی حدود پر پھر کعبہ کو بنوا دیتے لیکن اسی مصلحت کے پیش نظر کہ قریش کا اسلام ابھی نیا اسلام ہے جس حال پر کعبہ بنا ہوا تھا چھوڑ دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اسلام کے چار ارکان میں سے دو مستقل ارکان نماز اور حج کا براہ راست کعبہ سے تعلق ہے، لیکن باوجود اس کے مصلحت کی رعایت فرمائی گئی۔ ۱۲

نہیں کیا کہ تمام مسلمانوں کو ایک ہی راستے پر جمع کیوں نہیں کر دیتے جب ان سے اس کی خواہش کی گئی تو انکار کرتے ہوئے تمام ممالکِ محروسہ کے ولاۃ و حکام کے نام آپ نے فرمان جاری فرمایا

یقضی کل قوم بما	ہر ملک والے اسی پر عمل درآمد کریں جس پر ان کے
اجتمع علیہ فقہاءھم	فقہاء نے اتفاق کیا ہو۔

اور خلیفہ عباسی کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا۔

دع الناس بما اختار اھل	چھوڑ دیجیے ہر شہر کے لوگوں کو جو کچھ انھوں نے اپنے
کل بلد منھم لانفسھم	لیے اختیار کر لیا ہے۔

خود سوچیے کہ ان اقوال کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس علاقہ کے مسلمان دین کے غیر بنیاتی حصہ میں جس مسلک کے پابند ہیں، ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا جائے، اور یہی میں کہنا چاہتا ہوں، اور یہی کیا کہتا ہوں، ابتداء سے مسلمانوں کا ہر ملک میں نسلاً بعد نسلٍ طبقۃً بعد طبقۃٍ یہی طریقہ چلا آ رہا ہے کہ جس علاقہ کے مسلمان جس چیز کے پابند ہیں بس اسی کے پابند رہتے ہوئے چلے آ رہے ہیں جیسا کہ بہ تفصیل آئندہ معلوم ہوگا کہ اسلام کے ساتھ قدرت کی یہ غیبی امداد ہوئی کہ دین کے غیر بنیاتی حصہ کے متعلق اگرچہ ابتداء میں بیسیوں آرا اور مسالک پیدا ہو گئے تھے اور ہر ایک کا انتساب کسی نہ کسی مجتہد اور امام ہی کی طرف تھا لیکن بتدریج ان کی تعداد کم ہوتے ہوئے اس نقطہ تک پہنچ گئی کہ آج مسلمانوں کی اکثریت غالبہ (یعنی اہلِ سنت میں) لے دے کر صرف چار مسلکوں کا رواج باقی رہ گیا اور ان میں بھی اگر سچ پوچھیے تو حنابلہ کی تعداد اتنی اقلیت میں ہے کہ شاید یہی کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اب اسلامی دنیا زیادہ تر صرف حنفیہ و مالکیہ اور شافعیہ پر مشتمل ہے اور ان میں جو عددی نسبت ہے اس کا اندازہ آپ کو اس تازہ رپورٹ سے ہو سکتا ہے جسے امیر شکیب ارسلان مرحوم نے اپنی کتاب حسن المساعی کے حاشیہ پر درج کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

واتباع مذهب ابی حنیفة اکثر المسلمین	مسلمانوں کی اکثریت امام ابوحنیفہؒ کی پیرو ہے
فالترک باجمعهم و مسلمو ابلاد	یعنی سارے ترک اور بلقان کے مسلمان اور
البلقان ومسلموا الروسیة ومسلموا افغانستان	روس کے مسلمان افغانستان کے مسلمان
والهند والصین واکثر مسلمی العرب فی	ہندوستان کے چین کے عرب کے اکثر مسلمان
الشام والعراق فی الفقه علی مذهب الحنفی	جو شام وعراق میں رہتے ہیں، فقہ میں حنفی
واکثر اهل سوریة والحجاز والیمن والحبش	مسلک رکھتے ہیں اور سوریہ (شام) حجاز یمن
وجمیع بلاد الجاوی واکثر الامة	حبشہ اور جاوہ کے سارے علاقے کردستان
الکردیة یقلدون الامام الشافعی المغاربة	والے امام شافعیؒ کے مقلد ہیں اور مغرب کے
واهل غربی افریقیه واواسط افریقه و	مسلمان اور مغربی و وسطِ افریقہ کے مسلمان اور
بعض اهل مصر یقلدون امام دار الهجرة	مصر میں کچھ لوگ دار الہجرت کے امام امام مالکؒ
مالك بن انس واهل نجد و بعض	کے مقلد ہیں، نجد والے اور بعض شام کے
اهل سوریة کاهل نابلس و دومه	باشندے جیسے نابلس و دومہ والے امام احمد
یقلدون احمد بن حنبل (ص ۷۹)	بن حنبل کے مقلد ہیں۔

اسی کے ساتھ اگر اس پر بھی غور کیا جائے کہ عموماً مختلف فقہی مسالک رکھنے والے مسلمان ہر ملک میں ملے جلے نہیں پائے جاتے بلکہ بعض قدرتی اسباب وحالات ایسے پیدا ہوئے کہ عموماً جہاں جہاں احناف ہیں وہاں موالک نہیں ہیں،[1] وبالعکس اور یہی حال دوسرے ائمہ کے متبعین ومقلدین کا ہے جس کی وجہ سے بحمد اللہ ان تیرہ صدیوں میں جہاں تک ممکن تھا مسلمانوں کی عملی وحدت بھی ہر ملک میں عموماً ہمیشہ محفوظ رہی ہے جس کا مآل یہی ہوا کہ باوجود اختلاف کے عام حالات میں ان کی دینی وحدت کسی زمانہ میں بھی مجروح نہیں ہوئی۔ غیر اقوام جو ان کے ساتھ مختلف ممالک میں آباد تھے ان کی نگاہوں میں کبھی اس لیے سبک

---

[1] یعنی جہاں مالکیہ ہیں وہاں حنفیہ نہیں مثلاً مراکش والجیریا وغیرہ ہیں۔

غلطی پر نہیں ہے۔ لیکن عملاً مسلمانوں کو چاہیے کہ جس مسلک کا اس ملک میں عمومی رواج ہو۔ جن لوگوں کی ان مسائل کے متعلق اکثریت ہو اسی کی اتباع کریں تاکہ اپنے پیغمبر کے فرمان:

فعلیکم بالسواد الاعظم ؎ بڑی اکثریت کی پیروی کرو۔

من شذ شذ الی النار ؎ جس نے عام مسلمانوں سے الگ ہو کر راہ بنائی وہ جہنم میں گرا۔

کی تعمیل سے بھی سرفراز ہوں اور جس "شذوذ" کی اس میں دھمکی دی گئی ہے اس سے بھی مامون ہوجائیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے، جیسا کہ بعضوں کے اصرار سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورۃً بھی آدمی اپنے ملک کے عام مسلک سے کسی وقت کسی زمانہ میں تجاوز نہیں کر سکتا۔ کم از کم احناف کا مسلک تو کتابوں میں جو نقل کیا جاتا ہے سو یہ ہے۔

لو افتی بقول مالک فی موضع — اگر ضرورت کے وقت امام مالک کے قول کے مطابق (کوئی
الضرورۃ ینبغی ان لاباس بہ — حنفی عالم) فتوی دے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں
(فتح المعین شامی وغیرہ) کتاب المفقود — ہے۔

ظاہر ہے کہ "مالک" کے لفظ کا یہاں بطور مثال کے ذکر کیا گیا ہے ورنہ مقصود وہی ہے کہ جن چار مجتہدوں کی فقہ دنیا میں باقی رہ گئی ہے، یعنی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس کی صفت یہ بیان کی ہے۔

ان تکون اقوالهم التی یعتمد — یعنی ان ائمہ کے جن اقوال پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ صحیح
علیها مرویة بالاسناد الصحیح — سندوں سے مروی ہوں اور عام مشہور متداول
او مدونة فی کتب مشهورة وان — کتابوں میں ان کے یہ اقوال مدون ہوں نیز ان کی
تکون مخدومة بان یبین الراجح — خدمت بھی کی گئی ہو یعنی مختلف پہلوؤں میں جو
من محتملاتها ویخصص عمومها — راجح ترین پہلو ہو اس کو ترجیح دی گئی ہو، نیز بعض
فی بعض المواضع ویقید — مقامات میں عام الفاظ کے ساتھ جہاں ضرورت ہو

؎ یعنی مسلمانوں کی عام جماعت کے دائرہ سے نکلنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ ایسا آدمی جہنم میں جا پڑیگا۔

مطلقھا فی بعض المواضع	خصوصیت کا اضافہ کیا گیا ہو، اور بعض کو مقید کیا
و یجمع المختلف منہا	گیا ہو، مختلف اقوال میں تطبیق دی گئی جو احکام ان سے
ویبین علل احکامہا ۱۷۳	ثابت ہوں انکے اسبابِ علل بیان کیے گئے ہوں۔

شاہ صاحبؒ نے ان صفات کو بیان کر کے لکھا ہے۔

ولیس مذہب فی ہذہ الازمنۃ	اور پچھلے زمانہ میں مذکورہ بالا صفات کے ساتھ
المتاخرۃ بہذہ الصفۃ الا ہذہ	کوئی مذہب بجز ائمہ اربعہ کے مذہب کے نہیں
المذاہب الاربعۃ ۱۷۴	پایا جاتا۔

گفتگو اگرچہ تدوینِ فقہ میں ہو رہی تھی۔ لیکن اسلامی فقہ کو ان ہی اختلافات کے قصوں کو سُنا سُنا کر ان کو بے وزن بنانے کی کوششوں کا جو سلسلہ جاری ہے اسی صورتِ حال کا یہ تقاضا نظر آیا کہ فقہی اختلافات کا جو واقعی قصہ ہے کچھ کہنے سے پہلے اسی قصہ کی تفصیل بیان کر دی جائے۔ بیان تو ابھی اس سلسلہ میں بہت کچھ کیا جا سکتا ہے لیکن اپنی اس کتاب میں بطور تمہید کے جس قدر کہنا مقصود تھا وہ بحمد اللہ کہا جا چکا اب اپنے اصل مضمون یعنی تدوینِ فقہ کی طرف متوجہ ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ واللہ ولی الامر والتوفیق۔

آئندہ محاضرات میں انشاء اللہ اسی کی دل چسپ داستان آپ کو سنائی جائے گی بشرطیکہ سنانے کا موقع ملا۔

حواشی

تقدیم: ڈاکٹر رشید احمد جالندھری

۱۔ رسالہ قشیریہ مقدمہ و اما الخیام فانّھا کخیامھم ، واری نساء الحی غیر نسائھا

۲۔ اعراف ۱۷۹

۳۔ التوبہ ۱۲۲

۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیے چٹان لاہور ۲۲ ,مئی ۱۹۷۲ء

۵۔ تاریخ الفقہ الاسلامی ص ۱۳۱ ط۔ (قاہرہ ۱۹۵۷ء)

۶۔ تاریخ التشریع الاسلامی، قاہرہ ۱۹۳۰ء ص ۳۸۶ - ۳۸۸ نیز ملاحظہ کیجئے ازمۃ الفقہ الاسلامی از محمّد یوسف موسیٰ رسالہ "ازہر" اپریل ۱۹۵۳ء

۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے رسالہ المنار ——— کے پہلے شمارے اور تاریخ الاستاذ الامام از رشید رضاج اول

۸۔ افسوس! آج ہم نے شریعۃ اسلامیہ یا اسلامی قانون کو نجی معاشرت یا عبادات تک محدود کر دیا ہے۔ معاملات اسلامی قانون میں نہیں آتے اس افسوس ناک صورتحال کی ذمہ داری علماء ازہر پر ہی عائد ہوتی ہے جن کی لغزشوں کی وجہ سے گذشتہ صدی میں والئ مصر اسماعیل پاشا نے نپولین کوڈ کا عربی ترجمہ کرایا اور مصر میں نافذ کیا تفصیل کے لیے دیکھیے تاریخ الاستاذ الامام ج ۱ ص ۶۱۰ ، واقعہ یہ ہے کہ فقہ اسلامی کی تدوینِ جدید کے لیے یہ کتاب (تاریخ الاستاذ الامام) انتہائی مفید ہے

۹۔ محمد یوسف موسیٰ تاریخ الفقہ الاسلامی ص ۱۴ قاہرہ (۱۹۵۸ء)

۱۰۔ فقیر نے اگست ۱۹۷۳ء میں چترال کی مجلسِ علماء سے مل کر چترال کے مذہبی اور اجتماعی امور کے بارے میں تفصیلات حاصل کی تھیں اس سلسلہ میں سابق مہتر چترال کے صاحبزادے ڈاکٹر سردار الملک نے فقیر کو قیام چترال میں سہولتیں فراہم کی تھیں خیال تھا کہ چترال

کے شرعی نظام پر ایک تفصیلی مقالہ سپرد قلم کروں۔ لیکن وقت نے تاحال اس کی اجازت نہیں دی۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اس مقالے کے لیے دوبارہ چترال جانا چاہتا ہوں اگر کوئی اہل علم چترال جا کر اس موضوع پر کام کریں تو انہیں قیمتی معلومات مل سکتی ہیں۔

۱۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے احمد موافی "منہج الشریعۃ والقانون فی تقریر الاحکام" فاضل مقرر کا یہ ـــــ مقالہ ازہر یونیورسٹی نے "المحاضرات العامۃ" ۲۔ ط ۔ ۱۹۶۰ء میں شائع کیا ہے

۱۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "ہندوستان میں قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ" از طفیل محمد، ط۔ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۵۸ھ

۱۳۔ اس سلسلہ میں سید گیلانی مرحوم کی کتاب "مقالاتِ احسانی" ط۔ کراچی دیکھیے یہ کتاب اس قابل ہے کہ بی۔ اے یا ایم۔ اے کے نصاب میں داخل ہو یا کم از کم ایم۔ اے اسلامیات میں۔ وقت سے کس کس بات کا شکوہ کیا جائے کہ اسلامیات میں وہ وہ کتابیں داخل ہیں۔ جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ روایتی مذہب یا مذہبی پروپیگنڈے سے ہو تو ہو۔

۱۴۔ مقدمہ تدوین فقہ ص ۱۶۹

۱۵۔ مقدمہ ص ۳۴۔۳۵۔ یہاں پر بحر الرائق کے حوالے سے فقہ کی تعلیم کو قرآن کی تعلیم سے افضل گردانا گیا ہے۔

۱۶۔ مقدمہ

اصل کتاب

۱۔ فتوحات، ۳۷۶/۱

۲۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم حضرت شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ کے حوالوں کو جو اس کتاب میں دیے گئے ہیں دیکھ نہیں سکے۔

۳۔ الاشباہ، ج ۱ ص ۵ ط دائرۃ المعارف دکن

۴۔ بحر الرائق قاہرہ ۱۳۱۱ھ ص ۷ (مقدمہ)

۵۔ ترمذی قاہرہ ۱۴۱/۴ (ابواب العلم)
سنن دارمی، دمشق، ۱۳۴۹ھ، ۱۲۵/۱،
(الاقتداء بالعلماء) لیکن دارمی میں الفاظ
مختلف ہیں۔

۶۔ صحیح بخاری بولاق، قاہرہ ۱۳۱۱ھ ۲۷/۱
(کتاب العلم)

۷۔ فوائد الفواد لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۳۷۔
(مطبوعاتِ اوقاف)

۸۔ بحرالرائق ص ۶۔

۹۔ ایضاً، ص ۷، ۸

۱۰ عبقات، کراچی ۱۹۶۰ء ص ۱۷۲

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۷۳

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۷۳

۱۳۔ تفسیرات احمدیہ، کلکتہ، ۱۸۴۷ء،
ص ۴۔

۱۴۔ عبقات، ص ۱۷۳

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۷۳

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۰۳

۱۷۔ بحرالرائق، ص ۶۔

۱۸۔ ذیل الجواہر المضیئۃ دائرۃ المعارف
دکن، ص ۵۱۹

۱۹۔ بحرالرائق، ص ۱

۲۰۔ النبی الخاتم، لاہور ۱۹۶۰،
ص ۱۱۵، ۱۱۶

۲۱۔ تاریخ التمدن الاسلامی، قاہرہ
۱۹۰۲ء، ج ۱ ص ۳۰،
یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جرجی زیدان کی تاریخ اہلِ نظر کے ہاں مستند شمار نہیں کی جاتی۔ خود مصنف کی زندگی ہی میں شبلی مرحوم نے جرجی زیدان کی گرفت کی تھی کہ انھوں نے بعض اوقات حوالے صحیح نہیں دیتے یا اصل عبارتوں میں تحریف کی ہے تفصیل کے لیے دیکھیے الانتقاد علی کتاب التمدن الاسلامی، لکھنؤ ۱۹۱۲ء مصر کے معروف مؤرخ ڈاکٹر حسین مونس نے اپنی تحقیق سے تمدن، کا نیا نسخہ بھی قاہرہ سے شائع کر دیا ہے

۲۲۔۲۳ ایضاً، ج ۱ ص ۷۵

۲۴۔ ایضاً ۱/ ۷۹

۲۵۔ ایضاً :/ ۸۳

۲۶۔ ایضاً

۲۷ تفسیرات احمدیہ، ص ۲

۲۸۔ بدایۃ المجتہد قاہرہ ۱۹۶۹، ج ۱ ص ۱

۲۹۔ اعلام الموقعین، ۲۶۵/۲ (ہم اصل
حوالہ نہیں دیکھ سکے)

۳۰۔ الموافقات تونس ۱۳۰۲ھ ج ۴۔

ص ۴۲

۳۱-۳۴۔ ایضاً ۴/۳/۴۳

۳۵۔ ازالۃ الخفاء ۲/۱۴۰ (ہم اصل عبارت نہیں دیکھ سکے)

۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ بخاری (کتاب الوضوء) صحیح مسلم (الطھارۃ)

۳۸۔ سنن نسائی، (المساجد)

۳۹۔ عبقات، ۱۷۰، ۱۷۱

۴۰ ابن ماجہ

۴۱ بخاری کتاب العلم نمبر ۳۴

۴۲ الاحکام ۵/۱۲۳ ہم اصل حوالہ نہیں دیکھ سکے۔

۴۳۔ فتح الباری۔ قاہرۃ ۱۳۴۸ھ، ۷/۳۰۹ (کتاب المغازی)

۴۴۔ کنز العمال، دکن ۱۳۱۴ھ، ۷/۲۳۷ (کتاب القیامۃ)

۴۵۔ بخاری، کتاب العلم۔

۴۶۔ بخاری، (کتاب الصوم)

۴۷۔ الموافقات

۴۸۔ احکام القرآن، استنابول، ۱۳۳۵ھ، ۱/۲۰۴

۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ ایضا، ص ۲۰۲، ۲۰۳

۵۱۔ ایضا

۵۲۔ ایضا

۵۳۔ ایضا

۵۴۔ ایضا

۵۵ الرسالۃ، بولاق ۱۳۲۱ھ، ص ۵۰ کتاب العلم

۵۶۔ ایضاً

۵۷۔ ایضا ص ۵۱

۵۸۔ احکام القرآن ۱/۲۰۴ اس سے بعد کے ۵ عربی اقتباسات بھی اسی صفحہ سے ماخوذ ہیں۔

۵۹۔ الرسالۃ: ص ۵۰

۶۰۔ جمع الفوائد، ۲/۱۲۹ (کتاب التفسیر)

۶۱۔ ایضا، ۱/۲۸۵ (کتاب المناسک)

۶۲۔ ایضا ۱/۲۸۷

۶۳-۶۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۵ (مطبوعہ دکن)

۶۶۔ شبیر احمد عثمانیؒ، فتح الملہم ۱/۹۳ (مقدمہ)

۶۷۔ تذکرۃ ۱/۶

۶۸ الاحکام، ص ۱۳۸

۶۹ تذکرۃ ۱/۷

۷۰ الاحکام ص ۱۳۸

۷۱۔ فتح الملہم ص ۸۰ (مقدمہ)

۷۲۔ الرسالۃ، ص ۵۷

۷۳۔ ابن الجوزی ص ۱۱۹ بحوالہ البخاری، تلقیح فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر، دہلی ۱۹۳۵ء ص ۱۸۵

۷۴۔ الموافقات، ۴/۷۳

۷۵۔ بدایۃ المجتہد، قاہرہ/۱۳۲۹ھ، ۱/۳۸۲ (ط۔ خانجی)

۷۶۔ الموافقات ۴/۵۹

۷۷۔ ایضاً

۷۸۔ سنن دارمی، ۱/۵۱ (باب اختلاف الفقہاء)

۷۹-۸۳۔ الموافقات ۴/۸۰

۸۴۔ ایضاً

۸۵-۸۶۔ ایضاً ۴/۹۴

۸۷-۹۰۔ جمع الفوائد ۱/۱۶۸ (کتاب الصلوٰۃ)

۹۱۔ الموافقات، ۴/۹۴

۹۲۔ ایضاً، ص ۹۳

۹۳۔ تاریخ یورپ حیدر آباد دکن ص ۲۵۱

۹۴-۹۵۔ ایضاً، ص ۲۵۱-۲۵۲

۹۶۔ تفصیلات کے لیے یورپ کی علم تاریخیں اور علامہ فرید وجدی کی کنز العلوم واللغۃ، نامی کتاب پڑھئے (فرید وجدی کی کتاب ہم نہیں دیکھ سکے)

۹۷۔ الشعرانی، المیزان الکبریٰ، قاہرہ ۱۲۷۹ھ، ۱/۴۵

۹۸۔ ایضاً، ۱/۴۶

۹۹۔ ایضاً، ۱/۴۵

۱۰۰۔ دارمی ۱/۱۵۱ (اختلاف الفقہاء)

۱۰۱۔ میزان ۱/۴۵

۱۰۲۔ ایضاً ۱/۶۷

۱۰۳۔ جواہر مضیئۃ، ۲

۱۰۴۔ فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲/۳۸۱

۱۰۵۔ النافع الکبیر دہلی ۱۲۹۱ھ ص

۱۰۶-۱۰۸۔ عقد الجید، قاہرہ، ۱۳۲۷ھ ص ۲۳، ۲۴

۱۰۹۔ میزان، ۱/۷۹

۱۱۰۔ عقد الجید ص ۲۴

۱۱۱-۱۱۲۔ عبقات ص ۱۴۷

۱۱۳۔ الموافقات ۴/۱۲۱-۱۲۲

۱۱۴۔ ایضاً، ص ۱۲۳

۱۱۵۔ اعلام الموقعین، دہلی ۱۳۱۳ھ ۱/۱۲

۱۱۶۔ فتاویٰ قاہرہ ۱۳۲۶ھ ۱/۳۸۰

۱۱۷۔ ایضاً۔ ص ۳۸۱

۱۱۸۔ الموافقات ۴/۱۴۷

۱۱۹- مسلم (تسویۃ الصفوف) ترمذی (الصلوٰۃ)

۱۲۰- بخاری (کتاب المناقب) مسلم (کتاب البر)

۱۲۱- بخاری، کتاب العلم

۱۲۲- سنن ابن ماجہ (کتاب الفتن)

۱۲۳- ترمذی (ابواب الفتن)

۱۲۴-۱۲۵- عقد الجید ص ۳۹

ہماری دیگر مطبوعات

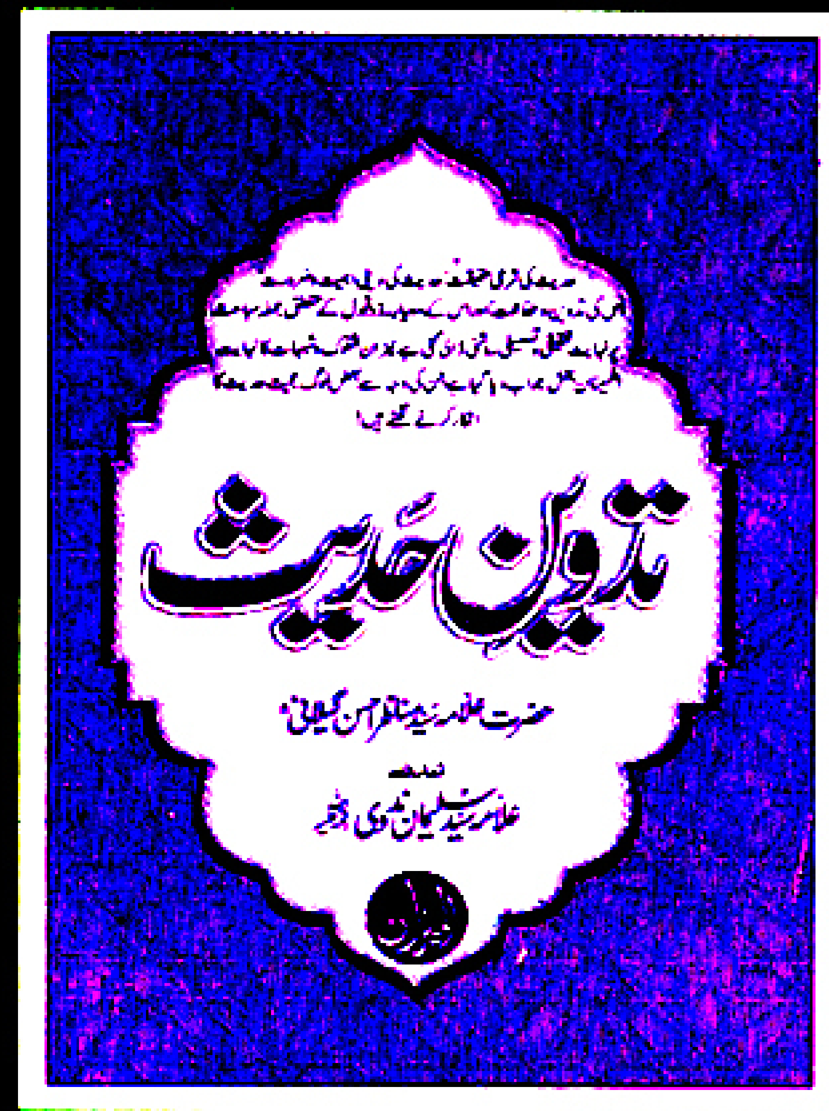

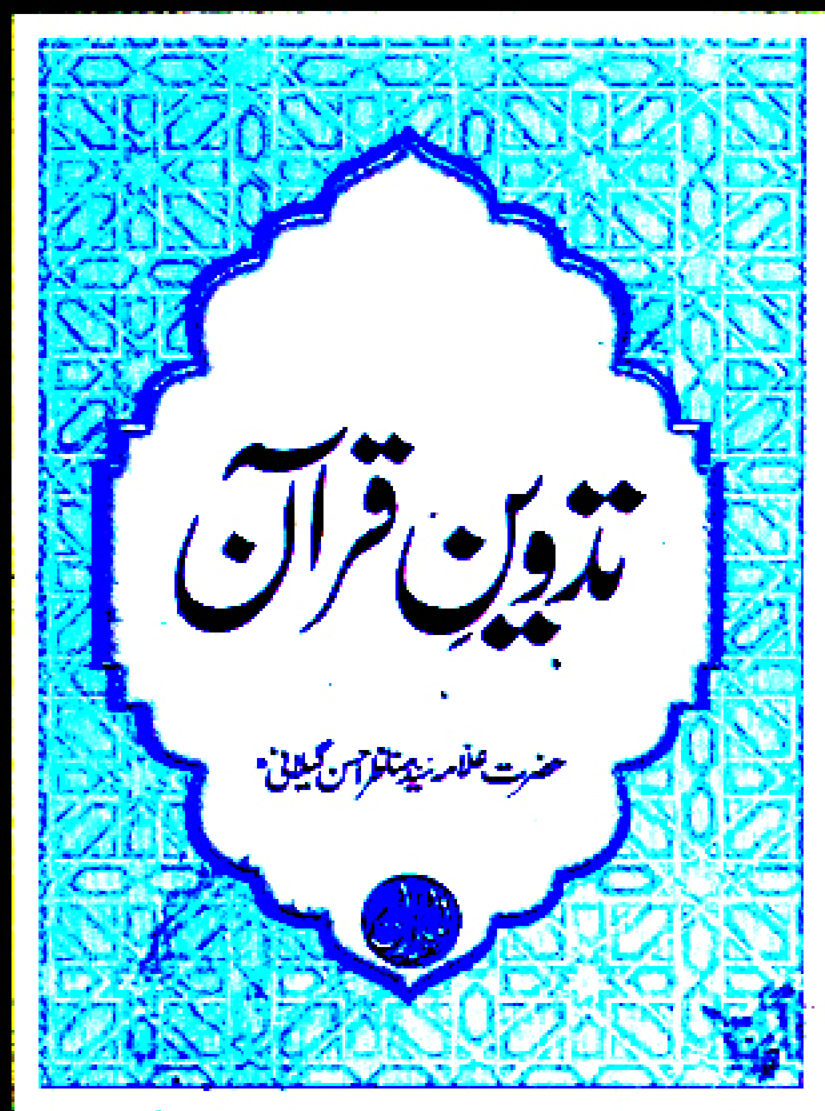

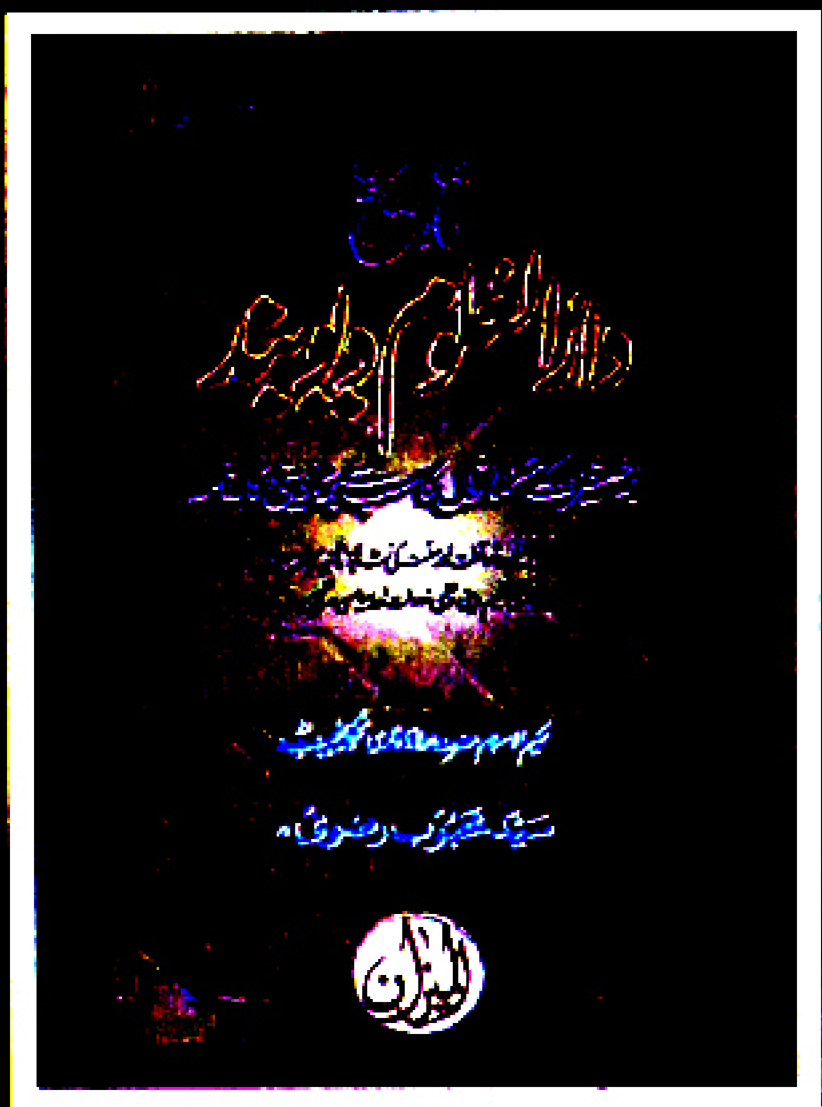

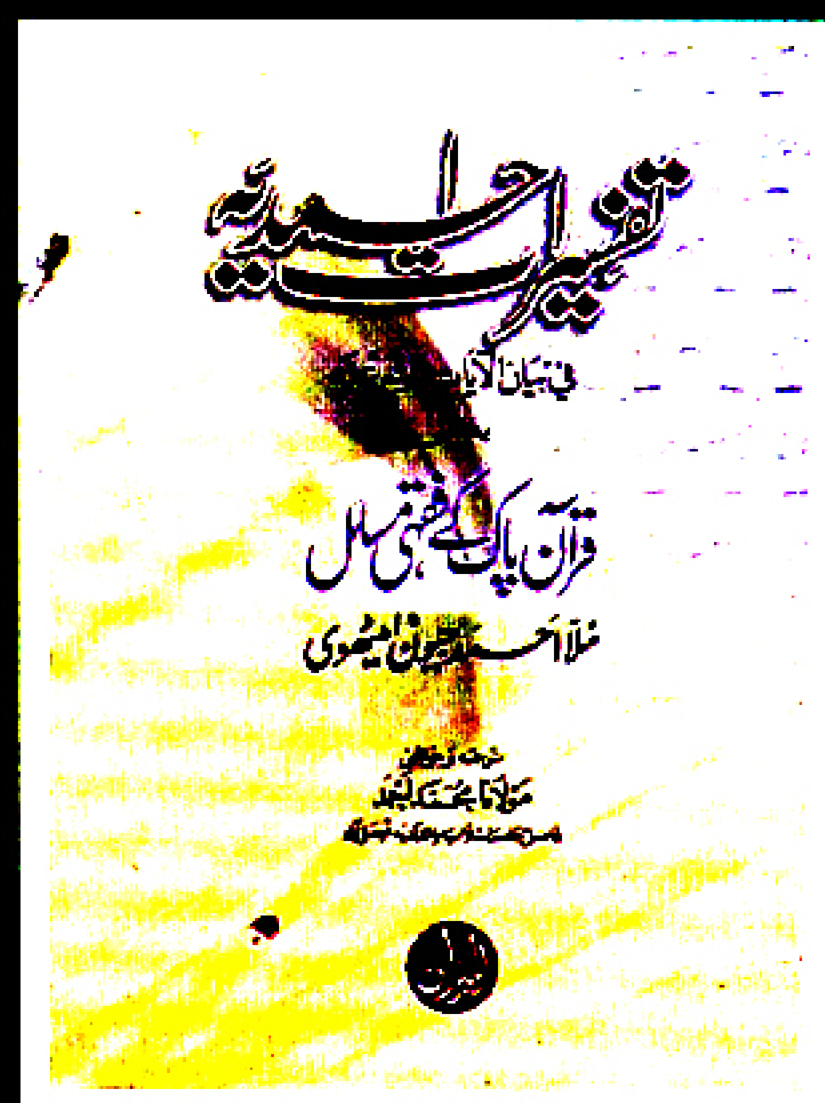

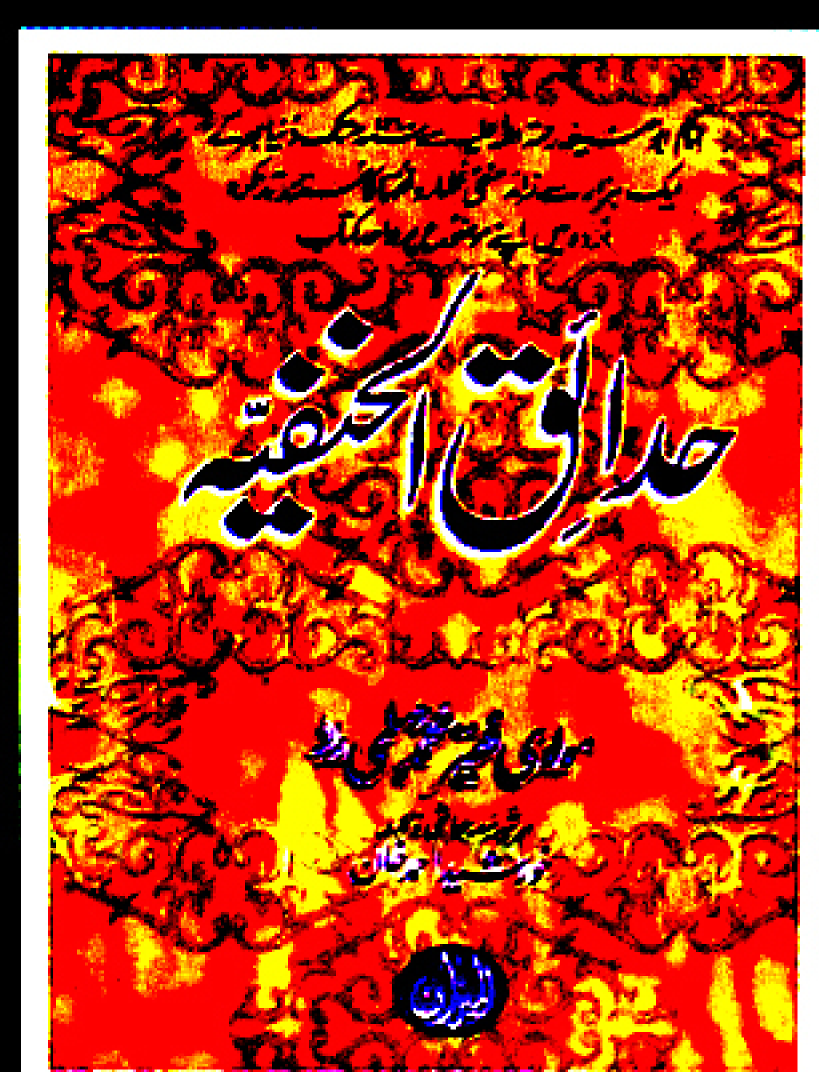

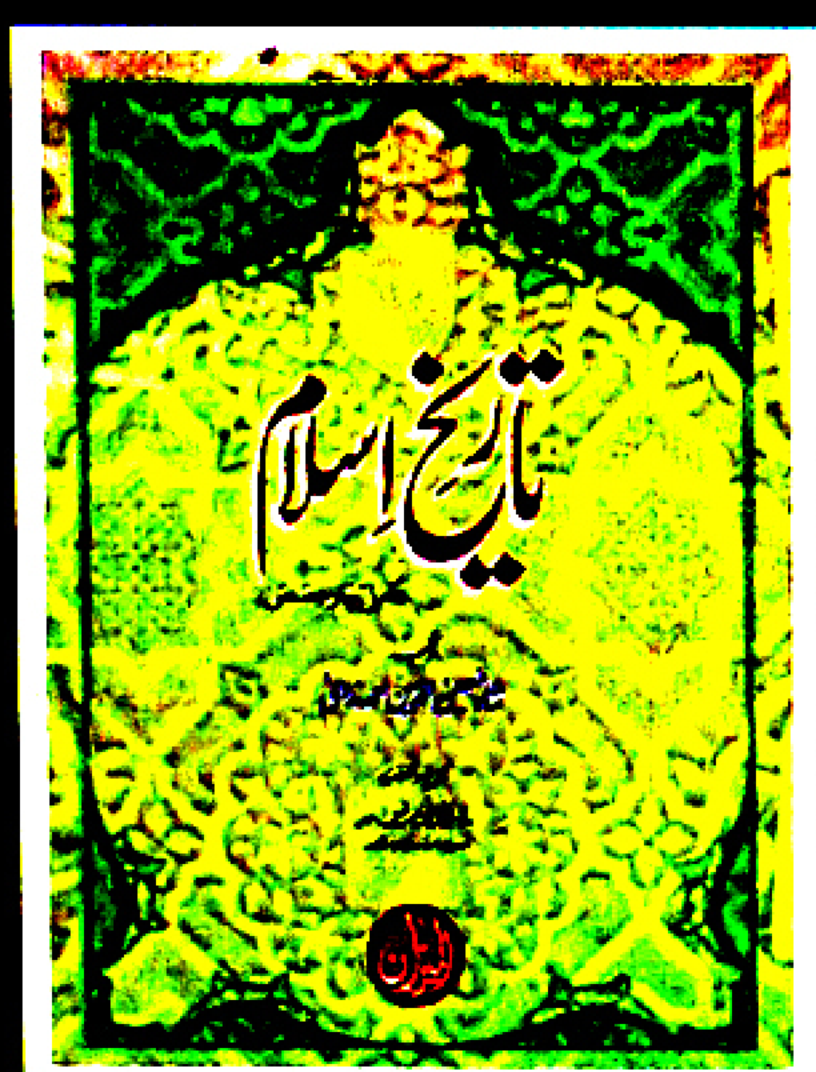

المیزان ناشران و تاجران کتب

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور پاکستان

Ph.:042-7122981, 7212762

E-mail: al.mezan@gmail.com